

**DYAL SINGH PUBLIC LIBRARY**  
READING ROOM,  
NEW DELHI-I.

## NEW DELHI

Cl. No. 891.4391

529

Ac. No. 1254

**Date of release for loan**

This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 10 P. will be charged for each-day the book is kept overtime.

[illegible]



# روحِ انیس

یعنی

فردوسی ہند میر انیس کے بہترین مرثیوں، سلاموں اور رباعیوں کا مجموعہ

جو

متعدد قلمی نسخوں کے باہمی مقابلے کے بعد مقدموں اور حاشیوں کے ساتھ  
مرتب کیا گیا

مُتَبِّعاً

سید مسعود حسن رضوی اذیب

کتاب نگر۔ دین دیال روڈ۔ لکھنؤ



529

طبع اول	.. .. .	اندین پریس، الہ آباد	۱۹۳۱ء
طبع دوم	.. .. .	کتاب نگر، لکھنؤ	۱۹۵۶ء
طبع سوم	.. .. .	کتاب نگر، لکھنؤ	۱۹۶۲ء
طبع چہارم	.. .. .	کتاب نگر، لکھنؤ	۱۹۷۵ء
طبع پنجم	.. .. .	کتاب نگر، لکھنؤ	۱۹۸۰ء

**KITABUNAGAR**

Revised Price

Rs. 9.50

**Revised Price**

## قیمت

مطبعہ عہدہ نظامی پریس .. ..  
مدخلی احمد زیدی ..

ناشی

کتاب نگر دینِ خیال و کفن

# فہرست مضامین

۵	دیباچہ طبع چہارم
	مقدمے
۸	(۱) واقعہ کو بلا اور اس کے اسباب و نتائج
۱۸	(۲) مرغیہ اور اجوائے مرثیہ
۲۱	(۳) اشخاص مرثیہ
۲۶	(۴) میرانفیس کے حالات زندگی
۳۳	(۵) کلام پر مختصر تبصرہ

## مرثیے

۴۵	۱۔ بخدا فارس میدان تہور تھا حُر
۷۱	۲۔ جاتی ہے کس شکوہ سے دن میں خدا کی فوج
۱۰۵	۳۔ جب دن میں سرابند علی کا علم ہوا
۱۳۵	۴۔ کیا غازیان فوج خدا نام کو گئے
۱۶۳	۵۔ جب فوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا
۱۹۷	۶۔ نہک خوان حکم ہے نصاحت میری
۲۱۷	۷۔ جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

## سلام

۲۵۵	۱۔ خود نوید زندگی لائی قضا میرے لیے
۲۵۵	۲۔ رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نہ رکھتے نہیں

- ۳۔ نمود و بود کو عاقل حجاب سمجھے ہیں ۲۵۶ .. .. .
- ۴۔ کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے ۲۵۷ .. .. .
- ۵۔ اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گرد دکھا ۲۵۸ .. .. .
- ۶۔ غم شہ کا جس نے بیاں کر دیا ۲۵۹ .. .. .
- ۷۔ سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو ۲۵۹ .. .. .
- ۸۔ علی سا بھی نہ کوئی عادل زمانہ ہوا ۲۶۰ .. .. .
- ۹۔ گزرتے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا ۲۶۱ .. .. .
- ۱۰۔ مراد زدل آشکارا نہیں ۲۶۲ .. .. .
- ۱۱۔ ضبط گو یہ ماتم سرور میں ہو سکتا نہیں ۲۶۳ .. .. .
- ۱۲۔ شبیہ امام زماں کھینچتے ہیں ۲۶۳ .. .. .
- ۱۳۔ ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے ۲۶۵ .. .. .
- ۱۴۔ شبیہ کے غم میں رو رہے ہیں ۲۶۵ .. .. .
- ۱۵۔ پڑا جو عکس تو ذرہ بھی آفتاب بنا ۲۶۶ .. .. .

### رباعیاں

- ۱۔ رباعیاں ۱۰۴ .. .. .
- ۵۔ رباعیاں ۱۳۲ .. .. .
- ۲۔ رباعیاں ۱۶۲ .. .. .
- ۳۔ رباعیاں ۱۹۶ .. .. .
- ۳۔ رباعیاں ۲۱۵ .. .. .
- ۷۔ رباعیاں ۲۱۶ .. .. .
- ۶۔ رباعیاں ۲۵۴ .. .. .
- ۳۵۔ رباعیاں ۲۶۲-۲۶۴ .. .. .

## دیباچہ طبع پنجم

میر انیس کے منتخب کلام کا یہ مجموعہ چار مرتبہ شائع ہو کر قبول عام کی سند پانچکا ہے۔ اب اس کا یہ پانچواں ایڈیشن حسب معمول انیس فہمی کے تمام لوازم کے ساتھ نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

یہ مجموعہ مرتب کرنے کی غرض سے انیس کے دفتر دفتر کلام کا گہری نظر سے کئی بار مطالعہ کیا گیا ہے اور اس کو کلام انیس کی روح کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ لیکن یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ان جواہرات کے نکل جانے سے انیس کا خزانہ خالی ہو گیا۔ ان کے بلند پایہ کلام کے ایسے ہی دو تین مجموعے اور مرتب کیے جاسکتے ہیں۔

انتخاب کلام کی شکل منزل طے کرنے کے بعد اس سے زیادہ دشوار گزار منزل یہ تھی کہ مرثیوں کے قدیم اور مستند نسخے فراہم کر کے ان کے باہمی مقابلے سے کلام کی تصحیح کی جائے۔ اس سلسلے میں کس کس کی نادر برداری کو ناپڑی، کن کن دروازوں پر بار بار حاضری دینا پڑی اور کتنی کتنی مرتبہ ایک مرثیے کا دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنا پڑا، ان زحمتوں کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے خود بھی اس کام میں ہاتھ ڈالا ہو، مگر اس تمام دواوش تلاش و تجسس، دماغ سوزی اور دیدہ ریزی کے بعد بھی وہ نتیجہ نہ نکلا جو مرتب کا مقصود تھا۔ مرثیوں کے ایسے نسخے دستیاب نہ ہوئے اور نہ شاید کسی کو دستیاب ہو سکتے ہیں جن کے متعلق یہ یقین کیا جاسکے کہ ان کا حرف حرف صحیح ہے اور وہ ان مرثیوں کی آخری صورتیں ہیں، جن کے بعد مصنف نے کوئی ترمیم یا اضافہ نہیں کیا۔ ایسی حالت میں تصحیح کی صرف یہی تدبیر ممکن تھی کہ جہاں مختلف نسخوں میں کوئی اختلاف نظر آئے وہاں جو صورت سب سے بہتر ہو وہ اختیار کر لی جائے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ جس صورت کو مرتب کا ذوق

سب سے بہتر قرار دے، وہ حقیقت میں بھی ایسی ہو اور نہ یہ ضروری ہو کہ جو صورت سب سے بہتر ہو وی انیس نے اختیار کی ہو، لیکن تصحیح کا کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہی نہ تھا۔ انتخاب اور تصحیح کے بعد ترتیب کا مرحلہ تھا جو خوبی کے ساتھ طے ہو گیا۔ مثنویوں کی جو ترتیب قرار دی گئی ہو اس سے ایک طرف ان واقعات کی مسلمہ ترتیب سے موازنہ ہوتی ہو جو ان مثنویوں کے موضوع ہیں، دوسری طرف ایک کے بعد دوسرے مثنوی میں کلام کا زور بڑھتا اور شاعر کا کمال ابھرنا چلا جاتا ہے۔ اس طرح پڑھنے والوں کی دلچسپی شروع سے آخر تک صرف قائم ہی نہ رہے گی بلکہ بڑھتی جائے گی۔

انیس کے کلام کو بخوبی سمجھنے کے لیے کہ بلا کے غنیمت واقعے کے تفصیلات اشخاص مرتبہ کے حالات، شاعر کے معتقدات و مسلمات، جو لوگ اس کے براہ راست مخاطب تھے ان کے خیالات و جذبات اور مثنوی کے لوازم و خصوصیات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس غرض سے چند مقدمے کتاب میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ یہ مختصر مقدمے تمام ضروری معلومات تو بہم نہیں پہنچا سکتے، لیکن ان کا بغور مطالعہ کرنے سے وہ ذہن پس منظر کی حد تک ضرور پیدا ہو سکتا ہے جس کے بغیر مثنوی کی شاعری سے پورا لطف اٹھانا ممکن نہیں۔ مقدموں میں پہلے واقعہ کہ بلا کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے کہ وہی مثنویوں کا اصل موضوع ہے۔ اس کے بعد مثنوی کی تعریف اور اس کے اجزائے ترکیبی بتائے گئے ہیں۔ پھر ان لوگوں کے ضروری حالات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں جن کا ذکر مثنویوں میں اکثر آتا ہے۔ اس کے بعد میر انیس کے حالات زندگی مختصراً بیان کر کے ان کی شاعری پر اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ فارسی اور عربی ادب کی تحصیل کے بغیر کسی کا پڑھ لکھوں میں شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ اب مدت سے ہمارا تعلیمی نظام ایسا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت ان زبانوں سے بالکل نا بلد ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے کلاسیک ادب میں جو چیزیں پہلے ہر شخص آسانی سے سمجھ لیتا تھا آج بہتوں کے لیے ان کا سمجھنا

مشکل ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو راقم نے دیکھی یا سنی ہیں یا اگلے وقتوں کے لوگوں سے معلوم کی ہیں، لیکن نئی نسل ان سے ناواقف ہو۔ اس صورت کو مد نظر رکھ کر جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں لفظوں اور محاوروں کے معنی اور نفوذ اور جملوں کے مطلب ذیلی حاشیوں میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں کلام کی کسی جگہ خوبی یا کسی صنعت کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کثیر المتقارر حاشیے انھیں کے لیے ہیں جن کو ان کی ضرورت ہے۔ وہ ذی علم حضرات جو ان حاشیوں سے بے نیاز ہیں وہ ان کو نظر انداز کر کے صرف کتاب کا متن ملاحظہ فرمائیں اور ایک عظیم شاعر کے بلند پایہ کلام سے اخلاقی رفعتیں اور روحانی مستی حاصل کریں۔

سید سعود حسن رضوی ادیب  
ادبستان۔ دین دیال روڈ کھنڈ  
۲۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء

# مقدمے



## واقعہ کربلا اور اس کے اسباب و نتائج

گاہ گاہے باز خواں این قصہ یاریندا تازہ خواہی داشتن گرد اغملہ سینہ را  
عرب میں قریش کا قبیلہ نسبی شرافت کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا۔ کعبہ جو اسلام  
سے مدتوں پہلے بھی عرب کا سب سے بڑا عبادت خانہ اور مذہبیت اور تقدس کا سب سے بڑا  
مركز تھا اس کی مجاوری کا فخر بھی اسی قبیلے کو حاصل تھا۔ اپنی مخصوص فضیلتوں کی مدد  
یہ قبیلہ ایک مدت تک عزت کی قلمرو پر فرماں روا کی کوتاہار ہا۔ آخر زمانے کی نظر لگا گئی  
اور حسد نے چھوٹ کا بیج بو دیا۔ جب حضرت ہاشم کعبے کے مجاور ہوئے اور ان کی خدمتوں  
نے ان کو تمام عرب کا خدوم بنا دیا تو ان کا عروج و وقار ان کے بھتیجے امیہ کی آنکھوں میں  
کھٹکنے لگا۔ اہل حسد کی اس دمانے میں بھی کمی نہ تھی۔ امیہ نے انھیں کی مدد سے کوشش کی  
کہ عزت و سرداری کا تاج حضرت ہاشم کے سر سے اتار لے۔ مگر ناکامیوں نے مخالفت  
کے شعلوں کو بھڑک کر دیا۔ تاہم دلوں میں یہ آگ سلگتی رہی۔

ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبدالمطلب اور پوتے ابوطالب خانہ کعبہ کے مجاور ہوئے۔  
ہاشم کے عادات و اطوار ان کو ورثے میں ملے تھے۔ انھوں نے بھی اس خدمت کا عظمت  
حاصل کی۔ امیہ اور اس کے بیٹے حرب نے ان دونوں کو بھی عزت کی منہ سے اتارنا چاہا مگر  
کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ حسد اور عداوت کی جڑیں اور مضبوط ہو گئیں۔

جب ہاشم کے پوتے حضرت محمدؐ نے اپنی پیغمبری کا اعلان کر کے صرت پرستی کی تحفا  
اور وحدانیت کی تلقین شروع کی تو بنی امیہ کو بڑا اندیشہ ہوا کہ اگر وہ نہیں لوگوں نے حضرت

محمدؐ کو خدا کا رسول اور ان کے دین کو مذہب حق تسلیم کر لیا تو بنی ہاشم کے مذہبی اقتدار کے سامنے بنی امیہ کا چراغ ہی گل ہو جاتا گا۔ امیہ کے پوتے ابوسفیان نے محمدی تعلیم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ عرب کے متعصب بت پرست اس علم کے بیچے جمع ہو گئے اور حضرت محمدؐ کو تانے اور تبلیغ اسلام میں رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ یہاں تک کہ آپؐ مجبور ہو کر اپنے وطن مکہ سے ہجرت کو کے مدینہ میں جا بیسے۔

دشمنوں نے مدینہ میں کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آخر کار تنگ آ کر جنگ کے لیے تیار ہونا پڑا۔ کئی بار لڑائیاں ہوئیں جن میں شکست ہمیشہ ابوسفیان ہی کو ہوئی۔ حضرت محمدؐ کے پیروں کی تعداد اور ان کی طاقت برابر بڑھ رہی تھی۔ آخر کے میں ایک ایسی فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے بنی امیہ کی طاقت بالکل توڑ دی۔ اب اپنی کمزوری کو چھپانے کے لیے انھوں نے کبھی بتوں اسلام کی نقاب ڈال لی۔ لیکن بنی ہاشم کی درپردہ مخالفت سے باز نہ آئے۔

اس شکست کے بعد ایک مدت تک بنی امیہ سر نہ اٹھا سکے۔ حضرت محمدؐ کے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ نے اپنی حکومت کے زمانے میں ابوسفیان کے بڑے بیٹے یزیدؓ کو اور یزیدؓ کی وفات کے بعد اس کے بھائی معاویہؓ کو امیر شام مقرر کیا۔ امیر معاویہؓ کی تدبیروں سے بنی امیہ کا زوال عروج سے بدلنے لگا اور رفتہ رفتہ دولت اور حکومت پھر ان کے قبضے میں آگئی۔ رسولؐ عربی کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ خود بنی امیہ میں سے تھے۔ ان کے عہد حکومت میں بنی امیہ کو خوب عروج ہوا۔ جب علیؓ ابن ابی طالب رسولؐ کے چوتھے خلیفہ ہوئے تو ہوا کا رخ بدل گیا۔ آپؐ شاہانہ اقتدار کے باوجود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ضرورت کے وقت یہودیوں کے باغوں میں پانی دے کر اپنی روزی پیدا کرتے تھے۔ مگر قومی خزانے میں ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ اب یہ کہاں ممکن تھا کہ کوئی فرد یا کوئی جماعت بیت المال سے بے استحقاق تمتع ہو سکے۔ چنانچہ سرداران عرب کو جو وظیفے بیکار دل رہے تھے وہ سب آپؐ نے بند کر دیے۔

حضرت علیؓ حضرت ہاشم کے پرپوتے اور پیغمبر عرب حضرت محمدؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔



اولاد ہاشم کی حکومت یوں ہی بنی امیر کے لیے قابل برداشت نہ تھی، اس پر حضرت علیؑ کی سخت گیری  
 فوج یہ ہوا کہ مخالفت کی چگاریاں دہکتے دہکتے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور بنی امیر نے حاکم  
 شام امیر معاویہ کی سرکردگی میں حضرت علیؑ سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ حضرت علیؑ اسلام کے سب سے  
 بڑے سپاہی اور فنون جنگ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ میدان ہمیشہ انھیں کے ہاتھ رہا۔ جب  
 تیر و شمشیر سے مقصد حاصل نہ ہوا تو عیاری اور مکاری کے حربے استعمال ہونے لگے۔ آخر کار  
 رمضان سنہ ۳۵ھ میں حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں نماز صبح کے وقت اپنے معبود کے سجدے میں  
 شہید کر دیے گئے۔

حضرت علیؑ کی شہادت سے بنی امیر کا راستہ کسی قدر صاف ہو گیا۔ لیکن بنی ہاشم تقدس  
 روحانیت، علم اور اخلاق میں بنی امیر سے کہیں افضل تھے اور رسول کی قربت کا شرف صرف  
 انھیں کو حاصل تھا۔ اس لیے روحانی سیادت کا بنی ہاشم سے بنی امیر میں نقل ہو جانا اب بھی مشکل تھا۔  
 چنانچہ حضرت علیؑ کے بعد ان کے بڑے بیٹے حضرت حسنؑ خلیفہ رسول قیلم کر لیے گئے۔

امیر معاویہ کا آبائی اور ذاتی تجربہ بتا چکا تھا کہ بنی ہاشم کے مقابلے میں تلوار اٹھانا اور سو  
 ہے۔ اس لیے انھوں نے امام حسنؑ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ یہ پیغام کچھ ایسا تھا کہ اگر آپ  
 منظور نہ کرتے تو حب جاہ کی تہمت اور خونریزی کے الزام سے بچنا مشکل تھا۔ شرائط صلح بھی  
 بڑے نہ تھے۔ بہر حال مصلحت وقت سمجھ کر امام حسنؑ نے صلح کوئی۔ امیر معاویہ نے اس صلح کے ذریعے  
 سے امام حسنؑ کو حکومت ظاہری سے بے دخل کر کے شرائط صلح کی صریح خلاف ورزی شروع کر دی۔  
 آخر صفر سنہ ۴۰ھ یا سنہ ۴۱ھ میں امام حسنؑ بھی زہر سے شہید کر دیے گئے۔

اب امیر معاویہ نے صلح نامے کے خلاف اپنے باطوار بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد اور مسلمانوں  
 کا دینی پیشوا قرار دے کر اس کے لیے بیعت لینا شروع کر دیا۔ امام حسنؑ کے بھوٹے بھائی حسینؑ  
 سے بھی بیعت کی خواہش کی گئی۔ مگر تقدس اور معصومیت کا سرفراز خود کے سامنے کیونکر بھکتا۔  
 امام حسینؑ معاملہ ہمیشہ بنی امیر اور ایثار نفس میں فرد فرید تھے۔ وہ ماضی اور حال کے آئینے میں متقبل

کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب تحفظ اسلام کا صرف ایک ہی ذریعہ رہ گیا ہے یعنی اپنی جان اور جان سے زیادہ عریضہ سیتوں کی قربانی۔ وہ اس قربانی کے لیے تیار ہو گئے اور مدت کے منتظر رہنے لگے۔ امام حسینؑ کی زندگی ہی میں کہا کرتے تھے کہ میں عنقریب حق کی حمایت میں قتل کیا جاؤں گا، مگر باطل کا ساتھ نہ دوں گا۔ اس قول میں قربانی پر آمادگی کی بھلک صاف نظر آتی ہے۔

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا یزید تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنی زندگی ہی میں بہت سے لوگوں سے یزید کی بیعت لے چکے تھے۔ اسی برتے پر اس کو دنیوی حکومت کے ساتھ روحانی سیادت کا بھی دعویٰ تھا۔ مگر بے دینی میں اس کی جرات اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ مذہبی پیشوائی کی سند پر بیٹھ کر اپنی بدکرداریوں پر نمائشی دینے والی کا پردہ بھی نہ ڈالایا حکام اسلام کی صریح خلاف ورزی کرنے لگا اور شراب و کباب، غنا و زنا میں علانیہ مشغول رہنے لگا۔ اہل کوفہ نے معاویہ کی زندگی ہی میں امام حسینؑ کو اپنی ہدایت کے لیے بلانا شروع کر دیا تھا۔ یزید کے زمانے میں تو ان کے خطوں کے انبار لگ گئے۔ یزید جانتا تھا کہ لوگوں کے دل امام حسینؑ کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس نے اپنے جلوس کے پہلے ہی سال حاکم مدینہ کے نام فرمان بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو امام حسینؑ سے بیعت لی جائے۔ اور اگر وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ یزید کا یہ فرمان امام حسینؑ کو سنایا گیا۔ اب اپنی جان و اکبر کو خطرے میں دیکھ کر امام حسینؑ مدینہ سے کٹے چلے گئے۔ کوفہ والوں کے خطوط کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہا۔ ان کے شدید اور سپہ سالار پر آخو آپنے کوفہ کے سفر کا ہتھیہ کر لیا۔ مگر گوشہ تلخ تجربوں کی وجہ سے کوفیوں پر اعتماد تو نا ممکن تھا اس لیے آپنے اپنے چچا زاد بھائی مسلم کو بھیجا کہ ان کے دل ٹٹولیں اور حقیقت حال سے اطلاع دیں۔

ابھی کوئی اطلاع نہ ملی تھی کہ تمہیں اپنے قتل کا سامان دیکھ کر امام حسینؑ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حج کا زمانہ قریب تھا۔ تمام عالم اسلامی کے کی طرف کھینچا جلا رہا تھا۔ امام حسینؑ

بھی حج کرنے کے لیے ہر سال مدینے سے نکلے پایادہ آیا کرتے تھے۔ اس لیے جو لوگ راستے میں ملتے تھے وہ حیرت سے پوچھتے تھے کہ حج کے زمانے میں آپ کئے سے کہاں اہد کیوں تشریف لیے جاتے ہیں۔ آپ جواب میں بالعموم فرمادیا کرتے تھے کہ میں خدا کی راہ میں قتل ہونے جا رہا ہوں۔ وہی قربانی پر آمادگی اس جواب سے بھی ظاہر ہو رہی ہے۔

حضرت مسلم کو نے پہنچ گئے۔ کوفیوں نے ان کی بڑی عزت کی۔ لوگ جوق جوق آنے لگے اور ان کے ہاتھ پر امام حسین سے بیعت کرنے لگے۔ یزید کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے ایک قسی القلب دشمن آل رسول عبید اللہ ابن زیاد کو گورنر مقرر کر کے کوٹنے بھیجا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی حضرت مسلم کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا اور ان کے میزبان ہانی کو سولی پر چڑھا دیا۔ کوفیوں کی وفاداری میں اتنی استواری کہاں تھی کہ ان سختیوں کی تاب لا سکتے آخر امام حسین سے پھر گئے۔ اہل کوفہ پر اپنی ہیبت بٹھانے کے بعد ابن زیاد نے شہر کے نلکے بند کر دیے اور ہزار سواروں کا ایک دستہ حُر کی ماتحتی میں امام حسین کی تلاش میں بھیجا۔

راستے میں امام حسین کو حضرت مسلم کی شہادت کی خبر ملی مگر اپنے اپنا سفر جاری رکھا۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد حُر کا سالہ سردار ہوا۔ کچھ گفتگو کے بعد یہ طے ہوا کہ امام حسین کسی غیر معروف راستے سے سفر کریں۔ گومی قیامت کا نمونہ دکھا رہی تھی۔ حُر کا سالہ پیاس سے جاں بلب تھا اور اس بیابان میں کوسوں پانی کا پتہ نہ تھا۔ امام حسین کے ساتھ ان کے اہل و عیال اعزہ اور احباب کی ایک جماعت تھی جس میں چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ مگر انسانی ہمدردی نے یحییٰ بن یحییٰ کو اپنے اپنے ساتھ کاپانی دشمن کی فوج کو پلا دیا۔

اب سینی قافلہ حُر کی تجویز کے مطابق ایک غیر معروف راستے سے روانہ ہوا۔ حُر کا سالہ بھی ساتھ ہو یا یمن جا رہوں کے بعد حُر کی دوسری تاریخ کو یہ قافلہ کوبلا کے میدانِ صحرا پہنچ گیا اور دریا کے فرات کے قریب ٹھہر گیا۔ دوسرے دن ابن زیاد کا بھیجا ہوا ایک

شکر عمر ابن سعد کی سرکردگی میں کو بلا پہنچا۔ اس کے بعد یزیدی فوجوں کی آمد کا سلسلہ بندھ گیا۔ تمام راستے بند کر دیے گئے۔ اور امام حسین کو ان فوجوں میں گھیر کر یزید کی بیعت پر اصرار کیا جانے لگا۔ ساتویں محرم کو ابن زیاد کی سرکردگی میں دریائے فرات پر کئی ہزار سپاہیوں کا پہرہ بٹھادیا گیا اور امام حسین پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔ وہ سرچشمہ ہمدردی جس نے ابھی چند روز پہلے اپنے دشمنوں کی پوری فوج کو سیراب کیا تھا اب اس کے ننھے ننھے بچے ایک ایک قطرہ پانی کو ترس رہے ہیں۔ مگر طاقت کی تمام نمائشیں اور ایذا رسانی کی تمام صورتیں امام حسین کو عبور نہ کر سکیں کہ ایک فاسق و فاجر بادشاہ کو اپنا دینی پیشوا تسلیم کر لیں۔ آٹھویں محرم کو عمر ابن سعد نے امام حسین سے ایک مرتبہ پھر کہا کہ اب بھی وقت یزید کی بیعت کو لے لیجیے اور ان تمام مصیبتوں سے نجات پا جائیے۔

امام حسین کے استقلال میں اب بھی فرق نہ آیا۔ آپ نے بیعت سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ کو داپس جانے دو کہ میں کے یا مدینے میں گوشہ نشین ہو جاؤں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اجازت دو کہ میں یزید کی سلطنت سے نکل کر ہندوستان یا کسی اور ملک میں جا رہوں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مجھ کو یزید کے پاس لے چلو کہ میں خود اس سے گفتگو کر لوں۔ عمر سعد نے یہ تینوں باتیں ابن زیاد کو کچھ بھیجیں مگر اس نے کوئی بات منظور نہ کی اور شرم کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا کہ امام حسین سے یزید کی بیعت لے یا ان کا سر لائے۔

ابن زیاد کا یہ حکم امام حسین کو نویں محرم کی شام کو سنایا گیا۔ امام نے اس پر غور کرنے کے لیے ایک شب کی اہمیت لی۔ نماز مغرب کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ میں طے کر چکا ہوں کہ یزید کی بیعت کو کے اسلام کی تباہی میں شریک نہ ہوں گا۔ اب میرا ساتھ دینے میں تمھاری جانوں کا خطرہ ہے۔ اس لیے میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ رات کے پردے میں جہاں چاہو چلے جاؤ۔

مروت اور رفاقت کی حد ختم ہو چکی۔ اب جانثاری اور سرفروشی کی منزل تھی۔

چند رفیق رخصت ہو گئے۔ اب صرف وہ لوگ باقی رہ گئے جو حسین کی عظیم اٹان قربانی میں شریک ہونے کے اہل تھے۔ ان سرفروش مجاہدوں کی تعداد بہتر سے ایک سو دس تک بتائی جاتی ہو، جن میں چند ضعیف بڑھے، کچھ فوجیوں کے اور چند معصوم بچے بھی شامل تھے ان کے علاوہ کچھ عورتیں بھی امام حسین کے ساتھ تھیں۔ اس منتخب جماعت میں ایک فرد بھی ایسی نہ تھی جس نے اپنے کارناموں سے حسینی قربانی کی عظمت اور اثر میں اضافہ کیا ہو۔

جب ہملت کی شب ہو گئی اور امام حسین اپنے فیصلے پر قائم رہے، تو یزید کی لشکر جس کی تعداد کم سے کم بیس ہزار بتائی جاتی ہے میدان کو بلا میں صف آرا ہو گیا کہ ایک صبر و استقلال کے پہاڑ کو ظلم و جبر کی آندھیلوں سے ستر لڑی کر دے۔ طبل جگ بجنے لگے، امام حسین کا سر پہنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اتنے بڑے لشکر کا سامنا ہو، بھوک پیاس کی شدت سے کسی کے دم میں دم نہیں بچے پیاس پیاس کہہ کر تڑپ رہے ہیں، اپنی اور عزیز ترین ہستیوں کی موت، گھر کی تباہی، اسوس کی اسیری کے منظر آنکھوں کے سامنے ہیں، مگر امام حسین کی فرض شناسی اصول پر ردی، ایثار اور جرأت کا کیا کہن کہ آپ کی جبین استقلال پر اب بھی شکن نہیں۔

جب یزید کا فرائی لشکر اپنی صفیں جما چکا تو امام حسین آگے بڑھے اور اپنی خاندانی خوش بیانی کے ساتھ ایک تقریر شروع کی۔ خدا کی حمد اور رسول کی نعت کے بعد اپنی نبی شرافت اور اسلام کی نازک حالت بیان کی اور کوفیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہیں نے مجھ کو سیکڑوں خط بھیج کر اپنی ہدایت کے لیے بلایا اور تمہیں اب میرے قتل پر آمادہ کھڑے ہو۔ کیا ہمارا فریاد کا یہی طریقہ ہے اور ہدایت کرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک مناسب ہے؟ کوفیوں میں اتنی اخلاقی جرأت کہاں تھی کہ جان مال کے خون پر غالب آسکتی۔ پھر بھی شرم سے سر جھک گئے۔

یزید کے اتنے بڑے لشکر میں صرف ایک شخص ایسا نکلا جس نے قیام مرنا مافیہ پر جینے سے بہتر سمجھا۔ وہ کون ہو سکو۔ وہی جو جس کو چند روز پہلے امام حسین نے پیاس کی شدت میں سیراب کر کے مچھلی کی زندگی بخش تھی وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر امام حسین کی طرف آگیا۔

امام حسین کی تقدیر ختم ہوئی۔ جو اب میں یزیدی لشکر سے تیر بڑھنے لگے۔ امام حسین نے خود جنگ کا تہیہ کیا مگر جاں نثار آپ کو تلو اوروں کی آغ میں کیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق ایک ایک شخص بڑھنے اور اپنے پیشوا کے نام پر جاں نثار کرنے لگا۔ انصار کے بعد انزہ رخصت ہونے لگے۔ پودس برس کے دو بھائی عون و محمد، تیرہ چودہ برس کا بھتیجا قاسم، اٹھارہ برس کا بیٹا علی اکبر، بیس برس کا بھائی عباس اور چند اور قریبی عزیز ایک ایک کو کے گئے اور حیرت انگیز شجاعت کے بے نظیر کارنامے پیش کو کو کے شہید ہو گئے۔ اب امام حسین بالکل تنہا رہ گئے۔ ایک بیٹا سید سجاد زندہ تو تھا، مگر بیماری اور نقاہت سے زندہ در گور تھا اس مصیبت میں باپ کی نصرت کیونکر کرتا۔

امام حسین پر مصائب کا جو ہجوم تھا اب اس میں عزیز ترین دوستوں اور قریب ترین عزیزوں کے داغوں کا اور اضافہ ہو گیا تھا۔ پھر اپنی طرف کے شہیدوں کی لاشیں اٹھاتے اٹھاتے اور خیمہ گاہ تک لاتے لاتے نہ معلوم کیا حال ہوا ہوگا۔ دشمنوں کے لشکر میں گھس کو کسی کی لاش اٹھا لانا آسان کام نہ تھا۔ حضرت جنتی لاشیں میدان جنگ سے لائے ہوں گے اتنی لڑائیوں اور تپڑی ہوں گی۔ مختصر یہ کہ اس وقت امام حسین کی جو حالت ہوگی اس کا بیان کیا تصور بھی دشوار ہے۔ مگر نہ معلوم آپ کے پاش پاش قلب میں کتنا استقلال اور پورا پورا بدن میں کتنی قوت تھی کہ اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں جب یزیدی فوج سے مبارزہ طلبی کی آواز بلند ہوئی تو آپ باقاعدہ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور ان بی بیوں سے رخصت ہونے کے لیے خیمے میں تشریف لے گئے، جن کے گود کے پالے، گھر کے اجالے، آنکھوں کے تارے، زندگی کے بہارے، آپ پر نثار ہو چکے تھے۔ کس کے قلم میں طاقت ہو کہ اس دردناک منظر کی تصویر کھینچ سکے۔

سب رخصت ہو کر امام حسین میدان جنگ میں آئے اور اس عالم ضعف و یاس میں بہادری کے وہ جو بروکھلے جن کی نظیر سے تاریخ عالم کے ورق خالی ہیں۔ یکایک خیمے سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ امام حسین واپس آئے اور دیکھا کہ آپ کا ششماہر بچہ علی اصغر پیاس

کی شدت سے دم توڑ رہا ہو۔ حضرت کو اپنی بے گناہی اور نیریزوں کی شقاوت کے اظہار کا ایک بہت اچھا موقع مل گیا۔ آپ نے بچے کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور ایک بلند مقام پر بٹھڑے ہو کر اسکی دردناک حالت دشمنوں کو دکھائی اور فرمایا کہ یہ معصوم بیاس سے جاں بلب ہو۔ اس کی ماں کا درد بھی خشک ہو گیا ہے اگر ایک قطرہ پانی اس کے حلق میں ٹپکا دو تو اس کی جان بچ جائے۔ یہ ایسا پر اثر منظر تھا کہ وہ پتھر دل جو عوں و محمد کی کم سنی، اکبر کی زوجانی امام حسین کی ضعیفی سے مطلق متاثر نہ ہوئے تھے وہ بھی آخر پیچ گئے۔ بعض لوگوں نے پانی دینے کا ارادہ کیا، مگر عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کے ایک مشاق تیر انداز کو حکم دیا کہ حسین کی بات کاٹ دے۔ حرم نے ایک سہیلو تیر تاک کر مارا جو بچے کی گردن اور باپ کا بازو کاٹ کر کھل گیا اور پتھر باپ کے ہاتھوں پر ٹرپ ٹرپ کر ختم ہو گیا۔

اپنے دل کے ٹھوٹے کو زمین کی گود میں سلا کے امام حسین پھر میدان میں آئے اور ایسی جنگ کی کہ ہر طرف سے "الامان" "الامان" کی صدائیں آنے لگیں۔ آپ نے تلوار دروگ لی۔ تلوار کا دکنہ تھا کہ دشمنوں نے گھیر لیا۔ نیروں تلواروں اور نیزوں کا میزہ برسنے لگا۔ سنو سیکڑوں زخم کھا کر آپ گھوڑے سے گروے اور شمر نے اپنے خنجر سے حضرت کا سر کاٹ لیا۔ فتح کے باوجود بچنے لگے، شہیدوں کی لاشیں گھوڑوں سے یا مال کی گئیں، مال و اسباب لوٹا گیا، عورتوں کے سروں سے چادریں تک اتار لی گئیں، خیموں میں آگ لگا دی گئی، سید سجاد کو طوق و زنجیر پہنائی گئی، اور عجب شریف ترین خاندان کی غیرت مند بیبیاں ریتوں میں باندھ کر قیدی بنادی گئیں۔

نیریزوں نے اپنی طرف کے مردوں کو دفن کیا اور امام حسین اور ان کے رفیقوں کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر کوچ کر دیا۔ شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر آگے آگے دکھا اہل گم کو بے مقصد و چادر انڈوں کی نگلی پھٹ پر بٹھا یا اور ہمارا امام حسین کے بیمار اور ضعیف بیٹے سید سجاد کے ہاتھ میں دے کر ان کو پر خارا دستوں سے سر دیا برہمن پیدل چلنے پر مجبور کیا۔ راستے بھر طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں دیتے رہے۔ شقاوت کی انتہا یہ تھی کہ اگر سید سجاد تھک کر

بیٹھ جاتے تھے، یا پاؤں کے کانٹے نکالنے کے لیے پھڑکاتے تھے تو ان کو کوٹے مارتے تھے، اگر بیٹا  
۶۔ یزیدوں کے سروں کو دیکھ کر روتی تھیں تو نیزوں کی نوکیں چھوتے تھے۔ جب یزید کے دار السلطنت  
دمشق میں پہنچے تو سب سے زیادہ آباد راستوں سے نہایت ذلت و غواری کے ساتھ ان قیدیوں  
کو یزید کے دربار تک لے گئے۔ یزید نے بھی ان کی ذلت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور سب  
کو ایک تنگ و تاریک مکان میں قید کر دیا۔

بنی اسد کا قبیلہ کہ بلا کے نواح میں آباد تھا۔ اس قبیلے کے لوگوں نے چند روز کے بعد  
امام حسین اور ان کے رفیقوں کی لاشوں کو دفن کر دیا۔ امام حسین کے اہل حرم سال بھر قید رہے۔  
یزید کی بیوی ہندہ آل رسول سے محبت رکھتی تھی۔ اس کو جب ان واقعات کی خبر ہوئی تو  
اس کی سفارش پر یزید نے ان بے داروں کو رہا کر کے مدینے بھیجا دیا۔

حق کی حمایت اور اصول کی حفاظت کے لیے اکثر قربانیاں کی گئی ہیں مگر جو قربانی امام حسین  
نے کر بلا میں، احرارِ مسلمہ کو پیش کی اسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ امام حسین کی  
شہادت نے دلوں کو بدل دیا اور خیالوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس واقعے سے پہلے کس کی  
بجائے تھی کہ یزید کے دربار میں امام حسین کا نام عزت کے ساتھ لے سکے۔ لیکن اس واقعے کے بعد کس  
مسخر پر امام حسین کی تعریفیں ہوتی تھیں اور وہ خاموشی سے سنتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اکثر قتل حسین کا  
الزام اپنے ملازموں پر رکھ کر خود بھی افسوس اور ندامت کا اظہار کیا کرتا تھا۔ یزید کے بعد اس کا  
بیٹا سلطنت کا وارث ہوا۔ مگر وہ اپنے باپ کے افعال سے اتنا شرمندہ تھا کہ چند ہی روز میں  
سلطنت سے دستبردار ہو کر خانہ نشین ہو گیا اور تین مہینے کے بعد خاک کے پرے میں ہمیشہ کے لیے  
رو پوش ہو گیا۔

اسی شہادت کا اثر تھا کہ لوگوں کے دل یزید سے پھر گئے۔ یہاں تک کہ اسکی زبردست  
سلطنت حقوڑے ہی زمانے میں صفحہ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے دامن کا داغ بن کر رہ گئی۔ اور  
قاتلان حسین کا نام ایسا ملکہ آج ایک شخص بھی ان کی اولاد میں باقی نہیں۔ یا یوں کہیے کہ



اس واقعے سے وہ ایسے ذلیل ہوئے کہ ساری دنیا میں ایک آدمی بھی اپنا انتساب انہی طرف  
پسند نہیں کرتا۔ دوسری طرف وہی حسینؑ جن کے ساتھ کربلا کی جنگ میں گنتی کے چند آدمی تھے آج  
ان کے نام پر جان نثار کرنے والے کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور جن کی اولاد میں صرف  
ایک تیر سجاد باقی رہ گئے تھے آج لاکھوں سادات ان کی نسل سے ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

جو لوگ نادانیت سے واقعہ کربلا کو دوسریوں کی معمولی جنگ سمجھتے ہیں یا قتل اور فتح  
کو مترادف الفاظ خیال کرتے ہیں وہ شاید قاتل یزید کو فاتح اور مقتول حسینؑ کو مفتوح سمجھیں لیکن  
جو لوگ امام حسینؑ کی شہادت کو حق کی حمایت میں ایک عظیم الشان قربانی سمجھتے ہیں وہ اس غلط فہمی  
میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ اگر یزید اور امام حسینؑ کے مقاصد پر غور کریں اور کامیابی کو  
حصول مقصد سے علیحدہ کوئی چیز سمجھیں تو امام حسینؑ کو فاتح اور یزید کو مفتوح ماننا پڑیگا۔ یزید کا  
مقصد کیا تھا؟ یہی کہ روحانیت کے تنہا علمبردار اور نبی ہاشم کی روحانی عظمت کے سب سے بڑے  
نایب کے قتل کو کے دنیوی حکومت کے ساتھ روحانیت اور مذہبیت کی قلمرو پر بھی فرماؤ والی  
کڑے اور امام حسینؑ کا مقصد کیا تھا؟ یہی کہ اصول اسلام کو یزید کے ہاتھوں تباہ نہ ہونے دیں  
اور یزید کی بد اعمالیوں کو طشت از بام کو کے دنیا کو یزیدیت سے بیزار کر دیں۔ کیا واقعات بلا  
کے نتائج پر نظر کرنے کے بعد کوئی کہہ سکتا ہو کہ یزید کو فتح اور امام حسینؑ کو شکست ہوئی؟ کربلا کی  
جنگ ایک عجیب جنگ تھی جس میں ناماشی فتح حقیقی شکست اور ظاہری شکست باطنی فتح تھی۔  
سید رضیؒ علم الہدیٰ نے شہدائے کربلا کے متعلق سچ کہا ہے۔

اَنْ قاصِدًا بِالضَّرِّ نَافِعُهَا وَاَنْ قَاتِلَهَا بِالْثَغْرِ مَحِيْنُهَا

یعنی ان کے ضرر کا قصد کرنے والا ان کو نفع پہنچانے والا تھا

اور ان کو تلوار سے قتل کرنے والا ان کو جیلانے والا تھا

یہ ہے واقعہ کربلا کا سادہ سا خاکہ جس سے اس کی اہمیت کا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا۔  
لیکن اس واقعے کی حقیقی عظمت اس کے تفصیلات میں مضمحل ہوا در تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں

مادہ مخفی تفصیلات کے علاوہ اس واقعے کے ساتھ تفصیلی تفصیلات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ شامل ہو گیا ہو جو مرثیہ گوشتہ کی قوت اختراع کا نتیجہ ہو۔ اگرچہ اس واقعے کی حقیقی عظمت اتنی زیادہ ہو کہ بڑے سے بڑے شاعروں کی عرض پر وہاں تک نہیں بھی اس کی بلندی اور گہرائی میں کچھ اضافہ ہو سکی، پھر بھی ان کی خیال آرائیوں سے اس کا پھیلاؤ نہ وہ زیادہ ہو گیا ہے۔

مرثیہ گوئیوں کی تخصیص نہیں دنیا کے بڑے سے بڑے شاعروں اور اخلاذ نویسوں نے جن کی تخیل کی بلند پروازیوں پر ایک زمانہ ایمان لایا تھا، ہر کامل انسان کی خیالی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہو۔ مگر ان کے خیالی مخلوقات میں بھی کوئی ایسا نہیں ہو جو فضائل اخلاق میں امام حسین کا مقابلہ کر سکے۔ جو لوگوں نے اس بشریت کے بالائے انسان کی سیرت کا غور سے مطالعہ کیا ہو ان کے نزدیک لفظ "حسین" ایک مرقع جو جہاں بہترین اور شریف ترین خصائل انسانی کی بے نظیر اور غیر فانی تصویریں نظر آتی ہیں۔ امام حسین کے اس عظیم الشان کارنامے پر خواجہ عین الدین اجمیریؒ نے مذہبی زبان میں کتنا مختصر اور جامع تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

شاہ اسماعیل دہلوی بادشاہ است حسین      دین است حسین و دین پناہ است حسین  
مرداؤند او دست در دست یزید      حقا کہ بنائے لالا است حسین

## مرثیہ اور اجزائے مرثیہ

مرثیہ بالعموم اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کے اس کی موت پر افسوس کیا جائے اور بالخصوص مرثیہ کا اطلاق اس نظم پر ہوتا ہے جس میں امام حسین کی شہادت یا اس سے متعلق کوئی واقعہ غم انگیز پیرائے میں بیان کیا جائے یعنی مرثیہ کا ایک مفہوم عام ہے اور دوسرا خاص۔ لفظ مرثیہ جب بغیر کسی تخصیص کے استعمال ہوتا ہے تو اس سے اکثر یہی خاص مفہوم مراد ہوتا ہے۔ مرثیہ گو، اور مرثیہ خوان کی ترکیبوں میں بھی یہی خاص مفہوم مقصود ہوتا ہے۔

ابراہیم مرثیہ بہت محقر ہوتا تھا اور اس کی کوئی خاص شکل معین نہ تھی۔ کچھ مدت کے

بعد اس نے مربع کی شکل اختیار کر لی یعنی اس میں چار چار مصرعوں کا ایک ایک بند ہونے لگا۔ انیس کے زلمے سے کچھ پہلے چار چار مصرعوں کے بندوں کی جگہ کچھ مصرعوں کے بند ہونے لگے تھے۔ یعنی مرثیہ مدرس کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ اسکے اجزائے ترکیبی بھی معین ہو چکے تھے جو حرفِ بیل ہیں:

(۱) چہرہ۔ صبح کا منظر، رات کا سماں، دنیا کی بے ثباتی، باپ بیٹے کے تعلقات، سفر کی دشواریاں، اپنی شاعری کی تعریف، 'حمز'، 'نعت'، 'منفقت'، مناجات وغیرہ تمہید کے طور پر۔

(ب) سراپا۔ مرثیے کے ہیرے کے قد و قامت، خال و خط وغیرہ کا بیان۔

(ج) رخصت۔ ہیرے کا امام حسین سے جنگ کی اجازت لینا اور میدانِ جنگ میں جانے کے لیے عزیزوں سے رخصت ہونا۔

(د) آمد۔ ہیرے کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان و شوکت کے ساتھ رزم گاہ میں آنا۔ آمد کے سلسلے میں گھوڑے کی تعریف بھی لکھی جاتی ہے۔

(۴) رجز۔ ہیرے کی زبان سے اپنے نسب کی تعریف، اپنے اسلاف کے کارناموں کا بیان اور فنِ جنگ میں اپنی تہارت کا اظہار۔

(دو) جنگ۔ ہیرے کا کسی نامی پہلوان سے یا دشمن کی فوج سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑنا۔ جنگ کے ضمن میں ہیرے کے گھوڑے اور تلوار کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔

(ذ) شہادت۔ ہیرے کا دشمنوں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر شہید ہونا۔

(ح) بین۔ ہیرے کی لاش پر اس کے عزیزوں، بالخصوص عزیز عورتوں کا رونا۔

انیس کے مرثیوں میں بالعموم یہ اجزاء ملتے ہیں۔ لیکن یہ لازمی نہیں ہو کہ ہر مرثیے میں

کل اجزاء ہوں اور بالکل اسی ترتیب سے ہوں۔ بعض مرثیوں میں شہادت امام حسین کے بعد کے واقعات لکھ گئے ہیں۔ مثلاً اہلبیت کا کربلا سے دمشق تک سفر کرنا، ان کا زندانِ شام میں مقید رہنا، یزید کی بیوی ہندہ کا ان سے قید خانے میں ملنا، ان کا قید سے چھوٹ کر مدینے واپس جانا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مرثیوں میں اجزاء مذکور کا ہونا ممکن ہی نہیں۔

انیس کے مرثیوں کو اور اس قبیل کے تمام مرثیوں کو مرثیہ صرف اس بنا پر کہتے ہیں کہ ان کی بنیاد مرثیہ ہی پر قائم ہوئی تھی اور اب بھی ان میں کوہلا کے مجاہدوں کی شہادت کا بیان غناک انداز میں کوہلا ضروری ہو۔ ورنہ ظاہر ہو کہ جس نظم کی ترکیب ان اجزا سے ہوئی ہو اس کو مرثیہ کہنا اچھا نہیں مناسب نہ تھا۔ انیس کا مرثیہ حقیقت میں ایک خاص طرح کی رزمیہ نظم ہو جس کی ترکیب میں مرثیت کا عنصر لازمی طور پر موجود ہوتا ہو۔ اس نظم کا میدان مرثیہ کے کہیں زیادہ وسیع ہو۔ بلکہ معنوی حیثیت سے شعر کی جتنی قسمیں کی جاسکتی ہیں یہ ان سب پر حاوی ہو۔ بعض لوگ جو اس حقیقت پر نظر نہیں رکھتے ان نظموں کے نام سے دھوکا کھا کر طرح طرح کے بیجا اعتراض کو نہ لگتے ہیں۔ خواجہ حالی لکھتے ہیں:

مرثیہ میں رزم و بزم اور غر و خود ستائی اور سراپا وغیرہ کو داخل کرنا لمبی لمبی تہیدیں اور قیطے بانٹنے، گھوڑے اور تلوار وغیرہ کی تعریف میں نازک خیالیاں اور باند پر رازیا کرنی اور شاعرانہ ہنر دکھانے، مرثیہ کے موضوع کے باہل غلات ہیں۔

بیشک مرثیہ میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن رزمیہ نظم میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہو اور ہونا چاہیئے۔ اور یہ ابھی کہا جا چکا ہو کہ انیس کے مرثیہ اصل میں رزمیہ نظمیں ہیں۔ خواجہ حالی خود بھی اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ شہدائے کوہلا کے مرثیوں کی تدریجی ترقی اور اسکے اسباب کا ذکر کرنے کے بعد نوٹ کرتے ہیں۔

”یہ ترقی براہ راست مرثیہ کی ترقی نہ تھی بلکہ اردو شاعری میں ایک قسم کا ایجا دکھانے تعجب ہو کہ مرثیہ کا یہ خاص مفہوم سمجھ لینے کے بعد خواجہ صاحب نے انیس کے مرثیوں کو مرثیہ کے معیار پر جانچا کیونکہ جائز سمجھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ انیس کے مرثیوں کے جو مقامات مرثیہ کے عام مفہوم کے اعتبار سے بھی مرثیہ کہے جاسکتے ہیں وہاں نہ رزم ہے نہ بزم، نہ غر ہے نہ خود ستائی، نہ گھوڑے کی تعریف ہے نہ تلوار کی توصیف۔ یہ چیزیں وہیں ہیں جہاں کے لیے زیبا ہیں۔“



## اشخاصِ مرثیہ

جن لوگوں کے نام مرثیوں میں اکثر آتے ہیں ان کے بارے میں صرف وہ چند باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں جن کا ذکر مرثیوں میں بیشتر آتا ہو یا جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہو۔

### حسینی جماعت

حضرت محمدؐ - خدا کے آخری رسول - اسلام کے بانی - آپ کا ذکر جن لفظوں میں لکھا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

رسول - نبی - پیغمبر - پیغمبر - رسول خدا - رسالت مآب - رسالت پناہ - خاتم الانبیاء - خاتم النبیین - ختم رسل - ختمی مرتبت - شافع محشر - مصطفیٰ - احمد - احمد مختار - شاہ ولایت -

حمزہ - پیغمبرِ سلام کے چچا - شجاعت اور عجب داب میں مشہور زمانہ - جعفر - فن جنگ کے ماہر - بہادر سپاہی - رسول کی فوج کے علم دار - ایک جنگ میں آپ کے دونوں ہاتھ لٹ گئے تھے - ان کے عوض میں خدا نے جو اہر کے پر عطا کیے جن سے آپ اڑتے ہیں اور اسی وجہ سے 'جعفر طیار' کہلاتے ہیں (طیار کے معنی ہیں بڑا اڑنے والا) -

علی - رسول کے چچا زاد بھائی - داماد اور جانشین - ائمہ اثنا عشر میں پہلے امام - رسول کی فوج کے علم دار - فن جنگ کے زبردست ماہر - نہایت شجاع - بہت سخی - آپ کا ذکر اکثر ذیل کے لفظوں میں کیا جاتا ہے۔

امیر المومنین - جناب امیر - اسد اللہ - شیر خدا - شیر الہی - ابو تراب - شاہ رواں شاہ - لافنی - شاہ ذوالفقار - شہنشاہ نجف - ید اللہ - نفسِ رسول - زوجِ قبول - ساقی کوثر - مرتضیٰ - حمید - حیدر کوار - مشکل کشا - فاتح خیبر -

فاطمہ - پیغمبر کی صاحبزادی - حضرت علی کی زوجہ - امام حسن اور امام حسین کی والدہ - زنانِ عالم کی سردار - آپ کو زہرا - ستیہ - قبول - خاتونِ جنت - خاتونِ قیامت - سیدہ عالم - بنت رسول - خیر النساء وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

حسن - حضرت علی کے بڑے صاحبزادے - ائمہ اثنا عشر میں دوسرے امام - آپ کو شہر مجتبیٰ اور جن مجتبیٰ کے ناموں سے بھی یاد کرتے ہیں - چونکہ امام حسن زہرے شہید کیے گئے تھے اس لیے آپ کو سید سموم - امام سموم وغیرہ بھی کہتے ہیں -

حسین - پیغمبر عرکے نواسے - حضرت علی کے بیٹے - ائمہ اثنا عشر میں تیسرے امام - آپ ہی کی شہادت مرثیہ کا اصل موضوع ہے - آپ کا ذکر بیشمار ناموں سے کیا جاتا ہے ان میں سے بعض ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :-

شاہ - شہ کو بلا - سلطان مشرقین - شہنشاہ مدینہ - شاہ دیں - شاہ زمین - شاہ حجاز - سردار دو عالم - سردار کونین - شہید کو بلا - مظلوم کو بلا - عزیز نبیوا - سبط رسول - فرزند نبی - ابن علی - ابن فاطمہ - شبیر - سردار - حضرت - سید الشہداء - سید ذی جہاد - خامس آلِ عباس -

عباس - امام حسین کے مختلف البطن بچوٹے بھائی - حسینی لشکر کے علم دار - فنون جنگ کے زبردست ماہر - نہایت دلیر غصہ دار - بڑے قد اور ادب وار عجب جوان - دفا شعاری کا محبتہ - بتیس سال کی عمر - کو بلا میں امام حسین کے بچوں کو پیاس سے بے قرار دیکھ کر آپ نے ایک مشک اٹھائی اور پانی لینے کے لیے فرات کی طرف چلے - لڑتے لڑتے دریا تک پہنچ گئے - گھارٹا پر جھپ ہو گیا پہرہ تھا ان کو ہٹا کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور مشک بھری - خود بھی دو دن کے پیاسے تھے چلو میں پانی لے کر پینا چاہا ، لیکن یہ خیال خرکے کہ امام حسین اور ان کے بچوں کو یہ اب کرنے سے پہلے اپنی پیاس بجھالینا وفاداری سے بعید ہے پانی پھینک دیا - دریا سے پیاسے نکل آئے - راستے میں دشمنوں نے گھیر لیا - آپ بڑی دلیری سے لڑتے رہے - یہاں تک کہ آپ کے دونوں بازو کاٹ گئے اور ایک گز کی سخت ضرب سے آپ شہید ہو گئے -

مسلم ابن عقیل - امام حسین کے چچا زاد بھائی - ان کو امام حسین نے اپنی روانگی سے پہلے صورت حال دریافت کرنے کے لیے کوئے بھیجا تھا - وہاں ابن زیاد کے حکم سے بڑی بے رحمی سے شہید کیے گئے اور ان کے دو بیٹے قید کر دیے گئے - کچھ دن بعد زندان بان نے ان کا نسب معلوم کر کے ان پر رحم کھا کر چھوڑ

دیا۔ آخر حادثے نے دلوں کو شہید کر دیا۔

عابد۔ امام حسین کے صاحبزادے جو کربلا میں بیہار ہو گئے تھے اور مرض کی شدت کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ کا اصل نام علی تھا اور سجاد۔ عابد۔ زین العابدین آپ کے لقب تھے۔ مرثیوں میں آپ کو 'بیاد کربلا' اور 'سید سجاد' کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔

اکبر یا علی اکبر۔ امام حسین کے نوجوان فرزند۔ اٹھارہ سال کا سن۔ آپ کی مادر گرامی کا نام ام سلیمان تھا، لیکن مرثیوں میں اکثر آپ کو حضرت شہباز کا بیٹا قرار دیا ہے۔ حضرت علی اکبر کو ان کی بھوپھی حضرت زینب نے پالا تھا اور ان کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ آپ صورت میں جناب رسول خدا سے شہاب تھے۔ اسی لیے ان کو بشیر رسول، مثلک نبی، ہم صورت پنیر وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ کربلا کی جنگ میں آپ نے خوب داد شجاعت دی۔ آخر حسین ابن نیر کی برہمچی سینے کے پار ہو گئی اور آپ شہید ہو گئے۔

اصغر یا علی اصغر۔ امام حسین کے چھوٹے صاحبزادے، جن کا سن صرف چھ تیسے کا تھا۔ کربلا میں ایک دشمن کے تیرے شہید ہوئے۔

قاسم۔ امام حسین کے بڑے صاحبزادے۔ امام حسین کے بھتیجے۔ تیرہ برس کا سن۔ ایک روایت ہے کہ امام حسین کی وصیت پوری کرنے کی غرض سے حضرت قاسم کا عقد امام حسین کی صاحبزادی فاطمہ کبریٰ کے ساتھ کربلا میں شہادت سے ایک دن پہلے کر دیا گیا تھا۔ حال کے تحقق اس روایت کو مستند نہیں سمجھتے۔ کربلا کی جنگ میں حضرت قاسم کا خاص کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے شام کے ایک نامی پہلوان ازرق اور اسکے چار بیٹوں کو قتل کیا۔ آخر شہید ہو گئے اور لاش گھوڑوں سے اس طرح پامال کی گئی کہ جسم مبارک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

عبداللہ۔ امام حسین کے چھوٹے صاحبزادے جو بہت کم سنی کی حالت میں کربلا میں شہید ہوئے۔ عون و محمد۔ حضرت زینب کے صاحبزادے حضرت جعفر طیار کے پوتے، حضرت علی کے نواسے۔ نو دس برس کا سن مگر نہایت شجاع۔ بعض لوگوں نے ان کے نام 'عون و جعفر' بتائے ہیں۔ مرثیوں

میں ان دونوں بھائیوں کی جنگ ساتھ لکھی جاتی ہے، اندیہ بات اکثر بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ ان کے دادا جعفر طیار اور دادا صاحبزادہ علی دونوں لشکر رسول کے علم دار تھے، اس لیے کہ بلا کی جنگ میں وہ خود کو حسین فوج کی علم داری کا واسطہ سمجھتے تھے اور علم نہ لےنے سے رنجیدہ تھے، مگر اپنی مادر گرامی کے بھانے سے راضی ہو گئے۔

زمینب - امام حسین کی بہن - اپنے بھائی سے انتہائی محبت رکھتی تھیں۔ ادا اپنے بھتیجے علی اکبر کو اپنے بیٹوں سے زیادہ چاہتی تھیں۔ خاندانی فصاحت اور آبائی شجاعت دہشے میں پائی تھی۔ جب امام حسین کی شہادت کے بعد دشمن ان کے خاندان کو قید کر کے کربلا سے کونے اور کونے سے دمشق لے گئے، تو اپنے رستے میں یزید کے دربار میں بڑی دیر سے تقریریں کیں ادا اپنی مصیبتیں ایسے پر اثر اشار میں بیان کیں کہ پھر کادل پانی ہو جائے۔ مریبوں میں آپ کا ذکر اکثر ان لفظوں میں کیا جاتا ہے - بنت علی - بنت فاطمہ - خواہرام - شاہ کی ہمیشہ۔

کلثوم یا ام کلثوم - امام حسین کی چھوٹی بہن۔ کبریٰ یا فاطمہ کبریٰ - امام حسین کی بڑی صاحبزادی جن کا عقد قبول بعض کربلا میں قاسم ابن حسن کے ساتھ امام حسین کی شہادت کے ایک دن پہلے ہوا اور دس دن بیوہ ہو گئیں۔ صفریٰ یا فاطمہ صفریٰ - امام حسین کی صاحبزادی جو بقول بعض بیماری کی وجہ سے وطن میں رہ گئی تھیں۔

سکینہ - امام حسین کی چھوٹی صاحبزادی۔ تین چار برس کا سن۔ بقول بعض زندان شام میں انتقال کیا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام رباب تھا۔

ام سلمہ - پیغمبر اسلام کی زوجہ جو واقعہ کربلا کے وقت زندہ اور مدینہ میں مقیم تھیں۔ ام المومنین - حضرت عباس کی والدہ جبکہ نگرانی میں امام حسین کی بیٹی فاطمہ صغیرہ مدینہ میں مقیم تھیں۔ لیلیٰ یا ام لیلیٰ - امام حسین کی زوجہ۔ حضرت علی اکبر کی والدہ۔

بانویا شہر بانو - یزدگرد سوم بادشاہ ایران کی صاحبزادی۔ امام حسین کی زوجہ امام زین العابدین



کی والدہ۔ مرنیوں میں اکثر انھیں کو حضرت علی اکبر کی والدہ بھی قرار دیا ہے۔  
 جعیب ابن مظاہر۔ امام حسین کے ساتھ کھیلے ہوئے بچپن کے دوست۔ مرنیوں میں  
 ان کو بالعموم بہت بڑھا دکھا یا ہے۔  
 حر۔ لشکر یزید کے ایک دستے کا سردار جو بعد عاشورا امام حسین کی طرف آگیا اور سب سے پہلے لشکر یزید  
 سے مقابل ہو کر شہید ہوا۔

### یزیدی گروہ ۵

یزید ابن معاویہ۔ عرب کا فاسق و فاجر بادشاہ جو اسلام کا مدعی ہو کر احکام اسلام کی صریح مخالفت  
 کرتا تھا۔ اسی کے ایسے امام حسین کی شہادت واقع ہوئی۔  
 عبید اللہ ابن زیاد۔ یزید کی طرف کونے کا گود نہ تھا۔ اسی کے حکم سے امام حسین شہید کیے گئے۔  
 عمر ابن سعد۔ اس یزیدی لشکر کا سپہ سالار جو کہ بلائیں امام حسین کے قتل کے لیے جمع ہوا تھا۔  
 شمر ذی الجوشن۔ یزیدی فوج کا ایک سردار۔ نہایت ظالم، بے رحم، حریص، اسان فراموش۔  
 اسی نے امام حسین کو اپنے ہاتھ سے شہید کیا۔  
 حصین ابن نمیر۔ یزیدی فوج کا ایک سردار۔ اس کی بوچھی نے امام حسین کے زوہان بیٹے  
 علی اکبر کا کام تمام کیا۔  
 حرملہ بن کاہل اسدی۔ یزیدی لشکر کا ایک شاق تیر انداز۔ امام حسین کا ششماہہ پوتہ  
 علی اصغر اسی کے تیر سے ہلاک ہوا۔  
 خولی۔ یزیدی لشکر کا ایک سپاہی۔ امام حسین کی شہادت کے بعد جب یزید کی فوج آپ کے اہل حرم کو  
 قید کر کے یزید کے دربار کے لیے لے گئی تو امام حسین کا سر مہارگ اسی کے نیزے پر بلند تھا۔  
 اذرق۔ ملک شام کا ایک نامی پہلوان جو حضرت قاسم سے لڑا اور مارا گیا۔ اسکے چادروں میں بھی جنگ  
 جو ان تھے۔ وہ سب اذرق سے پہلے حضرت قاسم ہی کے ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے۔  
 ہند یا ہندہ۔ یزید کی بیوی۔ اس کو رسول کے خاندان سے بڑی عقیدت تھی۔ جب اسے معلوم

ہوا کہ امام حسین شہید ہو گئے اور ان کے اہل حرم زندان شام میں مقید ہیں تو اس نے یزید سے سفارش کر کے ان کو رہا کر دیا۔

حادثہ۔ کوفہ کا باشندہ حضرت مسلم کے دو اہل بیٹوں کا قاتل۔  
جہاں۔ یزیدی لشکر کا ایک بے حمیت بندہ حوص جس نے بعد شہادت امام حسین کا پیکار کرکھی  
لیسنے کے لیے آپ کا ہاتھ اور انگلی کاٹ ڈالی۔  
نوٹ:- عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد اور حسین ابن علی کو زیادہ تر ضرباں زیاد بن سعد ابن مرقہ



## میرنہیں کے حالات زندگی

میر بر علی انیس فیض آباد میں (۱۲۱۸ھ - ۱۲۸۷ھ) پیدا ہوئے۔ ان کے بزرگوں میں شاعری کئی نپتونوں سے چلی آتی تھی۔ ان کے پردادا میر غلام حسین ضاحک فارسی ادا اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ طبیعت فطرتاً ہی اہل اور ظرافت کی طرف مائل تھی۔ ہر وقت ہنسنے ہنسلنے سے کام لیتا تھا۔ اسی مناسب سے ضاحک کخلص اختیار کیا۔ سلطنت دہلی کی تباہی کے بعد وہ دہلی کو چھوڑ کر فیض آباد چلے گئے۔

میرنہیں کے دادا میر غلام حسن حسن بڑے کامل شاعر تھے۔ ان کی ثنوی سحر البیان ایک ایسا کلام نام ہے جس پر اردو شاعری کو ہمیشہ فخر ہے گا۔ وہ غزل کے استاد تھے اور مرثیہ بھی کہتے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور جوانی میں اپنے والد کے ساتھ فیض آباد چلے گئے جب نواب آصف الدولہ نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو اپنا دار الحکومت قرار دیا تو میر حسن بھی لکھنؤ چلے آئے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔ ان کا انتقال یکم محرم ۱۲۸۷ھ کو ہوا۔

میرنہیں کے والد میر حسن خلیق بھی بالکل شاعر تھے۔ وہ فیض آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں رہے۔ مگر آخر عمر میں لکھنؤ چلے آئے شعر کا ذوق اور شاعری کا ملک دلشے میں ملا تھا۔ سولہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگے۔ میر حسن نے ان کے کلام کی اصلاح شیخ معصوم سے متعلق کو دی۔ معصوم غزل کے استاد تھے

شاگرد کو بھی اسی راہ پر لگایا اور اس نے غزلوں کا ایک پورا دیوان کہہ ڈالا۔ مگر صرف غزل گوئی سے شاعری کا شوق پورا نہ ہوا تو مرثیہ گوئی کی طرف توجہ کی اور آخر تک اسی شغل میں مصروف رہے خلیق غزل گوئی کے میدان میں کچھ زیادہ نہ چلے مگر مرثیہ گوئی نے ان کا نام خوب روشن کیا۔

میر خلیق کے معجزوں میں تین مرثیہ گو ادیب بھی تھے یعنی میر ضمیر، میاں دلگیر، اور مرزا فتح محمد خلیق کا پایہ مرثیہ گوئی میں کسی سے نیچا نہ تھا اور مرثیہ خوانی میں سب سے اونچا تھا۔ وہ جب مرثیہ پڑھتے تھے تو چشم و ابرو کے اشاروں سے اعضاء کی مناسب حرکتوں سے اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔<sup>۱۲۶</sup> اسلئے میں ان کا انتقال ہوا۔

میر خلیق کے تین بیٹے تھے، میر بر علی انیس، میر بر علی انس اور میر فواب فرس۔ یہ تینوں عرصے اور مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا ذوق جو اپنے والد سے ورثہ پہنچا تھا اس کو تینوں نے اپنی اپنی استعداد کے موافق ادیبی ترقی دی۔ میر انیس سب طرح میں سب سے بڑے تھے اسی طرح ان دونوں فنوں میں بھی اپنے بھائیوں سے کہیں بڑھ کر تھے۔ انھوں نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی دونوں کو ترقی کی کوشش کی اور پہنچا دیا جہاں کوئی آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کے اکثر مالکوں کی طرح میر انیس کے بچپن اور تعلیم و تربیت کا حال معلوم نہیں۔ ان کے دو استادوں کے نام ملتے ہیں، مولوی میر بخش علی فیض آبادی اور مولوی حیدر علی کھنوی۔

مولوی بخش علی مجتہد علوم اسلامیہ کے فاضل، علم طب میں کامل، فارسی کے شاعر اور متعدد کتب و رسائل کے مصنف تھے۔ مولوی حیدر علی کھنوی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میر انیس کی والدہ ایک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ فارسی زبان اور مذہبی مسائل سے کافی واقفیت رکھتی تھیں۔ یقیناً میر انیس نے ابتدائی تعلیم انھیں مندرجہ سے حاصل کی ہوگی۔ شاعری میں ان کے کسی استاد کا نام نہیں ملتا مگر ظاہر ہے کہ اس فن کے وہ شیعے جو اکتسابی تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اپنے بڑے چچا میر خلیق اور والد میر خلیق سے سیکھے ہونگے۔ مگر انھوں نے اپنے کلام میں جا بجا میر خلیق کے فیض تعلیم اور ان کے اتباع کا ذکر کیا ہے۔ میر انیس کی تعلیم و تربیت کی طرح ان کی علمی استعداد کا حال بھی کسی نے تفصیل سے نہیں لکھا۔ مگر مختلف لوگوں کے بیانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی اور فارسی میں اچھی دستگاہ اور جو علم اس زمانے

میں رائج تھے ان سے کافی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے کلام کا غور سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمی قابلیت کے بارے میں مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔ (الف) وہ عربی زبان بخوبی جانتے تھے۔ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور بر محل استعمال کرتے ہیں۔ عربی صرف و نحو کے مسائل کی طرف جان بوجھ اشارے کرتے ہیں۔ عربی اقوال و اشعار وغیرہ کا ترجمہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے۔ (ب) تہذیب و حدیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات و احادیث ان کے تنجیہ ان کی طرف اشارے تغیر و حدیث کی کتابوں کے نام، راویوں کے حوالے، یہ سب چیزیں ان کے کلام میں موجود ہیں (ج) اپنے زمانے کے دوسے علوم میں بھی واقف تھے۔ ان کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں۔ بعض علوم کے مسائل کا بھی بجا بجا ذکر ہے (د) فارسی زبان و ادب پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے مرثیوں کا ایک ایک مصرع ان کی فارسی دانی پر شہادت دیتا ہے۔ فارسی لفظوں کا بھل صرف فارسی کی دل آویز ترکیبیں، فارسی شلوں اور قولوں وغیرہ کی طرف اشارے، فارسی شعروں کے تنجیہ اور جابجا ان کو تھمیں کرنا، یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ انیس کو فارسی زبان میں بڑی مہارت تھی۔ ان کی فارسی نظم اور شعر کے بعض نمونے بھی اب تک موجود ہیں۔

میر انیس کی کتابی معلومات بھی کافی تھی، مگر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک من علم سے کام لینے کے لیے دس من عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر چار پائے براؤں کا بے چند کامصداق بن جانا اور چیز ہے اور اپنے علم کو اپنی ذات کا جز بنالینا اور اس پر حاکم قدرت رکھنا اور چیز ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہو کہ عرویت کا غلبہ اور علیت کا اظہار جتنا انیس کے ابتدائی مرثیوں میں ہے اتنا آخری مرثیوں میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو جو مشن سخن طبعی گئی وہ یہ قدرت بھی بڑھتی گئی کہ بائیک اور نازک خیالوں کو غریب لفظوں اور علی اصطلاحوں سے بچ کر سادہ و عام فہم زبان میں لکھیں۔ میر انیس کا خاندانی مذہب شیعہ تھا۔ ان کی والدہ ایک تعلیم یافتہ اور پابند مذہب خاتون تھیں اور سرکاری مسائل سے بخوبی واقف تھیں۔ میر انیس کے والد بھی ایک مذہبی آدمی تھے۔ جن بچے کی تعلیم و تربیت ایسی ماں کی آغوش شفقت اور ایسے باپ کے ظل عاطفت میں ہوئی ہو اس کو نظرتاً

پابند مذہب ہونا ہی چاہیئے۔ میرا نہیں کا کلام بخوبی سمجھنے کے لیے ان کے مذہب کو کچھ لینا ضروری ہو۔ اس لیے ان کے بعض مذہبی عقیدوں کا بیان کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

خدا کی خدائی اور محمد کی پیغمبری کے تو سب مسلمان قائل ہیں، لیکن پیغمبر کی وفات کے بعد ان کی جائیشی کے مسئلے میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا، جس نے مسلمانوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ شیعوہ اہل حق کے ناموں سے مشہور ہیں۔ شیعوں کے خیال میں رسول کے پہلے خلیفہ یعنی روحانی جائیشی ان کے چچا زاد بھائی ابراہیم اماد حضرت علی تھے۔ ان کے بعد خلافت انھیں کی اولاد میں نسل پس نسل منتقل ہوتی رہی۔ رسول کے یہ جائیشی جن کی تعداد بارہ ہے، اہم کہلاتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ حضرت محمدؐ، ان کی بیٹی جناب فاطمہ اور بارہ امام یہ چودہ آدمی معصوم ہیں۔ یعنی ان سے غلطی اور گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ بہترین اخلاق کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کی محبت اور اطاعت خدا کی خوشنودی کا باعث اور ابدی نجات کا ذریعہ ہے اور ان سے عداوت اور انحراف خدا کی ناراضی کا سبب اور دائمی عقوبت کا باعث ہو۔ خوش عقیدہ شیعوں کے نزدیک وہ ظاہری موت کے بعد بھی ابدی زندگی کے مالک ہیں۔ تمام کائنات پر ان کی حکومت ہے۔ عجز یعنی خوق عادت ہر وقت ان کے امکان میں ہو۔ زمان و مکان کا فاصلہ ان کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان کی دھڑلے میں تند و تیز اور مردے زندہ ہو سکتے ہیں۔ قدرت کے تمام قانون اور فطرت کی تمام قوتیں ان کے امداد کے تابع ہیں۔ مگر ان عقیدوں کے باوجود انھوں نے کبھی خدا کی مرضی کے خلاف ایک سانس بھی نہیں لی۔ اصولاً سب اماموں کا مرتبہ برابر ہے اور سب یکساں احترام اور اطاعت کے قابل ہیں۔ لیکن علما شیعوں کے دل میں پہلے امام حضرت علیؑ کی جس قدر عظمت ہو اور تیسرے امام حضرت حسینؑ ابن علیؑ کی جتنی محبت ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہے۔ انھیں امام حسینؑ کو بادشاہ وقت یزید کی فوج نے انتہائی شہادت اور بے رحمی سے تین دن کی بھوک اور پیاس میں تمام عزیزوں اور رفیقوں سمیت کربلا کے میدان میں شہید کر دیا۔

یوں تو گویا انسانی دل ہو جو کربلا کے خوش و خوش سے متاثر نہ ہو اور حق کی حمایت میں دنیا کی اس سب سے بڑی قربانی کا حال سن کر انسانیّت کی دنگاہ میں دو آنسو نہ چڑھا دے، لیکن شیعوں تاریخ عالم کے ان بے حد عظیم اور بے انتہا غم ناک واقعے کی یادگار قائم کرنا، مجالس غمناک منعقد کر کے شہداء کربلا کے کارناموں کا ذکر اور ان کی اشاعت کرنا جو مذہب خیال کرتے ہیں۔ اپنی مصیبتوں سے مضطرب

ہونا اور اپنے عزیزوں کی موت پر رونا دھونا اچھا نہیں سمجھتے، لیکن اپنے مظلوم امام کی مصیبتوں پر ماتم کو دینی اور انسانی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ان فرائض کو یوں تو وہ انفرادی حیثیت سے سال بھر برابر وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہتے ہیں، لیکن محرم کا ہینہ بالخصوص اس کا پہلا عشرہ اس کام کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ ان دس دنوں میں وہ تمام کاموں کو ملتوی کر کے اجتماعی حیثیت سے واقعہ کو بلا کی یاد تازہ کرتے اور مجالس عزاء قائم کر کے امام حسین کی مصیبتوں پر روتے اور ماتم کرتے ہیں، غریب سے غریب شیعہ بھی اپنا یہ مقدس فرض ادا کرنے کے لیے اپنی سخت سے سخت ضرورتوں کو روک کر کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی خلقت کی ایک ضیہ یہ بھی ہے کہ وہ کو بلا کے شہیدوں کی صف ماتم بچھائیں اور اس غم کو قیامت تک قائم رکھیں۔ مرثیوں کی تصنیف کا اصل مقصد یہ کہ وہ انھیں مقدس مجالس میں پڑھ جائیں۔ اس طرح مرثیہ گوئی اور رثیہ خوانی کو ایک ہی اہمیت بھی حاصل ہو گئی۔ میر انیس کا کلام بتاتا ہے کہ وہ بھی یہ سب عقیدے رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے مرثیوں میں جو زور شان اخلاقی بلندی، عظمت، شینفٹکی، تقدس اور اثر ہے وہ انھیں عقائد کی بدولت ہی، کوئی دوسرا شوجھ اس طرح کے عقیدے نہ رکھتا ہو وہ شاعری کے انتہائی کمال کے باوجود ایسے مرثیے کہنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔

انسان کی سیرت جن چیزوں سے بنتی ہے ان میں اس کی تعلیم و تربیت اور اس کے مذہبی خیالات کا اثر سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ انیس نے جس فضائیں تربیت پائی تھی اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ ایک متین، خوددار اور جذب آدمی ہوں۔ ان کے کمال نے ان طبعی خصوصیات سے مل کر ان کو نازک مزاج بنا دیا تھا۔ ان کی نازک مزاجی اس وقت اور بڑھ جاتی تھی جب وہ مجلس عزاء میں منبر پر بیٹھتے، اپنا کلام اہل مجلس کو سنا رہے ہوں۔ اس وقت ان پر ایک نوعیت کا عالم طاری ہوتا تھا اور وہ اپنے کمال کے نشے میں سرشار ہو کر اس بلندی پر پہنچ جاتے تھے جہاں سے بے کمالی کا درجہ خواہ وہ ریاست و امارت کا لباس ہی کیوں نہ پہنے ہو، بہت پست معلوم ہونے لگتا ہے۔ خود داری اور عزت نفس میر انیس کی سیرت کے بہت نمایاں خصوصیات تھے۔ لیکن یہ باتیں حد اعتدال سے گزر کر خود بینی اور بد مزاجی تک نہیں پہنچ گئی تھیں۔ ان کی طبیعت کا فطری میلان انحراف کی طرف تھا اور وہ خاکساری کو انسان کی ایک اعلیٰ صفت سمجھتے تھے۔ انھوں نے انکسار کی

تعریف اور غور کی مذمت بار بار نہایت مؤثر پیرائے میں کی ہو۔ وہ قانع اور متوکل آدمی تھے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے تھے اور خدا کے علاوہ کسی کی مدد پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ خدا نے انھیں جو نعمتیں عطا کی تھیں ان پر اس کا شکر بجالاتے تھے۔ حق کہنے میں ذی اختیار اور صاحب دولت لوگوں سے محبوب نہ ہوتے تھے۔ قناعت اور استغنا کے شعلے انھوں نے ایسے ایسے پروردگار کے ہیں جن کی نظیر اور دشامی میں نہ مل سکے ہو۔ انیس کے زمانے کے امر نہایت خوشامد پسند تھے اور انیس کا گذر انھیں کی داد و دوش پر تھا۔ مگر وہ بھری مجلسوں میں ان کے منہ پر اپنی قناعت، خودداری اور بے نیازی کا ذکر تالک کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس شان سے کر دیتے تھے کہ ان کا بیان خود ان کے دعوؤں کی دلیل بجا رہتا تھا۔

مختصر یہ کہ میرا نیس کی سیرت میں وہ تمام باتیں صحیح تھیں جنھوں نے ان کو ایک کامیاب مذہبی شاعر بنادیا۔ جب تک کسی شاعر کے دل میں دلولہ اور جوش نہ ہو، وہ فلتے کرنے کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بہتر نہ سمجھتا ہو، ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح نہ دیتا ہو، اس وقت تک وہ رزم گوئی میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔

میرا نیس اپنی وضع اور اپنے اوقات کے بہت پابند تھے۔ ددش کا شوق تھا، شہسود شیرازی، بنوٹ وغیرہ میں مشاق تھے۔ ان کا قدمیہ مائل بہ دوازی تھا۔ ددش کی وجہ سے جسم ٹھوس اور اعضا چست و متناسب تھے۔ پھر بربدن، چوڑا سینہ، صراحی دار گردن، خوبصورت کتابی چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں اور گہرے رنگ تھا۔ موچیں زرا بڑی رکھتے تھے اور دارمی اتنی باریک مکتوبات تھے کہ دور سے منڈی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

میر صاحب نہایت وضع دار آدمی تھے۔ حجاب کی شکل کی جو گوشتیاؤں نے نیا گھیر دیا، کوئی ڈھیل ہنسی کا سفید پانچامہ، گھٹیل جوتا بالعموم پہنتے تھے۔ ان کے زمانے کے ذی علم اور ثقہ شرفاء اصل کا یہی لباس تھا۔ ہاتھ میں بھڑی اور دمال بھی ضرور ہوتا تھا۔ وہ اپنی وضع کے اقل قدر پابند تھے کہ بڑے سے بڑے نفع کے عوض میں بھی اس کو تبدیل کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ جب میرا نیس حیدر آباد گئے اور ان کی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کی شہرت ہوئی تو وہاں کے بہت بڑے رئیس سر آسمان جاہ بہادر نے بھی ان کو اپنے یہاں ایک مجلس بڑھوا کر سنا چاہا، مگر شرط یہ لگا دی کہ

وہ اپنی سہولی ڈپٹی کی جگہ حیدر آباد کی منصب داری پر گھڑی سو سو روپے کا مہر تیار کر لیا۔ اس ایک مجلس کے پڑھنے کیلئے پانچ ہزار یا بقول بعض دس ہزار روپیہ دینا تجویز کیا تھا۔ لیکن انیس نے اتنی بڑی رقم کے لیے بھی اپنی وضع میں ذرا سی تبدیلی پسند نہ کی۔

میر انیس نہایت خوش آواز تھے اور جتنے خوش آواز تھے اس سے کہیں زیادہ خوش بیان تھے۔ ان کا دفتر و دفتر کلام ان کی خوش بیانی کے لیے شہادت کے پیشاں محض پیش کو رہا ہو۔ موافق اور مخالف کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو میر صاحب کی خوش بیانی کا قائل نہ ہو۔ خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اتار چڑھاؤ، پھرے کا تیز، آنکھوں کی گردش، اعضا کی حرکت، یہ سب چیزیں موقع و محل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے ذہن نشین ہو جاتا ہو۔ اور بہت کچھ جو لفظوں سے ادا نہیں ہو سکتا وہ بیان کے انداز سے ادا ہو جاتا ہو اور مقرر سننے والوں پر جو اثر ڈالنا چاہتا ہے وہی پڑتا ہے۔ میر انیس کو خدا نے وہ تمام ذرائع حد کمال تک عطا فرما دیے تھے جن سے کوئی شخص اپنے دل کے حالات اور خیالات و دوسروں کے دل تک پہنچا سکتا ہے اور ان میں تقریر کا وہ سب سے بڑا وصف جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہو انتہائی درجے تک موجود تھا۔ وہ مہر تیار اس طرح پڑھتے تھے کہ کلام کا اثر بد بجا بڑھ جاتا تھا۔ ایک ایک اشعار سے واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ ان کا پڑھنا سن کر مبہوت و متحیر ہو جاتے تھے۔ عام طور پر مسلم ہو کہ میر انیس کا سام شہر پڑھنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا۔

اوپر لکھا جا چکا ہو کہ میر انیس کی ولادت فیض آباد میں ہوئی تھی۔ انھوں نے سب سے پہلا سفر لاکھنؤ میں اپنے والد کے ساتھ فیض آباد سے لکھنؤ تک کیا۔ اس کے بعد کئی مرتبہ اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ آئے جب لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو پھر اپنی خوشی سے کہیں نہیں گئے۔ البتہ سلطنت اور دھوکے انتزاع اور لکھنؤ کی تباہی کے بعد ضروریات زندگی نے مجبور کر دیا کہ وہ قندواؤں کی طلب پر لکھنؤ سے باہر نکلیں۔ پروفیسر آزاد کی تحقیق کے موافق میر صاحب نے



پہلے پہل ۱۸۵۹ء میں پٹنہ کا سفر کیا اور ان کے سفر الہ آباد، بنارس، پٹنہ اور حیدر آباد تک محدود رہے۔ سب سے آخری اور ناگزیر سفر جس سے کسی ذی حیات کو سفر نہیں ہوا، ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۲ء کو پیش آیا۔ پختہ پور کے دن قریب شام انتقال کیا اور جمعے کی صبح سے کچھ پہلے اپنے باغ واقع چوہدری محلہ میں دفن ہوئے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر قریب ۳۷ سے ۳۸ برس چند مہینے اور کسی حساب سے ۷۰ برس کی تھی۔

سید محمد ذکی آلم شاگرد میر مونس نے قلعہ تالیخ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں:-

اے داتِ شدخاں چو بہار گل سخن	از بارغِ نظم بلبل رنگیں کلام رفت
میاںِ بوخشنہ و بست و نہم ز عمید	قبل از غروبِ پیشِ شمعِ خام رفت
سہ سال و چند ماہ بہ ہفتاد شد فزوں	چوں آں رفیع مرتبہ و ذذ اکرام رفت
از دل آلم کشید سر آہ و زو ند	سوے ارم انیس امام انام رفت



## کلام پر مختصر تبصرہ

کسی شاعر کے کلام پر تبصرہ کرنے میں اپنے دعووں کو دلیلوں سے ثابت اور مثالوں سے واضح کرنا ضروری ہے۔ لیکن انیس کے یہاں ایک ایک مثال میں کئی کئی بند اور بعض اوقات کئی کئی صفحے تعلق کرنا ہوتے اور اس سے تبصرہ طویل ہو کر مقدمے کی حد سے نکل جاتا جو دراصل اس حرکت کی گنجیں۔ اب موجودہ صورت میں یہ تبصرہ کا ہے کہ ہر صنف انیس کی شاعری کی خوبیوں کی طرف کچھ اشارے ہیں کہ اگر ان کو ذہن میں رکھ کر انیس کے کلام کا مطالعہ کیا جائے گا تو زیادہ واضح ہوگا۔ میر انیس نے عام دوا لاج کے مطابق شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔ ان کے والد میر خلیق مرثیہ کی طرح غزل بھی خوب کہتے تھے۔ انھیں سے انیس نے اپنی غزلوں پر اصلاح لی ہوگی۔ لہذا ہوتا ہو کہ انیس کی نظری قوت شاعری جس نے مرثیہ میں یہ کمال دکھائے اس نے غزل میں بھی

کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ لیکن دو تین غزلیں اور غزلوں کے چند متفرق اشعار ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں ان سے ان کا شمار اعلیٰ درجے کے غزل گروں میں نہیں کیا جاسکتا۔ میر انیس کی شاعری کا اہل میدان مرثیہ ہے۔ اس لیے مرثیوں کے مطالعے سے ان کی شاعری کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا وہ ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

میر انیس بڑے قادر الکلام ہیں ان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جو نازک سے نازک خیالی دل میں پیدا ہوا اور لطیف سے لطیف کیفیت طبیعت پر طاری ہوا اسے لفظوں میں بیان کر دیں۔ وہ جیسا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں اس کی مناسبت سے ایسے الفاظ انتخاب کرتے ہیں جو اپنی آواز اپنے ربط باہمی اور اپنے متعلقات معنوی سے اس خیال کی کامل ترجمانی کرتے ہیں اور سامع کے دل میں وہی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جو شاعر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مختلف طبقوں اور مختلف طبعتوں کے لوگوں کے طرز کلام میں جو فرق ہوتا ہے انیس اس کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں۔ اختصار اور طول پر بھی ان کو پورا اختیار ہے۔ ان کے پاس لفظوں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس سے زائد شاید ہی کسی اور شاعر کو نصیب ہوا ہو مترادف کے نازک فرقوں کا بھی بہت لحاظ رکھتے ہیں وہ ایک ہی واقعے کو جو نئیات و تفصیلات کے اختلاف کے ساتھ مبیوں طرح پر بیان کرتے ہیں اور ہر طرح وہ واقعہ مطابق فطرت رہتا ہے نہ اسکی دیکھی کم ہونے پانی ہے نہ نظم کا زور گھٹنے پاتا ہو۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو شاید دنیا کے کسی اور شاعر کے حصے میں نہیں آئی۔ کلام کا اثر انیس کے ارادے کا تابع ہے اور یہ بھی وہ خوبی ہے جو بہترین شاعروں کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔

واقعہ نگاری میں انیس کو کمال حاصل ہے۔ مورخانہ واقعہ نگاری اور شاعرانہ واقعہ نگاری میں ایک خاص فرق ہے۔ اگر ایک واقعے کے تمام جزئیات کا علم ہو تو اس کو نظم کر دینے کے لیے صرف طبیعت کی موزونی کافی ہے اور اس کا نظم کو دینا شاعری نہیں ہے۔ کسی واقعے کے اجمالی علم کی بنیاد پر اس کے تفصیلات کا تخمینہ سے پیدا کرنا شاعری ہے۔ لیکن شاعرانہ واقعہ نگاری

کے لیے بھی یہ لازم ہو کہ واقعات شاعر کے قلم کی جنبشوں کے تابع نہ معلوم ہوں۔ بلکہ قدرتی اسباب کا نتیجہ معلوم ہوں۔ اس کے لیے شاعر کو ایسے اسباب ہیا کرنا پڑتے ہیں کہ جو کچھ وہ واقعہ کو اپنا جاتا ہو اس کا واقعہ ان اسباب کا فطری نتیجہ ہوتا ہو۔ حقیقت میں یہ بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن انیس کو اس میں بڑی ہمارت ہے۔

ہر واقعے میں بہت سے جزئیات ہوتے ہیں ان میں سے بعض میں انتقال ذہن کی اتنی قوت ہوتی ہے کہ صرف انہیں کے بیان سے واقعہ کا پورا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہو۔ انیس اکثر انہیں جزئیات کو منتخب کر لیتے ہیں اور واقعات کے اجمالی بیان میں تفصیلی بیان سے زیادہ دلچسپی اور اثر پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک واقعے کے بعض جزئیات میں دلوں کو متاثر کرنے کی قوت اس کے دوسرے جزئیات سے زیادہ ہوتی ہو۔ انیس بالعموم انہیں موثر جزئیات کو نیاں کر دیتے ہیں۔ منظر نگاری کا کمال بالعموم یہ سمجھا جاتا ہو کہ منظر کی لفظی تصویر اصل منظر سے اس قدر مطابقت ہو کہ تصویر سے اصل کا لطف حاصل ہو۔ لیکن حقیقت میں منظر کی تصویر دلوں کو بالکل اصل کے مطابق کر دکھانا شاعر کا کمال نہیں ہے۔ بالکمال شاعر اپنی قوت تخیل سے قدرتی منظروں میں ایسا تغیر کر دیتا ہو کہ وہ منظر بالکل فطری تو نہیں رہتا مگر خلافت فطرت بھی نہیں معلوم ہوتا اور منظر کا بیان اصل منظر سے زیادہ دلکش اور موثر ہو جاتا ہو۔ انیس نے صبح کی رونق، شام کا ٹانٹا، بہار کا جوش و گونج کی شدت وغیرہ اکثر اس طرح بیان کی ہو کہ ان کے بیان میں شاعرانہ منظر نگاری کا یہ کمال موجود ہو۔

جذبات کے اظہار میں بھی انیس کو بڑی قدرت حاصل ہو۔ جذبات کے مختلف مدارج ہوتے ہیں۔ کوئی عمل انتہائی خوشی، غم، حیرت، غصے وغیرہ کا ہوتا ہو، کسی محل پر یہی جذبات بالکل خفیف سے پیدا ہوتے ہیں۔ انتہائی شدت اور انتہائی خفیت کے درمیان بیشمار درجے ہوتے ہیں۔ جذبات کے ان مدارج کو ملحوظ رکھنا اور ان کا اظہار کر لینا انیس کا وہ امتیاز ہو جس میں شاید ہی کوئی اردو کا دوسرا شاعر ان کا شریک ہو سکے۔ جن حالات میں جو جذبات پیدا ہونا چاہیے اور جس حد تک پیدا ہونا چاہیے انیس انہیں جذبات کو اسی حد کے اندر دکھاتے ہیں۔ انہوں نے مختلف

مرثیوں میں ایک ہی موقع پر ایک ہی شخص کے جذبات مختلف بلکہ متضاد دکھائے ہیں مگر ہر جگہ حالات میں کچھ ایسا ضمنی تغیر کر دیا ہو کہ جذبات فطرت کے مطابق ہی رہے۔

بعض وقت کئی طرح کے جذبات کے مخلوط ہونے سے ایک خاص کیفیت انسان کے دل پر طاری ہو جاتی ہو۔ بعض اوقات انسان کے دل میں دو طرح کے جذبات یکے بعد دیگرے کچھ دیر تک برابر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح نہ معلوم کتنی عجیب عجیب کیفیات انسان کے دل میں گزرتی رہتی ہیں۔ انیس ایسے نازک موقعوں پر جذبات کی فطری حالت کو محسوس کر سکتے ہیں اور ان کے اظہار کے لیے طرح طرح کے موثر پیرائے اختیار کرتے ہیں۔ وہ جذبات کا بیان اکثر صراحت سے نہیں کرتے بلکہ ایسے علامات کا ذکر کر دیتے ہیں جن سے وہ جذبات خود بخود سمجھ میں آ جاتے ہیں۔

سیرت نگاری تو انیس سے پہلے گویا اردو میں تھی ہی نہیں۔ بعض قصوں اور مثنویوں میں ان شخص کی سیرت ایک حد تک متعین کر کے دکھائی گئی ہو۔ لیکن سیرت نگاری کا وہ کماں جو انیس کے یہاں ہو اس کا ایک شاخہ بھی حیرت کے سوا شاید ان کے کسی پیشرو کے یہاں نہیں ملتا۔ انیس کے مرثیوں میں جن لوگوں کا ذکر آتا ہے ان میں سے بعض کے کارناموں کو واقعہ کو بلا میں خاص اہمیت حاصل ہو۔ ان لوگوں کی سیرتیں انیس نے تفصیل کے ساتھ دکھائی ہیں اور ان کے مخصوص امتیازات اور خاص خصوصیات ہر جگہ اور ہر حالت میں نمایاں رکھے ہیں۔ باقی لوگ جن کے کردار کو واقعہ کو بلا میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہے ان میں انیس نے عام انسانی خوبیاں حد کمال تک دکھائی ہیں لیکن ان میں ایسے خصوصیات نہیں دکھائے ہیں جو ایک کی سیرت کو دوسرے کی سیرت سے ممتاز کر سکیں۔ یعنی انیس کے یہاں چند محکمہ شخصیتیں ہیں اور باقی محض نام ہیں۔ امام حسین کی سیرت دکھانے میں انیس نے بالخصوص بڑا کمال کیا ہے اور لیکنست اور بشریت کو کچھ اس تناسب سے سمجھ دیا ہو کہ وہ مقدس سیرت جس طرح دنیا کی تاریخ میں عدیم الثال تھی اسی طرح اردو شاعری کی دنیا میں بھی بے نظیر ہو گئی۔

انیس نے اشخاص مرثیہ کی جو سیرت دکھائی ہے وہ نہ خالص عربی ہے نہ بالکل ہندوستانی

بلکہ دونوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ہندو تائنت جو برہمن کے زیادہ نمایاں ہے۔ بعض لوگ شاید اس کو قابل اعتراض سمجھیں۔ لیکن اگر انہیں یہ نہ کہتے تو نہ واقعہ کو بلا کو خاص و عام میں یہ عظمت اور اہمیت حاصل ہوتی، نہ امام حسین اور ان کے رفیقوں کی محبت اس طرح ہر دل میں گہر کوئی، نہ اہل ہند ان کو قابل تقلید نمونہ قرار دے سکتے، اور نہ ان کے مصائب کو اپنی ذاتی مصیبتوں کی طرح محسوس کر سکتے اور اگر یہ نہ ہوتا تو انہیں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔

اخلاقی شاعری کے اعتبار سے انہیں کے مرثیوں کا پایہ بہت بلند ہو۔ ان کے تمام کلام میں بلند اخلاقی کی ایک لہر دوڑی ہوئی ہو جن اخلاق فاضلہ کی تعلیم انہیں کے مرثیوں سے ہوتی ہے وہ اخلاق و نصائح کی کسی کتاب سے یا وعظ و پند کے ذریعے سے ممکن نہیں نفس انسانی کی انتہائی شرافت کے نقشے جن موثر پیرایوں میں کھینچے ہیں ان کا جواب ممکن نہیں اور ان کو انتہائی رذالت کی تصویروں کے مقابلے میں دکھ کر ان کے اثر کو اور بھی قوی کر دیا ہے۔ حسینؑ اور رفیقان حسینؑ کی سیرتوں میں اخلاق حسنہ کی انتہا اس حسن سے دکھائی ہے اور ان کے اعمال افعال کے ذریعے سے دکھائی ہو کہ وہ جن اخلاق کے محض خیالی معیار ہو کہ انہیں رہ گئے بلکہ قابل تقلید نمونے بن گئے ہیں۔ بلند اخلاقی کی انتہا کے ساتھ ساتھ ان میں وہ کمزوریاں بھی دکھائی ہیں جو لازمہ بشریت ہیں لیکن بد اخلاقی کی حد سے بہت دور ہیں۔ یہی کمزوریاں ان اخلاق کے تیلوں کو ہم سے قریب تر کر کے ہماری محبت اور مہمردی کا رخ ان کی طرف موڑ دیتی ہیں۔

کبھی کبھی میر انیس نے اخلاق کی تعلیم براہ راست ہندو عظمت کے ذریعے سے بھی جی ہو لیکن بالعموم وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ بلند اخلاقی کے نہایت دل کش نمونے پیش کر کے ہم کو ان کی تقلید پر راغب کرتے ہیں اور اس طرح کی بالواسطہ اخلاقی تعلیم سے ان کے مرثیے کا کوئی مقام خالی نہیں ہوتا۔ اسی اخلاقی بندی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ انہیں کے کلام میں وقار اور تمکین کی ایک خاص شان نظر آتی ہو۔ ان کے بیانات میں اور ان کے ہیرو کے افعال و اقوال میں ہمیں ابتداء اور گھجور اپن نہیں پایا جاتا۔

سلاست، روانی، اشکفتگی اور فصاحت کے دوسرے لوازم انیس کے کلام میں اس قدر نمایاں ہیں کہ ان کو بیان کرنے ادا ان کی طرف متوجہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ جو صحیح مذاق شخص انیس کا ایک مرثیہ بھی پڑھ لے گا وہ کلام انیس کے اس وصف کو خود سمجھ لے گا اور اس طرح سمجھ لے گا جس طرح کسی دوسرے کے سمجھانے سے ہرگز نہ سمجھ سکتا۔ انیس کے کلام میں فصاحت اس درجہ نمایاں ہو کہ ان کا کوئی مخالف بھی اب تک اس کا انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ وہ دقیق اور نازک خیالات کو آسان لفظوں میں اس طرح ادا کر دیتے ہیں کہ ظاہر میں سمجھا میں مضمون کی جدت اور باریکی تک نہیں پہنچتیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ انیس کے کلام کی خوبی صرف اس کی فصاحت ہے۔

فصاحت کلام کے لیے یہ ضروری ہو کہ الفاظ کی ترتیب قواعد اور محاورے کے مطابق ہو۔ نظم میں وزن، قافیہ اور ردیف کی پابندیوں کی وجہ سے ایسی ترتیب کا قائم رہنا نہایت مشکل ہو لیکن انیس نے اس مشکل کام کو بہتر سے بہتر طور پر انجام دیا ہے۔ ان کے کلام کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس میں لفظوں کی ترتیب بالکل نثر کی سی ہو۔ جہاں ضروریات نظم نے ترتیب بدلنے پر مجبور کیا ہو وہاں بھی ایسی تبدیلی ہوتی ہو جو ناگوار نہیں معلوم ہوتی بلکہ اکثر اس تبدیلی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ حسن بیان کے سلسلے میں صنعتوں پر بھی ایک نظر کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگوں نے صنعتوں کے استعمال میں ایسی بدلیفگی اور اتنی بے اعتدالی برتی کہ اب طبعیت ان سے ایسا کرنے لگی ہیں۔ لیکن کسی شے کے غلط استعمال سے نفس شے میں کوئی خرابی نہیں آسکتی۔ اس میں شک نہیں کہ اگر احتیاط اور سلیقہ کے ساتھ بعض صنعتیں استعمال کی جائیں تو کلام کے حسن میں اچھا خاصہ اضافہ ہو سکتا ہو۔ میر انیس صنائع کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ فصاحت کے شرائط اور بلاغت کے لوازم میں کمی کی خلل نہیں پڑتا۔ وہ صنعت کے لیے کلام کے کسی عیب کو گوارا نہیں کر لیتے۔ بعض مفردہ صنعتیں جن کو حقیقتہً کلام کے حسن میں کچھ خلل نہیں وہ ان کے یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لیکن جن صنعتوں سے کلام کا حسن بڑھتا ہے ان کو انھوں نے بہت کثرت سے استعمال کیا ہے۔ مگر وہ صنعتوں کو اتنا

ابھرنے نہیں دیتے کہ وہ سامع کے ذہن کو معنی سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر لیں۔

انیس کے زمانے میں رعایت لفظی کے استعمال کا بڑا زور تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ اسی کو اصل شاعری سمجھنے لگے تھے اور اس لیے اس کے استعمال میں حد مناسب بہت تجاوز کر گئے تھے۔ انیس نے بھی اپنے ماحول سے متاثر ہو کر اس صنعت کو خوب برتا ہے، مگر اس طرح کہ نہ اس کی وجہ سے بیان میں الجھاؤ اور محاورے میں خلل پڑتا ہے نہ بے جا تکلف اور بے لطف نقص ظاہر ہوتا ہے اور نہ ذہن کسی غیر متعلق مفہوم کی طرف منتقل ہونے پاتا ہے۔ ان کی شاعری کے زمانے کے کلام میں ایسی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں جن میں یہ صنعت بے اعتدالی سے استعمال کی گئی ہے۔ اور جو چند مثالیں ایسی ملتی ہیں ان میں اکثر بے اعتدالی کے جواذ کی کوئی صورت موجود ہوتی ہو۔ انیس کے یہاں اکثر ایک ایک مصرعے میں کئی صنعتیں موجود ہیں اور بعض جگہ ایک ایک صنعت کے اندر کئی کئی صنعتیں بھری ہوئی ہیں۔ کچھ صنعتیں ایسی بھی ہیں جو انھیں کی طبیعت نے ایجاد کی ہیں اور جن کا کوئی نام اب تک مقرر نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صنعتوں کے استعمال میں بھی میر تقی میر اپنا جواب نہیں رکھتے۔ لیکن ان کی شاعری کا مرتبہ اس سے بلند تر ہو کہ صنائع کو اس کا طرہ امتیاز قرار دیں۔ ان کا اصل کمال تو اس سادگی میں ظاہر ہوتا ہے جس پر ہزار صنعتیں نثار ہیں۔

انیس کا کلام جتنا فصیح ہے اتنا ہی بلیغ بھی ہے۔ عام طبع پر بلاغت کا ایک غلط مفہوم مشہور ہو گیا ہے جس کی بنا پر لوگ اس کلام کو بلیغ سمجھنے لگے ہیں جس میں شکل الفاظ، دقیق کوکبیں، دور انداز کا استعارے، بعید الغنم تشبیہیں وغیرہ ہوں۔ بعض لوگ اس کلام کو بلیغ سمجھتے ہیں جس میں لفظ کم اور معنی زیادہ ہوں۔ لیکن حقیقت میں بلاغت یہ ہے کہ کلام مقتضات مقام کے موافق ہو۔ سلاست و اشکال، سادگی و رنگینی، طول و اختصار، سب کچھ بلاغت کے اندر آجاتا ہے نہ صرف ایک مناسب محل پر ہو۔ یہ بات بھی بلاغت میں داخل ہو کہ کلام کا ایک جزو دوسرے جزو کا تقبیض نہ ہو۔ انیس کے کلام میں بلاغت کے یہ تمام لوازم موجود ہیں وہ جس موقع پر جو کام جس شخص سے لیتے ہیں

اور جو بات جس سے کہواتے ہیں وہ اسی کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ یہ صفت انیس کے کلام میں اس قدر نمایاں ہے کہ گفتگو کے جہلا کی زبان پر بھی یہ جملہ جاری ہے کہ میر انیس کے یہاں حفظ مراد بہت ہوتا ہے۔

گفتگو اور مکالمے کے لکھنے میں بھی کوئی شاعر انیس کا مقابل نہیں ہو سکتا۔ یوں تو گفتگو کا نظم میں ہونا ہی خلافِ فطرت ہے۔ لیکن نظم میں اور بالخصوص مسدس میں جس قدر فطرت کی مطابقت ممکن ہے اتنی انیس کے یہاں موجود ہے۔ اگر لفظوں کی ترتیب میں ذرا سا فرق کر کے انیس کے مکالموں کو نشر کر دیں تو معلوم ہو کہ نظم کا کیا ذکر نشر میں بھی ایسا مکالمہ لکھتے والا اور وہیں اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انیس جب دو شخصوں کی گفتگو لکھتے ہیں تو الفاظ طرز کلام اور لب و لہجے میں محکم اور مخاطب دونوں کی عمر، صنف، سیرت، حیثیت، وقت قلبی کیفیت، گفتگو کے موقع اور ان کے باہمی تعلقات کا لحاظ رکھتے ہیں۔ امام حسینؑ اور ان کے اقربا کی گفتگو میں جو فصاحت، جو تہذیب، جو متانت، انیس نے دکھائی ہو اس کا جواب کہیں نہیں مل سکتا۔ گفتگو اور مکالمے کا لکھنا بظاہر جتنا آسان معلوم ہوتا ہے حقیقت میں اتنا ہی مشکل ہے۔ نادلوں میں نشر کے مکالمے پڑھیے تو اکثر یہ معلوم ہوتا ہو کہ دو آدمی بے تکلفی کے ساتھ فطری انداز میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں بلکہ لکھے ہوئے سوال و جواب پڑھ کر بنا رہے ہیں۔ تجزیہ پس تقریر کی بے ساختگی پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن انیس نے نظم میں بعض مکالمے اور گفتگو میں ایسی کچھ دی ہیں کہ ان کو پڑھتے وقت یہ بات خود بخود نظر انداز ہو جاتی ہو کہ وہ نظم میں ہیں۔

ترتیب اور تسلسل بھی انیس کے کلام کی ایک خاص خوبی ہے۔ یہ صفت ان کے کلام میں اس قدر نمایاں ہو کہ ہر شخص اس کو خود محسوس کر سکتا ہے۔ اگر انیس کے متعدد درمئیے پڑھنے کے بعد کسی اور مرثیہ گو کا کلام پڑھا جائے تو اس صفت کا احساس شدت کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

انیس جب ایک بات ختم کر کے دوسری بات شروع کرتے ہیں یا ایک مقام کے بعد دوسرے مقام شروع کرتے ہیں تو دونوں کو اس سُن سے ملاتے ہیں کہ جو معلوم نہیں ہوتا، بات میں بات نکلتی



جلی آتی ہو وہ جملے میں لفظوں کو اور عبارت میں جملوں کو اس ترتیب سے رکھتے ہیں کہ ایک بات کو اس کے بعد آنے والی بات کے لیے ذہن خود تیار ہو جاتا ہے اور اس کو کسی خلاف توقع بات سے اچانک سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہ نہیں ہوتا کہ کوئی بات ناگہانی طور پر سامنے آکر ذہن کو متوحش کر دے۔ اس خوبی کی بنا پر میرٹس کا کلام پڑھتے وقت دماغ کو راحت اور دل کو لذت ملتی ہے۔

انیس کے کلام کا ایک خاص وصف اعتدال ہے جس کا اظہار تین طرح پر ہوا کرتا ہے :

(۱) لفظ و معنی کی مناسبت میں یعنی وہ دس سیر معنی کے لیے دس من کا لفظ نہیں رکھ دیتے۔

(۲) جذبات کے اظہار میں یعنی وہ مقصیات مقام کے لحاظ سے جذبات میں شدت اور خفشت دکھاتے ہیں۔ انکے یہاں جذبات میں جاہلانہ زور و شور نہیں ہوتا بلکہ جذبانہ اور شریفانہ اعتدال ہوتا ہے۔

(۳) تعریف و مذمت میں یعنی وہ ہر خوشنادرخت کو طوبی سے ہر بر فضا باغ کو بہشت سے اور ہر حسینی کو یوسف سے بہتر نہیں کہہ دیتے۔ اسی طرح مذمت میں بھی اعتدال ملحوظ رکھتے ہیں۔

بیان مذم حقیقت میں واقعہ نگاری اور منظر نگاری کے تحت میں آتا ہے، لیکن چونکہ یہ خاص بیان انیس کے یہاں کثرت سے ملتا ہے اور اکثر مثنویوں میں جنگ کے منظر بڑی تفصیل کے ساتھ دکھائے گئے ہیں اس لیے اس باب میں بھی کچھ لکھنا ضروری ہے۔ انیس جنگ کا نقشہ خوب کھینچے ہیں۔

پہلو آؤں کی سبیت، ان کی آمد کی دھوم دھام، رجز کا شور اور جریفوں کے داؤں پر رخ خوب دکھاتے ہیں اور اس سلسلے میں شیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی اور شہسرداری کی اصطلاحوں سے اکثر کام لیتے ہیں۔ حرب و ضرب کے ہنگاموں کی ایسی تصویر کھینچتے ہیں کہ میدان جنگ کا نقشہ آنکھوں میں

پھر جاتا ہے۔ عام ہنگامہ جنگ کے علاوہ دوجریفوں کا مقابلہ اور ان کی گھاتیں اور چوڑیں اس تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ لڑائی کا سماں سامنے آ جاتا ہے۔ اس خصوص میں بھی انیس کا کافی نظیر دکھائی نہیں دیتا۔

انیس کے زمانے میں تلوار اور گھوڑے کی تعریف مثنیے کا ایک جو بن گئی تھی۔ تلوار کی

تعریف کے ضمن میں بالعموم شیر زنی کے کمالات دکھائے جاتے ہیں جو حقیقت میں تلوار کی نہیں بلکہ تلوار چلانے والے کی تعریف ہوتی ہے۔ انیس نے بھی زیادہ تر یہی کیا ہے۔ لیکن خود تلوار کی تعریف بھی بجا بجا کی ہے۔ گھوڑے کی خوبصورتی، خوش خدائی، سبک روی اور تیز گامی کا بیان بھی خوب خوب

کیا ہو۔ یہ بیان زیادہ تر مبالغہ آمیز ہوتا ہے۔ لیکن کہیں کہیں گھوڑے کے حقیقی اوصاف بھی نہایت خوبی سے بیان کیے ہیں۔ تلوار اور گھوڑے کی تعریف انیس نے جس جس طرح لکھی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شمشیر زنی اور شہسوار کی اصطلاحوں پر عبور رکھنے کے علاوہ ان فنون سے بھی واقف تھے۔ پرانے زمانے میں دستور تھا کہ مقابل فوجوں میں سے ایک ایک پہلوان محل کو مقابلہ کرتا تھا۔ مقابلے سے پہلے ہر پہلوان کچھ فخریہ اشعار پڑھتا تھا جن میں اپنی نسی فضیلت، اپنے اور اپنے اسلات کے کارنامے، اپنی بہادری اور فن جنگ کی ہمارت وغیرہ کا ذکر شد و مد کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ ان فخریہ اشعار کو رجز کہتے ہیں۔ انیس نے رجز بڑے زور شور کے لکھے ہیں اور اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ ہر شخص کا رجز اس کے حسب حال ہو۔ اسی بنا پر امام حسین کے رجز میں پہلوانی اور زور آوری کا ذکر کم اور دوسرے شرفوں اور فضیلتوں کا ذکر زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کہیں طاقت وری اور جنگ آزمائی کا ذکر ہوتا بھی ہو تو ایک خاص متانت اور وقار کے ساتھ جو امام کے رجز کو محض ماہر جنگ سپاہی کے رجز سے ممتاز کر دیتا ہے۔

انیس نے نصحت پر اکثر بہت زور دیا ہے اور بیشتر جذبات نگاری کا کمال دکھایا ہو۔ حضرت علی اکبر کی نصحت بالخصوص بڑے اہتمام سے اور نئے نئے عنوانوں سے لکھی ہے یہ انیس کا کمال ہے کہ ایک ہی بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا اور ہر جگہ فطرت سے مطابقت قائم رہی۔ مرثیہ کا یہ حصہ بالعموم بہت دردناک ہوتا ہے۔

مرثیہ کا سب سے زیادہ دردناک حصہ بین ہو۔ بلکہ سچ بوجھے تو بین ہی اصل مرثیہ ہو میر نے بین بالعموم مختصر بین لکھتے ہیں۔ طولانی بین بہت کم لکھے ہیں۔ وہ سخت بین کھنا پسند نہیں کرتے، کیونکہ ان کے مخاطب صحیح عوام نہیں بلکہ لطیف جذبات کے لوگ ہیں، جن کے دل پر بے محل نالے اتنا اثر نہیں کرتے جتنی باطل ایک آہ جو گوگ لطیف جذبات رکھتے ہیں ان کو سخت مظالم کے بیان سے تنفر اور سخت بین سے تنفص ہوتا ہے۔ لیکن جہاں جہاں ان کے نازک جذبات کو ٹھیس لگتی ہے وہاں ان کے آنسو بے ساختہ نکل آتے ہیں۔ میر انیس اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ ان کے یہاں بین کے علاوہ مرثیہ کے دوسرے مقامات بھی اکثر بہت دردناک اور نہایت پراثر ہوتے ہیں نصحت بالخصوص ایسی ہوتی ہے کہ پتھر کا دل یانی ہو جائے۔

آج کل بعض لوگ قافیہ اور ردیف کو بے ضرورت قیدیں سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان سے کلام غیر فطری ہو جاتا ہے لیکن وزن جو شعر کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے اُسے بھی تو غیر فطری کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح وزن سے کلام کا حسن اور اثر بڑھتا ہے اسی طرح قافیہ اور ردیف سے بھی۔ اگر کوئی شخص قافیہ اور ردیف کی قیدوں کے ساتھ اظہار مطالب میں عاجز ہو تو اس کو بیشک ان پابندیوں سے آزاد ہی رہنا چاہیے۔ لیکن جو قادر الکلام قافیہ اور ردیف کا التزام اس طرح کر سکتے ہیں کہ بیان میں آمد بے ساختگی اور فطری پن باقی رہتا ہے ان کا کلام بحرین جاتا ہے۔ اس نکتے کو سمجھنا ہو تو میر انیس کا کلام غور سے پڑھیے انیس کو قافیہ اور ردیف کی پابندی میں ذرا بھی وقت نہیں ہوتی وہ نہایت مشکل قافیہ اور ردیفیں اس حسن اور اس آسانی سے نظم کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کے مشکل ہونے کا خیال بھی نہیں ہوتا۔

انیس کے کلام کی چند خصوصیتیں جو نہایت محقق طور پر علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں ظاہر ہو کہ یہ الگ الگ نہیں پائی جاتیں بلکہ ان کا کلام ان تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے اور ان سب کے اجتماع سے کلام میں جو حسن اور اثر پیدا ہوتا ہے اس سے صرف دل لطف اندوز ہو سکتا ہے زبان اس کے بیان کا ذریعہ ہے۔ آخر میں اس حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کلام انیس کے جو محاسن اوپر بیان کیے گئے ہیں ان میں انیس کا صرف اعلیٰ درجے کا کلام پیش نظر دکھایا گیا ہے کسی شاعر کے بارے میں یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اس کے ابتدائی کلام میں بھی وہ سب خوبیاں موجود ہوں جو بعد کو اس کا طرہ امتیاز قرار پائیں۔ یہ توقع بھی بجا ہوگی کہ کسی ماہر صنّاع کے تمام مصنوعات یکساں طور پر اس کے کمال صنعت کے آئینہ دار ہوں۔ اس سے لغزشیں بھی ہوں گی، فردوسِ اشتیاق بھی ہوں گی، مگر اس کے شاہکاروں میں ان کی حیثیت وہی ہوگی جو چاند میں داغوں کی ہے۔



## مرثیہ (۱)

مقام تارین و سدا اقبال و نور تھا جو خدا جوں کا تو تھا

بچہ افادش میدان تہوڑ تھا  
نار دوزخ سے ابھڑ کی طرح تھا  
ڈھونڈ بولی راہ خدا کام بھی کیا نیک ہوا  
واہ رے طالع بیدار نہ ہو سوت و باد  
پیشوائی کو گئے آپ شرعش پناہ  
موتوں دور ہے جو وہ قریب آیا ہو  
نار سے نور کی جانب اسے لائی تقدیر  
شان شہر نے خوش ہو کے بھل کی تقصیر  
ادج و اقبال و شرم فوج خدا میں پایا  
اللہ اللہ جو صفہ و غازی کا نصیب  
ہجر میں لطیف ملاقات کا دوری میں قریب  
صدے ہوئے اسے عشق ولی کہتے ہیں  
آیا کس شان سے کہے کی طرف چھوڑ کے دیر  
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر  
ذکر خیر اسکے بھی ہو جاتے ہیں  
ایک دو لاکھ سواڑوں میں بہادر تھا  
گھم تاج سر عرش ہو وہ در تھا  
پاک طینت تھی تو اب بھی کیا نیک ہوا  
خیر کیا فضل خدا ہو گریا اللہ اللہ  
(۱) خضر قسمت نے بتا دی اسے فردوس کی راہ  
بخت ایسے ہوں اگر ہو نصیب آیا ہو  
ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا نور شہید میر  
(۲) بکھیرے ذرا نوپے شبیر ملا وقت اخیر  
جب ہوا خاک تو گھر خاک شفا میں پایا  
بان محبوب آہی جسے فرمائے حبیب  
وہی کام آتے میں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب  
(۳) اس کو دنیا میں سعید اذلی کہتے ہیں  
کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر  
(۴) فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجام بخیر  
عل نیک برائت میں کام آتے ہیں  
(۵)

لے سوار شہسوار نے فلسفہ انلاق میں حد سے بڑھی ہوئی شجاعت کو تہوڑ کہتے ہیں جو ایک بری صفت ہو لیکن  
عام طور پر تہوڑ سے انتہائی بہادری مراد لیتے ہیں۔ کہ بے نظیر جن کا کوئی دوسرا نہ تھا۔ بلکہ رسول خدا کے  
ایک جلیل القدر صحابی سے آواز لے تعجب کا کلمہ ہے کہ ایسا بادشاہ جس کے پاس عرش پناہ لے۔ مراد امام حسین  
ہے کہ بلا کی مٹی جس سے یہاں شفا پاتے ہیں۔ لے 'محبوب آہی' سے مراد حضرت محمد اور ان کی جان سے  
مراد امام حسین۔

کفر کی راہ سے کاٹ دیا تھا جو وہ نیک طریق کس بشارت سے ہوا رہبرایاں کا رفیق  
تھے تو لاکھوں کس کو کہنی ہوئی یہ ترفیق (۶) خلقِ طینت میں ہو چکی ہوئی ہیں خلیق  
انج دیندار کو بے دین کو سد اپتی ہے اصل جس تیغ کی اچھی ہو دہی کتنی ہے  
کیوں نہ بالیکہ ہوا اس کا چمن جاہ و جلال جس کو شہرِ بزرگے خود اسدا شہر کا لال  
ہو گیا فاطمہ کے باغ میں آتے ہی نہال (۷) وہ شہر پائے کہ پہنچے نہ جہاں دستِ خیال  
کھل گیا غنچہ دل عذرو منظور ہوئے صورتِ برگِ خزانِ یدہ گنہ دور ہوئے  
مُر کہاں اور کہاں احمد مرسل کا خلف بخت نے دیر سے پہنچا دیا کعبے کی طرف  
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے یہ شرف (۸) جب کہ آنکھیں ہوئیں حق میں تو ملاؤ نہ خوف  
نیکج امر نہیں پر دہی ٹھن جاتے ہیں جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں  
وصفِ حرم میں ہر زباں معترفِ عجز و نقصور آمد آمد کا بہادر کی سنو اب مذکور  
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہِ مقہور (۹) تہر افلاک امامت نے کیا ارکان میں نظور  
غل ہو جنگ کو اشرکے پیائے نکلے لے نکلے دیکھ زمین پر بھی تائے نکلے

لے کو اہمیت کرنے والا لے ایمان کا راستہ بنانے والے۔ مراد امام حسینؑ تھے تلوار کے چھلکے اور بھک کو  
سیدھی ہو جانے کی صفت کو تلوار کا کٹنا کہتے ہیں۔ لے پھیکا ہوا۔  
لے سبز اور لال میں ایہامِ تشناہ ہے۔ باغ اور نہال، پہنچے اور دست میں ایہامِ تناسب ہے۔  
لے جس طرح زمانہِ نبوت جھاڑ کے موسم میں درختوں کے زرو پتے ہوا کے زرا سے بھونکے میں چھڑ پڑتے ہیں  
اسی طرح امام حسینؑ کی ادنیٰ توجہ سے سر کے گناہ دور ہو گئے۔  
لے رسول خدا حضرت محمدؐ کے فرزند یعنی امام حسینؑ تھے سفید آب دار پتھر درخت میں پایا جاتا ہے۔ اس  
کے رنگ کی انگوٹھی پہننا فلاح اور برکت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔  
لے امامت کے آسمانوں کا انتخاب۔ علیل القدر امام۔ یعنی امام حسینؑ  
لے جنگ کا میدان۔

کیا کہوں شان جو اتان جنوں اشر  
 کوئی ہم طلعت خورشید کوئی غیرت ماہ  
 باندھی خیروں نے صف جنگ میان جنگاہ<sup>(۱۰)</sup>  
 چمن خلعت سے گئے لگیں حوریں بھی نگاہ  
 داں لعینوں نے دظلم و ستم کھول دیا  
 بڑھ کے عباس نے یاں بزر علم کھول یا  
 ہو گئے ہر شجاعت سے رخ آل نبی  
 آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی  
 دن میں کرم کا ہوا<sup>(۱۱)</sup> بجنے لگے باجے عربی  
 یکے تاروں نے کیا خور منسب رز طلسی  
 اک گھٹا بھانگی ڈھالوں کیہ کاروں کی  
 برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی  
 برہیاں توں کے ہر غول سے خونخوار بڑھے  
 تیر جوڑے ہوئے چلوں میں کماندار بڑھے<sup>(۱۲)</sup>  
 اسحق کے گھولنے کا یہ دستور نہیں  
 یسین کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام  
 تم پر کرتا ہے حسین آخری حجت کو تمام  
 سخن حق کی طرف کانوں کو مضرب کرو  
 یہ صدا سننے ہی خود رک گیا ترزا کا خردش  
 ہو گئے جوڑے ہاتھوں کو جلاجل خاموش<sup>(۱۳)</sup>  
 کیا بجاتے، اک بجاتے کسی شخص کے ہوش  
 پھیرنا ان کو سرد دلوں کا بھی ناساز ہوا  
 عرب فرزند علی شہر مہ آواز ہوا

لے خدا کی فوجیں، اشر کے لشکر جنود جمع ہے جُند کی سکہ وہ اشعار یا کلمات جو میدان جنگ میں سپاہیوں  
 کو جوش دلانے کے لیے بلند آواز سے کہے جاتے ہیں۔ کو کا کہنے والے کو کواکیت کہتے ہیں سکہ تنہا دوڑنے والا  
 ایکلا سکہ کوٹنے والا۔ ایسا شہسوار جس کے رابر کوئی گھوڑا نہ دوڑا سکے سکہ جنگ کے لیے اپنا مقابل طلب کرنا۔  
 پرانے زمانے میں ایک ایک سپاہی میدان جنگ میں نکل کر مخالف فوج کے سپاہیوں کو مقابلے کے لیے آواز دیتا تھا۔  
 ”ھے“ ”توئی اور غول“ میں تجھیں لاحق ہے۔ سکہ ہوتا ہوا قرآن۔ ایسا شخص جس کا کلام آیات قرآنی کے  
 مطابق ہو۔ مراد حضرت علیؑ سکہ ایک نوجوانی بلحاظ سہ سے چھوٹک کہ جاتے ہیں۔ بڑی ترنی ھے ھے بھانگیوں  
 بھول کر جمع۔ سکہ گیت۔ فوج گیت۔ سکہ سہ کھانڈ سے گھلا سکہ مقام۔ آواز منہ سے نکلتی۔

کم ہوا غلغلہ فوج ستم جب اک بار یوں گہر بار ہوئے شہ کے لب گوہر بار  
 صف کشی کس پہ ہے یہ اب پہ ناہنغار (۱۵) قتل سادات کی لشکریں کیسی ہے پیکار  
 وطن آوازیں پہ یہ فرق ہو کیوں پانی کا کیا رٹنے میں ہی طور ہے بہانی کا  
 مجھ کو ملنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو تیر جھٹے میں جو مجھ پر تو خطا کرتے ہو  
 کیوں نبی زاد پہ عزت میں جفا کرتے ہو (۱۶) دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم برا کرتے ہو  
 شمع ایساں ہوں اگر سر اکٹ جائے گا یہ مرقع ابھی اک دم میں اٹ جائے گا  
 میں ہوں سوار شباب چمن حسد میں میں ہوں خالق کی قسم دوش مجھ کا کیس  
 میں ہوں انگشت پیغمبر خاتم کا بھیس (۱۷) مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے نہیں  
 ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے محفل عالم اسکاں میں اندھیرا ہو جائے  
 تملزم غر و شرف کا دوشوار ہوں میں سب جہاں زیر نگین ہے وہ جہاندار ہوں میں  
 آج کو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں (۱۸) درخت احمد محنت کا مختار ہوں میں  
 بھلا دولت ایساں اسی دبا میں ہے سب بزرگوں کا تبرکری سرکار میں ہے  
 یہ قباکس کی ہے تبار و یہ کس کی دستار یہ زندہ کس کی ہے پہننے ہوں جو میں سینہ نگار  
 بر میں کس کا ہے یہ چار آئینہ جو ہزار (۱۹) کس کا ہوا ہے یہ کج میں جس پر ہوں سوار  
 کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے کس جری کی یہ کہاں ہے یہ سپر کس کی ہے  
 تنگ آئے گا تو رکنے کا نہیں پھر شبیر (۲۰) ایک حلقے میں فنا ہوں گے یہ دولاکھ شریر  
 چل کیس گئے تیر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر کاٹ جائیگی گلے سب کے یہ بُرائی شمیر  
 شیر ہوں مختار غالب ہر غالب ہوں میں جگر بند علی ابن ابی طالب ہوں

علیہ سید کی جمع۔ سوار: رسول کی اولاد۔ مختار: باہم جوئی کے معنی میں متعل ہے گمریاں یہ لفظ  
 شباب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں جوان۔ اس فقرے میں اشارہ ہے رسول کے اس قول کی طرف اَلْحَسَنُ وَ اَلْحُسَيْنُ  
 مَعَنَا اِنْ جَاءَ الْحَرْبُ میں حنا حسین و حنا و حنت کے مراد ہیں۔ مختار: منتخب، ذی اختیار، نامیاب،  
 فائدہ کارندہ۔ تلوار: تلوار جس کے محل کا اگلا حصہ دھات کا ہوتا ہے۔

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخشش امت کا خیال  
تھام سکتا تھا لجام فرس برق مثال (۲۱)  
گفتگو میں سپراس کی جونہ ہم ہو جاتے  
غیظ سے ہونٹھ چلتے تھے علی کے دلدار  
اگلی ٹپٹی تھی جگر بند حسن کی تلوار (۲۲)  
چلتی تلوار تو جنگل تہ دبالا ہوتا  
تھا یہ بھرا ہوا عباس مرا شیر جواں  
میں یہ کرنا تھا اشارہ کہ نہ اسے بھائی جان (۲۳)  
کچھ تردد نہیں سرتن سے اتار اچائے  
گرچہ یہ امر نہیں اہل سخا کے شایاں  
پوچھ لو حرقے موجود عیاں راہر سیاں (۲۴)  
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی  
زیت ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر  
میں نے عباس دلا دوسے کہا گھبرا کر  
کرم ساقی کو تر کو دکھا دو بھائی  
رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب (۲۵)  
سقتے شکنیزوں کے منہ کھول کے آہو پچے شاب  
چین آیا نہ مجھ بے نہیں آرام دیئے  
روک لیتا مجھ رستے میں یہ تھی حرکی محال  
پوچھ لو دیکھا ہے اس نے مرے شیریں کلبال  
باتھ اک دار میں پہنچوں سے قلم جو جائے  
تیجے تولتے تھے عون و محنت ہر بار  
میں نے بب سر کی قسم دی تو رکے وہ چراہ (۲۶)  
پھر نہ موقوف میں ہوتا نہ رسالہ ہوتا  
سینہ حر پہ رکھے دیتا تھا نازے کی سناں  
رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امام دو جہاں (۲۷)  
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے  
کہ کسی شخص کو کچھ دے کرے سب عیاں  
اسی جگہ میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں (۲۸)  
منہ کے باہر نکل آئی تھیں بائیں سب کی  
مجھ سے دیکھا نہ کیا میں تو سخی کا ہوں پسہ  
مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کھر  
جتنا پانی ہے وہ پیا سوں کو پلا دو بھائی  
چھاگل میں جلد رنگا و مراد دل ہے بے تاب (۲۹)  
متوجہ ہوا میں خود کردہ تھا کار و ثواب  
تھا جو اک جام کا پیا سا اُسے دو جام دیئے

سینہ کے دین

۱۔ میاں سے خود بنو نکلی ٹپٹی تھی ۲۔ کوثر کا پانی پلانے والا۔ ۳۔ حضرت علی جو لوگ نیک اعمال کی بدولت بہشت میں جائیں گے۔ ۴۔ ان کو حضرت علی کوثر کا انتہائی خوشگوار پانی پلائیں گے۔ ۵۔ کوثر بہشت کا ایک چشمہ ہے۔ ۶۔ چھوٹی مشکیں۔



تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا  
 قنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا (۲۷)  
 بھائیو! جو پانی کی طلب گاری ہے  
 آب شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں  
 شکر کرنے لگی تر ہو کے ہر اک خشک نے باں (۲۸)  
 شور تھا ابن یر اللہ نے جان بخشی کی  
 لیکن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ  
 چشم امید ہو کیا سب نے پھرائی ہے نگاہ (۲۹)  
 ہر مسلمان پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے  
 کئی معصوم ہیں کم سن کر مے جاتے ہیں (۳۰)  
 پانی پانی جو وہ کہتے ہیں تو شراتے ہیں  
 سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے  
 شر کی مظلومی یہ گریاں ہوئی ظالم کی پناہ  
 بولا وہ اشد بآشد بجا کہتے ہیں شاہ (۳۱)  
 ان کے احسان کا کیونکر کوئی شکر ہو جائے  
 ایک میں کیا ہوں زمانے پہ احساں ان کا  
 خشک تر ہوئے گرم خلق میں یکساں ان کا (۳۲)  
 جتنی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا  
 جو ادھر ہو گا خدا اس کی طرف ہوئے گا

ٹھنڈے پانی پہ گہرے پڑتے تھے حر کے رفقا  
 سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا (۲۷)  
 چشمہ فیض حسین ابن علی جاری ہے  
 فرس دا شتر و قاطر ز رہے تشنہ دہاں  
 پانی پی پانی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں (۲۸)  
 دین و دنیا کے شہنشاہ نے جان بخشی کی  
 کہ اسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ  
 کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ (۲۹)  
 بچے روتے ہیں تو سینہ براشتی ہوتا ہے  
 دم اکھڑتا ہو مرا جب اکھیں کھلتی ہیں (۳۰)  
 پیاس دریا ہے پاک بوند نہیں پاتے ہیں  
 تیرا دل ہے کفایتوں میں بسر ہوتی ہے  
 عمر سعد نے کی مر کے رخ حشر پہ نگاہ  
 محسن و منعم و اقل ہے مرا یہ ذی حباہ (۳۱)  
 سخن حق میں جو شک لگے وہ کافر ہو جائے  
 ابر رحمت میں خطا پوش ہے داماں ان کا  
 اے خوشحال جو غربت میں ہو وہاں ان کا (۳۲)  
 جو ادھر ہو گا خدا اس کی طرف ہوئے گا

سہ خچر۔ سہ یہاں پانی پانی کے لفظوں سے کلام میں بڑا حس پیدا ہو گیا ہے اس لیے کہ  
 پانی پانی ہونا اسے معنی میں شہدانا۔  
 سہ خدا کی عواہی دیتا ہوں۔ ایک قسم ہے۔

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گھسہ دیتے ہیں (۳۳) ہیں سخی ابن سخی بات پہ سہ دیتے ہیں  
 پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھڑکتے ہیں یاں تو زردیتے ہیں فردوس میں گھڑتے ہیں  
 اس مجرم کی گنہگار کی امید ہیں یہ ذرہ پرور جنہیں کہتے ہیں وہ غور بند ہیں یہ  
 یہ ابھی اچھا کر جو عافسہ مائیں جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں  
 حق نے جس شے کے طلبکار ہوں تو یائیں (۳۴) جام کوثر ہیں فردوس سے جو ریں لائیں  
 مثل غور شدہ روشن وہ شرف ان کا ہے یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ ہی حق جن کا ہے  
 جو سے گھرا کے یہ بولا غم سعد شہریر یہ تو ہے صاف طرفداری شر کی تقصیر  
 اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر (۳۵) اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدح شبیر  
 سن چکا ہوں میں کہ مضطر ہوئی راتوں سے الفت شاہ چلتی ہے تری باتوں سے  
 وہ آنکھیں نہ وہ جوتوں نہ وہ تیور نہ مزاج سید می باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج  
 تخت بچھا ہے محمد کے نواسے نے کساج (۳۶) جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہی قلاج  
 کون سا باغ تھے شاہ نے دکھلایا ہے کہیں کوثر کے تو جھینٹوں میں نہیں آیا ہے  
 کیا کسی سحر کا دکھلا دیا حضرت نے جمال مل گیا سایہ طوبے کہ جو ایسا ہے جمال  
 نصیر یا قوت میں پہنچا جو ترانگ ہلال (۳۷) کون سے سیوہ شیریں پہ چٹکتی ہے رال  
 دفتر حق تک کو بھی فراموش کیا کیا تھے بادۂ تسنیم نے بے ہوش کیا  
 میں جہاں دیدہ ہوں سب مجھ کو خبر ہو تیری قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیرا  
 جو ٹھہر بھی خاک میں اور چشم بھی تر ہے تیری (۳۸) جسم خالی ہے ادھر جان ادھر ہے تیری  
 راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے تو نے فرزند یر اللہ سے سازش کی ہے

لے انھوں نے خدا کی راہ میں ایسے ایسے کار نمایاں انجام دیئے ہیں کہ ان کا صلہ گویا خدا کے

ذمے واجب الادا ہے۔ یہ بہشت کا ایک چشمہ۔

یہ آنکھوں کی ٹھنڈک۔ نور نظر فرزند۔

خیر غنی نہ رہے گا یہ قصود اور فتور  
حاکم شام ہے جا بروہ سزا دے گا فرد  
سب تری قوم کے سرتن سے جدا ہوئیں گے  
نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر  
شہر قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر  
الفت زلف سے بھی تیج میں تو آئیگا  
جو پیشانی سرور کا جو ہے سر میں خیال  
سب میں ہو جائے گا انگشت ناشکل ہلال  
عشق رخسار میں رتبہ تراگھٹ جائے گا  
خوف کس بات کا پیرا بول سے یہ تھراناکیا  
نگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیا  
ابھی لے جائیں جو شبیر کا سراپہ تھے  
حر پکارا کہ زباں بند کروانا ہموار  
ابن ذہرا ہے جگر بند رسول مختار  
اک زمانہ صفت آل عبا کرتا ہے

(۳۹) لکھیں گے عہدہ اخبار پہ جو ہیں مامور  
گر تجھے داد پہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور  
زن و فرزند گرفتار بلا ہوئیں گے  
انکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا ادھر  
(۴۰) سر چڑھے گا ترا بر بھی پہ یہ اس کا ہے شر  
خال رُخ دیکھا تو گھر خالی سے لگ جائیگا  
تو اسی ماہ میں نقصاں ترا ہوئے گا کمال  
(۴۱) تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مال  
منہ پہ ہوتا ہوں کہ چہرہ ابھی کٹ جائے گا  
لب پہ ہر مرتبہ نیکیں کی تالا لانا کیا  
ہو بنی یا کہ وصلی جنگ میں شرمانا کیا  
(۴۲) خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زہر ہاتھ لگے  
قابل صحن ہے تو اور وہ تیسرا سردار  
میرا کیا منہ جو کردن مدح امام ابرار  
آپ تر آں میں خدا ان کی شاکر تار ہے

لے آگئی آٹھ کپڑی مردم، اور آنکھیں، میں ایہام تناسب ہے۔ یہ ضبط ہو کر سرکاری ملکیت  
میں آجائے گا مجازاً براہ ہو جائے گا۔ خالصہ سرکاری جائیداد عوامی تلفظاً خالصا۔ یہ دفتر سے  
نام خارج ہو جائے گا۔ فوج کے دفتر میں ہر سپاہی کا چہرہ یعنی علیہ لکھ لیا جاتا تھا۔ یہ قائم  
مقام۔ نائب۔ دھول کا نائب۔ یہ جب آیہ تطہیر نازل ہوئی تو رسول نے حضرت علی و فاطمہ ص و  
حسین کو اپنی عبا کے اندر لے لیا اور کہا کہ خداوند امی میرے اہل بیت ہیں۔ تو ان کو پاک کرا دینا  
پر رحمت نازل کر۔ آل عبا سے یہ چاروں حضرت مراد ہیں۔

دھف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے  
 کسی انسان نے یہ دنیا میں رہتے پائے (۴۴)  
 الفت آلی میں مرے تو خوش اقبالی ہو  
 اسفلوں سے ہے محبت تجھے او سفلی مزاج  
 جس کو کا ندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج (۴۵)  
 کیوں ترے سامنے کروں کہ نہیں بخشا ہو  
 ہاں مجھے شاہ نے فردوس بریں بخشا ہو  
 باغ جو مجھ کو دکھایا اسے کیا جانے تو  
 مجھ کو اللہ نے بخشی ہیں وہ حوریں خوشنود (۴۶)  
 نام کو تر کا نہ لے تو مجھے جوش آسا ہے  
 عزت دیں شرف کون و مکاں ہیں شبیرؐ  
 سنگ پانی ہو وہ اعجاز بیاں ہیں شبیرؐ (۴۷)  
 جہراں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہوئے  
 کیا میں اور کیا وہ ریاست مری کیا سرعیاں  
 وال کی ہلاک و ذراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال (۴۸)  
 گھر کا ابھیان نہ بچوں کا الم ہے مجھ کو  
 خانہ بربادی سادات کا غم ہے مجھ کو

لے، آئے، لفظ، آئے کی اردو جمع ہے۔ قرآن کی آیتیں اس مصرعے میں اسی شکل کا ایک اور  
 لفظ آیا ہے۔ ان دونوں لفظوں میں تجنیں نام ہے۔

سٹہ یہاں آئی سے آل رسول مراد ہیں۔

سٹہ جی کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ وہ (بچپن میں) رسول خدا حضرت محمدؐ کے کا ندھے پر سوار ہوا  
 کیلے۔

لکھ یہ لفظ انیس بالعموم استعمال نہیں کرتے۔ یہ قافیہ کی باندی سے استعمال کرنا پڑا ہے۔

دولت حاکم دوں پر ہے ترادار و مدار  
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار (۴۹)  
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا  
ہے سرفراز سد عاشق پیشانی شاہ  
عشق پہ لکھوں کا ہے مردم کے لیے فورنگاہ (۵۰)  
عاشق لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے  
خال رخسار نہیں گوے سعادت ہے یہ  
ہوں جو آشفقہ، گیسو تو عبادت ہے یہ (۵۱)  
شب معراج رسول دو جہاں سمجھا ہوں  
وصف و نداں میں زباں جس کی رہے گوہر بار  
شوق میں سبب ذوق کے جسے آئے ز قرار (۵۲)  
دمدم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں  
صدقے اس سینے پہ ہیں عاشق صافی سینا  
حق نام ہے دو جہاں میں ہے بھی آئینا (۵۳)  
فیض پاتا ہے وہ دل حبسین لاہوتی ہے  
پاؤں یہ وہ ہیں کو ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے  
عز و فطین مبارک جو اثر اپنا دکھائے (۵۴)  
صدقے کر دیں گے سران پاؤں یہ ہم ایسے ہیں  
دوش احمد یہ رہے جو، یہ قدم ایسے ہیں

۱۔ اس بند میں لفظ دار و مدار آیا ہے، کبھی مستقل لفظ کی حیثیت سے کبھی کسی لفظ کے جوڑ کی حیثیت سے  
یہ ایک طرح کی صنعت ہے۔ ۲۔ درخت۔ ۳۔ شعر جس طرح شعور کے دو مصرعے برابر کے ہوتے ہیں  
اسی طرح دونوں بھوں برابر کی ہوتی ہیں اس لیے بھوں کو شعر یا بیت سے تشبیہ دیتے ہیں۔  
۴۔ یوسف اور چاہ میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

عمل خیر سے پہکانہ مجھے ادا البیس  
 کیا مجھے دیکھا ترا حاکم ملعون و خیس  
 (۵۵) یہی کوئین کا مالک ہے یہی لاش و رئیس  
 کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ نکھیں پرچہ نویس  
 ہاں سوئے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہوں  
 کہہ کے یہ داب سے غازی نے نکالی تلوار  
 تن کے دیکھا طرف فوج امام ابراہیم (۵۶)  
 غل ہوا سید والا کا ٹولی جاتا ہے  
 حرنے لغو کیا یا حیدر صفہ مدد دے  
 زونج زہرا مدد دے نفس پیغمبر مدد دے (۵۷)  
 تن تنہا ہے غلام اور بہت ظلم میں  
 لگئی راہ خدا واہ رے اقبال ترا  
 جرم ماضی ہوئے سب عقد خوشحال ترا (۵۸)  
 مرد ہے جس کی یہ بہت یہ ارادہ ہوئے  
 منتظر میں تھے سب فوج حسینی کے جواں  
 راہ نکستی ہیں تری دیر سے حومان جواں  
 فوج قدسی تری بہت کی شاکر کرتی ہے

لے کر سردار۔ لے کر نویس واقعہ نگار جو ہر جگہ کی خبریں پوچھ کر دارالسلطنت کو بھیجتے رہتے تھے۔ سہ تلوار  
 لگانے کی بیٹی۔ لے کر بہادر بیاہی۔ شہ نیکوکار۔ فرض شناس، مقدس، پاک۔ یہ عربی لفظ بار آور بر کی جمع ہے۔ بارود  
 میں واحد کی حیثیت سے بھی مستعمل ہے۔ لے کر دوست۔ مددگار۔ محافظ۔ لے کر حضرت علی کا ایک نام۔ لے کر صفوں  
 کو بھانٹنے یا بچرنے والا۔ بڑا بہادر بیاہی، فن جنگ کا ماہر۔ لے کر غیر کا قلم دینے کے قریب واقع تھا۔ اس کا محافظ  
 موجب سلام کا تحفہ دینا اور بڑا نامی پہلانا تھا۔ جب رسول نے خبر پر حملہ کیا تو کسی کو موجب مقابلہ کرنے کی جرات  
 نہ ہوئی۔ آخر حضرت علی نے اس کو قتل کیا اور قلعہ کا بھاری پھیل لیا جس کو بہت لوگ مل کر کھولتے اور بند کرتے تھے کیلئے  
 اکھاڑ لیا۔ لے کر شوہر، لے کر بیگم کی جان و روح، مراد حضرت علی۔ لے کر ایک شاہ زادہ جس نے حضرت علی کی غلامی اختیار  
 کر لی تھی لے کر غلامی، ہم میں یہ چار لفظ ایک ہی آواز سے شروع ہوتے ہیں۔ التزام ایک صفت ہے۔ لے کر بہت کد اور غم۔

تو بہشتی ہے یہ کافر میں کشتی اے حشر  
 دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حشر  
 غضب اللہ کا شبیر کی ناراضی ہے  
 اور بالیدہ جو اس کے یہ مرزدہ وہ ہنر ہے  
 اب تو اس فوج میں اکلم کی بھی توفیق ہو جبر  
 ہاں اٹھا باگ جو شیلے شہ عالمی ہے  
 سن کے یہ باگ جولی اسب سبک تانازا  
 کیا اڑا رخش کہ طائوس بعد نازا  
 باغ دھرائیں نسیم سحری جاتی ہے  
 کیا وہ تین رسالوں نے تعاقب برحید  
 کہتے تھے شرم سے وہ یکے جو دوئے تھے کند  
 کیا سبک سوئے چمن باد بہاری ہو چنی  
 یاں مجھے علم امامت سے شہ دیں آگاہ  
 میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حرّ ذی جاہ  
 جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آساہ

(۶۰) کس تلام میں بھی ہے تری کشتی اے حشر  
 چن چن تجھ سے ہیں راضی تو خدا ماضی ہے  
 دل بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر  
 قہر و وزخ ہے مسلمان کے لیے صحبتِ گمشدہ  
 فوجِ اشد و بنی میں تری جا خالی ہے  
 ڈر سے رنگِ عمر شعبہ بردار اڑا  
 دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا  
 غل تھا اور بارِ سیلانی میں بری جاتی ہے  
 جو کلام تھا آنا تو کیسا نہ ملی تگر دسمند  
 یہ چھلا د ا تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ برند  
 ہم نہیں رہ گئے واں حر کی سوا دی بچی  
 ہنس کے عباس سے فرمایا کہ ابے غیرت ماہ  
 سب کھدو کہ نہ رو کے کوئی اس شخص کی راہ  
 میرا مہاں مرا عاشق مرے پاس آساہ

لے کشت کا فزون کا عبادت خانہ دیر۔ مندر۔ گر جا لے پانچ بزرگ یعنی حضرات محمد، علی، فاطمہ، ہشمتی، حسین۔  
 لے خوشی سے پھولا ہوا۔ لے شیر۔ لے تاخیر۔ لے گہرائی۔ لے آتش پرست۔ کافر۔  
 شہ عمدہ قسم کا تیرنفا گھوڑا۔ شہ رستم کے گھوڑے کا نام۔ لے کہتے ہیں کہ پریاں حضرت  
 سیلان کی اُمت میں ہیں۔ یعنی ان کو اپنا بیغیر ناجی ہیں اور ان کی پیروی کرتی ہیں۔ سیلان اور  
 پری کا ساتھ ذکر کر کے ان کے اس تعلق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ لے اچھی نسل کا گھوڑا، ایک خاص  
 رنگ کا گھوڑا۔ لے ایک ہوائی مخلوق جس کو کسی جگہ قرار نہیں ہوتا اور دم بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ  
 جاتا ہے۔ لے وہ علم جو انہوں کے لیے مخصوص ہے۔

ذکر یہ تھا کہ صدادور سے آئی اک بار  
مجرم ایسا ہوں کہ عصیان کا نہیں جس کے شمار (۶۵)  
پادریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے  
کئی روزوں سے ظالم میں ہوں اے شاہنشاہ  
دست و پاگم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سو جھٹی راہ (۶۶)  
ابر رحمت کی طرف جا یہ صدادیتے ہیں  
یرے دامن کے نثار اے مرے آفتانے غلیل  
دل غنک ہوئے جوئے حنکے کوئی کوثر کی سبیل (۶۷)  
نذیروں میں یہ بہت نہ بہنشاہ میں ہے  
خلق میں آپ کے والد کا کرم ہے مشہور  
نچھ سے ہیں باگ پکڑ لینے یہ آزدہ حضور (۶۸)  
یہ تو کوئی کہوں میں لائق تعزیر نہیں  
اے مدوکار و معین الفعفا اور تکی  
پاؤں فروش میں ہیں اے دست خلاور کنی (۶۹)  
دیجیے حیر کو سند ناز سے آزادی کی  
آئیے جلد غصہ لیجیے فریادی کی

۱۔ غیاث کے معنی مدد۔ الغیاث کی صدادینا مدد کی درخواست کرنا ہے۔

۲۔ اسود۔ ایک اسلامی مجاہد جس نے مال غنیمت میں سے ایک زرہ چرائی تھی۔ حضرت علی نے قانونِ اسلام کے مطابق اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ مگر وہ ہاتھ کٹنے کی حالت میں حضرت علی کی تعریف کرتا رہا۔ اس کا فیصلہ خدا کو پسند آیا اور رسول نے خدا کے حکم سے اس کا گناہ معاف کر دیا اور ہاتھ جوڑ دیا۔

۳۔ ضعیفوں کے مددگار۔

۴۔ سیری خبر لیجیے۔ عربی فقرہ ہے۔



میرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بڑی  
 آپ ہیں مالک سسر کا رجناب احدی (۴۰)  
 اے خداوند جہاں خد بیکی خد بیدی  
 آپ کا ہاتھ زلنے میں ہے اللہ کا ہاتھ  
 ایک یہ خستہ تن اور دیے جان لاکھ حریف  
 چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے خیف (۴۱)  
 کیجیے اب نظر لطف کو ہوتا ہوں خفیف  
 نام قبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے  
 استغاثہ یہ کیا مسر نے جو بادیدہ نم  
 خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلانے شہنشاہ ام (۴۲)  
 شکر کو سبط رسول انقلین آتے ہیں  
 رونے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل بیئر  
 شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باوقیر (۴۳)  
 میں رضا مند ہوں کس واسطے مضطرب ہو تو  
 کس کے کیونٹا ندھا ہو ہاتھوں کو میں جتا ہوں جیل  
 بھائی آجھ سے بفلگیر تو ہو کھول کر دل (۴۴)  
 جرم سب محو کیے حق نے ترے دفتر سے  
 موبکارا بانی آنت و اقی یا شاہ  
 مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یراہ (۴۵)  
 ہر فردے پہ جو ہو نیرتا باں ہو جائے  
 آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیمان ہو جائے

لے میرا ہاتھ بچو۔ میری مدد کر۔ عربی فقرہ ہے۔ لے گناہ بخشنے والا۔ لے رحم کرنے والا۔  
 لے توبہ قبول کرنے والا۔ لے میرے راں باپ آپ پر فدا ہوں۔ عربی جملہ ہے۔  
 لے گنہگار۔

کون مقداد تھے سلمان، ابوذر تھے کون  
 آپ فرمائیں کہ عمار دلاور تھے کون  
 شور عالم میں جو پہلاک اشتہر تھے کون (۷۹)  
 اے خداوند جہاں حضرت قبر تھے کون  
 انھیں قدموں کا تصدق تھا کہ متاثر ہوئے  
 اسی سرکار کے خلوت سے سرفراز ہوئے  
 شہ نے فرمایا کہ خانی کی حیثیت یہ سب  
 دے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب  
 اس سبب کی عنایت کے بارے میں سبب (۸۰)  
 وہی نعم وہی محن وہی رازق وہی رب  
 اپنے کیسے سے نہ دام اور نہ نرم تھے ہیں  
 لاکھ لاکھ اس کے ہیں فیض کے وہ ایسا موجود  
 رزق وہ حوصلہ حرص سے دیتا ہے زیلا (۸۱)  
 وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اس کا  
 جس قدر اس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ  
 ہاتھ پھیلائے جو سوار تو موجود ہے وہ  
 بردوش جرم یہ بھی صبح و سار ہوتی ہے  
 کہہ کے یہ ساتھ لیے خر کو چلے شاہ اُمم  
 راس و چپ قاسم و اکبر تھے نہ تھے شان و شم (۸۲)  
 دور سے اہل خطا تیر جو برسلے تھے  
 رفقا سائے میں ڈھالوں کے لیے آئے تھے  
 سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرت عباس علم  
 رفقائے میں ڈھالوں کے لیے آئے تھے

لے مقداد، سلمان، ابوذر، عمار، مالک اشتہر، یہ سب رسول کے جلیل القدر صحابی تھے۔  
 لے وہ بڑا دینے والا ہے۔ لاکھ طریقوں سے دیتا ہے۔

سہ سخی

لے بندے، عبد کی جمع۔

لے بڑا دینے والا۔ بڑا سخی۔

لے جس کی حمد کی جائے۔

لاٹے اس عزت و حرمت سے جو وہاں کو امام  
 شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام  
 (۸۱) عرض کی حرم نے کمر خلد میں کھولے گا غلام  
 آج اس عزم پہ خدام نے کمر بند کیا ہے

بے بہت شہر و عرصے مجھے لٹنے کی آہنگ  
 (۸۲) شکر شام سے بہیم چلے آتے ہیں عہد ننگ  
 کہیں ایسا نہ ہو جو کچھ کوئی بے جان ہو جائے  
 شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت سیری

داد ریخا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری  
 (۸۳) آج رتبہ تر اخیل شہدا میں ہوگا  
 تجھ پہ مخفی نہیں ہفتم سے جو کچھ ہے احوال  
 (۸۴) تھک پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال

سب کو ایذا عوف آب و غذا ملتی ہے  
 (۸۵) حوٹے رو کر سر تسلیم جھکا یا بہ ادب  
 جب پڑھا گھوٹے پہ وہ عاشق سلطان عرب  
 دم بہم یاں سے جو آواز بکا جلا جاتی ہے

بولے عباس مگر کھول اب اے نیک انجام  
 (۸۶) ایک ہی واد میں دونوں کو کروں گا چونگ  
 شاہزادوں کی سپرہوں کو عبادت کے یہ جنگ  
 پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربانی ہو جائے

مجھ کو مکر بھی نہ بھولے گی محبت سیری  
 (۸۷) خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری  
 شب کی تو صحبت محبوب خدا میں ہوگا  
 (۸۸) راہیں ہر سمت لٹی روکے ہوئے ہیں اہل ضلال

نان جو کا بھی ہے ملنا کسی قریے میں محال  
 (۸۹) دودھ اصغر کو نہ عابد کو دوا ملتی ہے  
 شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب  
 (۹۰) شاہ بولے کہ عجیب است چھا لے غضب

گریہ آل محمد کی صدا آتی ہے

ملہ مدد کی روح کو تاب پہنچانے کے لیے سورہ فاتحہ اکثر پڑھا جاتا ہے۔ کسی شخص یا چیز کا دیار یا  
 فاتحہ پڑھنا کے مجازی معنی ہیں اس سے ہاتھ اٹھانا، مایوس ہونا، اس کی آس چھوڑ دینا۔ اس  
 کی توقع نہ رکھنا۔ یہاں زیر نظر فقرے کے معنی میں زندگی سے ہاتھ دھو کے۔  
 سہ گم راہی۔

سہ مجبوری اور بے بسی کی انتہا یہ ہے کہ تندہ است اور سن مار لوگوں کو کھانا پانی نہ ملنے کا  
 کیا ذکر، چھ مہینے کے بچے کے لیے دودھ اور بیمار بیٹے کے لیے دو ایک میسر نہیں۔

حریف کا فوج مخالف پہ اٹا کر تو سن  
 وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی جھون (۸۶)  
 دوسرے دوش پہ شلے گئے جو بول نکالتے تھے  
 زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شالوں سے  
 برچھیل اڑتا تھا لب دہکے فرس پاؤں سے (۸۷)  
 خود روئی کی جو منو تارہ فلک جاتی تھی  
 نیزہ حرکی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ  
 قبضہ قبیح پہ رکھے تھی سر عجز پناہ (۸۸)  
 قدر اندازوں کو جانوں کے ادھر لائے تھے  
 تیر تر کش میں نہ تھے آگ کے پر لائے تھے  
 مطلع دم

نہ بڑھوں اور نہ نکلوں

دن میں جب کی طرف سے حریف دار آیا  
 غل بوا سید مظلوم کا غنچہ آرا آیا  
 شوقِ دوسرا راہ نظر آتا رہی  
 کس بشت سے اٹا ہوا رہا ہوا آرا  
 جاں نثار خلف حیدر کرا آرا  
 جلوہ قدرت اللہ نظر آتا رہی

لے بدن۔ اوپر کا دھڑ۔ ایک طرح کی گڑھی سے لوہے کے دستانے جو سپاہی جنگ کرتے  
 وقت ہاتھوں کی حفاظت کے لیے پہن لیتے تھے گھبرھیوں اڑنا اور برچھوں اڑنا دونوں کے  
 معنی ہیں بہت اونچی جست کرنا یہ محارہ ان دونوں صورتوں سے آتا ہے۔ چند مثالیں پیش  
 کی جاتی ہیں۔

اڑاڑ کے برچھوں جو اترتا تھا کھیت میں  
 اڑاڑ کے برچھوں وہ تگدار روانہ تھا  
 شہدیکوٹوں میں دلاوہ نے جو دا با  
 آگئی آفت اگر اس شوخ کی خزاں ہلی  
 گھوڑے کے چاروں پاؤں دگتے تھے دیت میں (رائیں)  
 نیزے کا کس اس کے لیے تازیانہ تھا (مولتی)  
 پھر اڑ گیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دور کا با (رائیں)  
 پر لگے برچھوں سندنا ز دسبر اڑ گیا (برق)  
 شہ نیزے یا برچھی کا بھیل۔ پورا نیزہ بھی مراد لیتے ہیں۔ شہ پردہ۔

آنے جانے کا بہادر کے کردوں کیا مذکور  
اے خوشا رہتہ فیض و تدم پاک حضور (۹۰)  
صحت اہل دلا دل کو جلا کرتی ہے  
واہ کیا فیض ہے سہ کارشہ عالم میں  
تور یہ جو میں دیکھا نہ بنی آدم میں (۹۱)  
تق ہے خوشنور گل رنگ ترکہ دنا زہر  
ہر ذرہ ہے جہاں چہرہ روشن ایسا  
حوزہ بوازوے داؤد کا جو شش ایسا (۹۲)  
گلشن دہر میں لوباد بہاری آئی  
حربکارا کہ بجا کہتے ہو بے شک لاریب  
دولت دیں سے نہ دامن مرا خالی جو نہ جیب (۹۳)  
فیض پاک بے شمشیر زنی آیا ہوں  
مجھ کو خورشید کیا نور خدا کی صفوں نے  
نہت پائے ہیں سکند کے غلام فونے  
دور دور آج سے میرا ہے زمانہ میرا (۹۴)  
بھلے کچھ اور بھی جلوہ تھا پر اب اور ظہور  
غل تھا آتا ہے ملک پہنچے غل غلوت نور  
میں کو اک آن میں اکیر طلا کرتی ہے  
ذرہ خاک کو خورشید کیا اک دم میں  
یہ وہی سترجری ہے جو ابھی تھا ہم میں  
خاک غلین مبارک کی عجب غارہ ہے  
چاند بھی جس سے کرے کسب ضیا تن ایسا  
ہوش پروں کے اڑے جانے ہیں توں ایسا  
قاف میں غل ہے سلیمان کی سواری آئی  
دامن حضرت بشیر نے ڈھانچے موعیب  
بارک اللہ کی دیتا ہے مدد افاق جیب (۹۵)  
یاں سے محتاج گیا ہاں سے غنی آیا ہوں  
دور بخشا قمر قاطعہ کے پر تو نے  
گنج وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خزانے (۹۶)  
کبھی خالی نہیں بھونے کا خود نہ میرا

۱۔ محبت۔ دوستی۔ ۲۔ نور اور جو میں تجھیں لاحق ہے۔ ۳۔ حضرت داؤد بشیر کو خدا نے یہ معجزہ عطا کیا تھا کہ ان کے ہاتھ میں لولہ بالکل نرم ہو جاتا تھا اسی لیے انھوں نے ذرہ سازی کو اپنا پیشہ قرار دیا تھا۔ اس مصرعے میں انھیں باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ۴۔ ایک طرح کی وزہ۔ ۵۔ مشکل سے قابو میں آنے والا شوخ اور جی دار گھوڑا۔ ۶۔ قاف لاکیشیاں ایک پہاڑ ہے۔ لاکیشیا کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں غالباً اسی بنا پر کہ قاف پر لاکمشیں کھجا جاتا ہے اور پران حضرت سلیمان کی امت میں ہیں اس طرح قاف اور سلیمان میں ایک نسبت ہے۔ ۷۔ خسرو پزیر ایران ایک بادشاہ جن کے پاس آٹھ خزانے ایسے تھے کہ ان کا جواب روئے زمین پر نہ تھا۔

رُخ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے  
 نور وہ ہے جسے دیکھیں نظر رغبت سے <sup>(۹۵)</sup>  
 مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو <sup>(۹۶)</sup>  
 جانِ سلطان رسالت کو غنیمت جاناو  
 قربرِ کبرجِ امامت کو غنیمت جاناو <sup>(۹۷)</sup>  
 ساتھ اس کے برکتِ خلق سے اٹھ جائیگی  
 ایک تید کو مٹا دینے میں ہے کون سا نام  
 مگر ہو دانا تو کہو بدھ کہ ہے نیک یہ کام <sup>(۹۸)</sup>  
 شکر احسانِ جنابِ احدی کرتے ہیں  
 یہ سخن سن کے بکارا پسر سعد شہریر  
 لیے عربوں کو بڑھا فوج کا ابنوہ کثیر <sup>(۹۹)</sup>  
 مگر کا منہ سُرخ ہوا فوجِ ستم زد ہوئی  
 دھڑ دھڑا گیا نعرہ جو سنے صنیعہ کے  
 تہ و بالا جو میں شکر کی صفیں جم جم کے <sup>(۱۰۰)</sup>  
 نوبت جنگ نہ آئی مٹی کدل ٹوٹ گئے  
 ل کے آیا ہوں منہ اپنا قدم حضرت سے  
 دلے وہ لوگ جو محروم ہیں اس دولت سے <sup>(۱۰۱)</sup>  
 ہے غضبِ نکمیں تو کھولے ہو گر سوتے ہو  
 پسر شاہِ ولایت کو غنیمت جاناو  
 نورِ سابق کی زیارت کو غنیمت جاناو  
 پھر جو ڈھونڈو گے یہ دولت تہذیبِ انارکلی  
 اس ہوا پر ہو کہ کچھ جائے چراغِ اسام  
 خوش ناک ہے وہ تسبیح نہ ہو جس میں امام <sup>(۱۰۲)</sup>  
 پیشوا سے کہیں پیر و بھی بدی کرتے ہیں  
 ہاں طرفدارِ شدہ دیں یہ چلیں نیزہ و تیر <sup>(۱۰۳)</sup>  
 فاختہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر  
 شعلہ شمع سے بجلی کی چمک گرد ہوئی  
 استخوانِ کانب گئے زیرِ زمیں رستم کے  
 برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چلے گئے <sup>(۱۰۴)</sup>  
 بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نثار چھوٹ گئے

۱۔ سب سے بڑا رسول۔ مراد حضرت محمدؐ۔ ۲۔ سب سے بڑا ولی، مراد حضرت علیؑ۔  
 ۳۔ امامت کے برج کا چاند۔ ذی مرتبہ امام۔ امام حسینؑ سے یہ غلط منصوبہ باندھے ہوئے ہو۔  
 ۴۔ تسبیح کے سرے کا لمبا دانہ۔ ۵۔ قرآن کا پہلا سورہ جس کو سورہ حمد کہتے ہیں۔ اس کا پڑھنا  
 برکت اور کامیابی کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔

۶۔ وہ فرشتہ جس کی آواز بادل کی گرج ہے۔ ۷۔ جھنڈیاں۔

چھڑ کر باگ فرس کو جو ذرا اگرایا  
شیر سا فوج مخالف پہ بھٹ کر آیا<sup>(۱۰۰)</sup>  
اس کا قاتل تھا جو دشمن شہر عالی کا تھا  
حشر ہوا تھا کہ تیغ حسردی جاہ چلی  
کس کرشمے سے وہ یلی ظفر راہ چلی<sup>(۱۰۱)</sup>  
زخم سینوں کے گریباں کی طرح بھٹتے تھے  
کس صغیر صافی مگر منہ کی صفائی نہ گئی  
لاٹ بھانٹا اور وہ ٹکاوٹ وہ رکھائی نہ گئی  
شور تھا برق پائے جلوہ گری نکلی ہے  
جس طرف دیدہ جو ہر سے نظر کرتی ہے  
چشم ہر چند کہ پستی کو بے سر کرتی ہے<sup>(۱۰۲)</sup>  
اس کے افوں سے جو ساحر ہو تو جل جلاہو  
بھونکے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پر کاٹا  
بر بھیاں چلی گئیں اس پر جسے دیکھا تھا  
اس کے پانی میں کین مار سیہ گھولتے<sup>(۱۰۳)</sup>

غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کھلایا  
رو نہ ڈالا اُسے دم میں جسے سرکش پایا  
لاٹ ہر نفس میں شمشیر لالی کا تھا  
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی  
کہ تھکی گاہ بڑھی گاہ رومی گاہ چلی<sup>(۱۰۴)</sup>  
حال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کھٹے تھے  
کچ ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی  
سیکڑوں خون کیے اور کہیں آئی نہ گئی<sup>(۱۰۵)</sup>  
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے  
پل نہ گزرے کہ صغیر زیر و زبر کرتی ہے  
ہے وہ طرار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے<sup>(۱۰۶)</sup>  
سحر پریوں کا اسی طرح سے جل جانا ہو  
کاٹ جائے تو کبھی بہر نہ لے پھسے کالا  
آگیا دام میں جس شخص پر ڈومالا ڈالا<sup>(۱۰۷)</sup>  
باڑھ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

لے وہ گول گول سے نشان جو عمدہ قسم کے فولاد میں ہوتے ہیں اور صیقل کرنے سے ابھر آتے ہیں۔  
لے تیز۔ چالاک۔ ڈھیٹ۔ لے آنکھوں میں سامنا۔ موہ لینا۔ محبوب ہونا۔ ڈھائی کرنا۔  
لے چنگاری اگرا اصل میں یہ لفظ پرکالا ہے۔ لیکن چونکہ کالا، بھالا، ڈالا کے ساتھ قافیہ کیا گیا  
ہے اس لیے پرکالا، کھا گیا ہے۔ لے سانپ۔ صفت بولی کو موصوف مراد لیا ہے۔  
لے اصل سمادہ ڈور سے ڈالنا ہے۔ یہاں قافیہ کی ضرورت سے سمادہ سے میں ذرا سا تغیر کر دیا  
تھا ہے ڈور سے ڈالنا کے معنی ہیں اپنی طرف مائل کرنا۔ پرچانا۔ ڈھب پرلانا۔ بھاننا۔ ٹکاوٹ  
کرنا۔ لے گھلا ہوا ہے۔

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمین کاٹ گئی  
 دست و پا صدد و گردن و سر کاٹ گئی  
 چاٹ ایسی تھی لبو کی کہ صفیں چاٹ گئی (۱۰۵)  
 دیکھی تیغوں کی جدھر بارگاہی کھائے گئی  
 جس پہ جاتی تھی نہ بے جان لیے پھرتی تھی  
 ایک بکلی تھی مگر لاکھ جگہ گھومتی تھی  
 گل نہ پھلے جو بر بھی پہ لگا پھل اس کا  
 زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اس کا  
 ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اس کا (۱۰۶)  
 شور تھا دیکھے کیونکہ یہ بلا ملتی ہو  
 جو بڑھا جنگ کو قصہ ہوا فیصل اس کا  
 شور تھا دیکھے کیونکہ یہ بلا ملتی ہو  
 جنگ میں تیغ کا دعویٰ تھا کہ کیتا میںوں  
 چرخ کھتا تھا کہ یارب تہ و بالا میں ہوں  
 کس میں ہو یہ جو ٹپے رفلک میری ہے  
 نہ تھی رنگ سے وہ اور نہ رگی آہن سے  
 نہ اٹھی اسکی کوئی ضرب کسی جوشن سے  
 جوش مولنا کا دکھا کہ وہ خوش اسلوب تھی  
 کثرت جو ہر ذاتی سے وہ گوجال میں تھی  
 تھی چمک جانے میں بکلی توہری چال میں تھی  
 کہیں دم لینے کی ہمت تھی نہ بل کیلئے  
 مید کوئے کبھی صورت شہباز آئی  
 غل ہوا شہر شاہیں کے تلے قاز آئی  
 گوجہ تھیں میں یہ تھی اسے پرچھوڑ دیا  
 لاکھ تڑپا پر نہ بے جان لیے باز آئی  
 اڑ گیا طائر جاں اور نہ آواز آئی (۱۰۷)  
 تھا زبں صیڈ زبوں کاٹ کے بھڑپڑا  
 بر تڑپ صورت ماسی دہی ہر حال میں تھی  
 تھی مٹھ میں کبھی سر میں کھی ڈھال میں تھی (۱۰۸)  
 تھی جگر کے لیے بر بھی تو پھریں کیلئے  
 لاکھ تڑپا پر نہ بے جان لیے باز آئی  
 اڑ گیا طائر جاں اور نہ آواز آئی (۱۰۹)  
 تھا زبں صیڈ زبوں کاٹ کے بھڑپڑا

لے سیلاب زیادتی۔ لے ایک عل کا نام ہے جس میں دشمن کی ہلاکت کی نیت سے کوئی دغا دیا  
 شرائط کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ لے خود، جنگ میں سر کی حفاظت کے لیے فولادی ٹوپی۔  
 لے لافز خکار۔



آب نے آتش سوزاں کا اثر دکھلایا  
 بارہ نے ہادہ صحرائے سقر دکھلایا  
 تیغ بہتی تھی درخت کی مفتاح ہوں میں  
 خم وہ پایا تھا کہ شرماے ہلال بہ عید  
 بوش ایسی تھی کہ کٹ گئی سب فوج یزید  
 نہ بجا تا نفس خلق میں جینے کے لیے  
 کئی حملے کیے سیم جو کمانداروں پر  
 چنگیاں سب تھیں دھری رہ گئیں سوناؤں پر  
 جل کے خون ہوا یوں خاک کہ خوشترہ ملا  
 نیزہ فوج سمگارتھے دیکھے بھالے  
 گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے  
 جب اردوں کے پسے جنگ تل جاتے تھے  
 الف گوز کو کو دیتی تھی ہر ضرب میں داں  
 کہیں بڑھی کی اتنی تھی تو کہیں تیر کی بھال  
 ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی

تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا  
 گھاٹ نے آئینہ فتح و ظفر دکھلایا  
 قول قبضے کا یہ تھا قاضی راج ہوں  
 حر کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنت کی کلید  
 جانہ کفر کے پرزے تھے زہرے قلعہ دیرید  
 چاک زخموں کے نقطہ رہ گئے سینے کیلئے  
 چل گئے تیر ملامت کے خطا کاروں پر  
 پنج پھر اٹھا کہ گوی برق سم کاروں پر  
 کشمکش میں کہیں پھینچے کو بھی گوشہ بلا  
 دم میں اس شیر نیناں نے قلم کو ڈالے  
 آفت مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے  
 بند سبناخن شمشیرے کھل جاتے تھے  
 تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال  
 کہیں تلوار کہیں خنجر براں کہیں ڈھال  
 دم بدم فوج تلگ بھی شنا کرتی تھی

لے ناگہانی موت۔ لے کبھی۔ فتح اور مفتاح میں صنعت اشتقاق ہے۔ لے ہوں قبض  
 کوئے دالا۔ ملک الموت۔ لے تیر کے پنجے کا سرا جس میں کان کا چلہ لگانے کے لیے ایک کھنڈانہ  
 بنا ہوتا ہے۔

شہ ہر وٹ اتنی کڑی پڑتی تھی کہ جو گوز موت الف کی طرح سیدھے تھے وہ موتِ داں کی طرح  
 ڈیرے ہو جاتے تھے۔  
 لے برہمی کی ٹوک۔ شہ تیر کی ٹوک۔

شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے  
ضرب میں فردوسیہ زور میں لاشانی ہے  
زور تھا تجھ میں ایسا دغا کی طاقت  
کہہ کے یہ فوج میں پھر تہہ جگر ڈوب گیا  
شکر شام کے بادل میں تر ڈوب گیا  
تھا کبھی شیر سا پھر ہوا شیریں دل میں  
گنہ چھپا اور کبھی نکلا وہ سر برج شرف  
کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف  
جتنے جرح تھے دم انکے محل جاتے تھے  
نخل پھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل  
کوند جاتی تھی سروں پر جودہ شمشیر اجل  
حشر پر پاتاھا سواروں پہ فرس لڑتے تھے  
بڑھ کے فرماتے تھے عباس زہے ہمت مجاہد  
کہتے تھے ابن حسین داہ حرا غازی داہ  
اپنی جان بازی کا غازی بوجھ پاتا تھا

جل بکھے کشتی تن خون میں طوفانی ہے  
کتا تھا حریہ فقط قوت ایمانی ہے  
سب ہو یہ سبط یمین کی عاکی طاقت  
در خطہ قلم آفت میں گھر ڈوب گیا  
کشمکش تھی کہ عرق میں گل تر ڈوب گیا  
کبھی نیروں کے فیتاں میں کبھی ترس میں  
کبھی اس صف میں آیا کبھی رودندی وہ صف  
کبھی نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہ نجف  
شیر بھی نام علی سن کے دل جاتے تھے  
سر کی جاتی تھی زمیں دن کی غضب تھی بلبل  
منہ کے بھل گزرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بھل  
دو پہ چار ایک دو پہ پچیس لڑتے تھے  
بارگئے اللہ کی دیتا تھا صداد گرشاہ  
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاء اللہ  
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

۱۔ گجرات - بھنور -

۲۔ خدا برکت دے - کلمہ تحفین ہے -

۳۔ امام حسین کا بیٹا یعنی حضرت علی اکبر

۴۔ امام حسن کا بیٹا - حضرت قاسم -

۵۔ نقلی معنی ہیں جو کچھ خدا نے چاہا - اردو میں داہ داہ - شاباش کے معنی دیتا ہے - اس  
کلمے سے بڑے چھوٹوں کی تعریف کرتے ہیں -

حیف بھکنے میں عینوں نے جو فرحت پائی  
 لاکھ خوریز اُدھر اور اُدھر تنہائی (۱۲۱)  
 آگیا موکے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی  
 سینہ غزال ہوا تیر چلے اعدا کے  
 علی اکبر نے یہ حضرت سے کہا چلا کے  
 خانہ زین سے عدم کا سفری گوتا ہو  
 شاہ و دے لگے یہ سنتے ہی جہاں کی خبر  
 علی اکبر سے کہا تم ابھی ٹھہرو لبسہ (۱۲۲)  
 کس کس سوخت گھول میں حق قتل تجھ پر ہو  
 عرض کی حضرت عباس نے جاتا ہو غلام  
 میری الفت میں ہو قتل حر نیک انجام  
 اُس پہ جب سخت گھڑی ہوئی تو کام آئیے  
 اس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مرد سے ہو دور  
 قہر خلد اس کو دکھائیں کہ ہوے عفو قصور (۱۲۳)  
 ایسا ذی رتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا  
 یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جناب شیر  
 دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر  
 چنچن ہستی جہاں کو ابرو تے دیکھا (۱۲۴)  
 سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی  
 باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برہی کھائی (۱۲۵)  
 فریق پر گزرا گا دوش پہ شیر لگی  
 رکھ دیا شیر نے قتلوس پہ سر نہوڑا کے  
 گز ہو ارشاد تو جہاں کو سبھا لوں جا کے (۱۲۶)  
 خاک گھوڑے سے اب جو جوی گوتا ہو  
 ہو گئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر  
 حُر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر (۱۲۷)  
 لاش جہاں کی اٹھاؤ گا کہ حق تجھ پر ہو  
 جوش رقت میں کہا شہ نے نہیں بھٹے گل خام  
 دوست کیسے جو بے وقت میں تم آئیں نہ کام (۱۲۸)  
 لاش کیا قبر میں جہاں کی تم جائیں گے  
 اس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور  
 سرخو جاتا ہو دنیا سے وہ خالق کے حضور (۱۲۹)  
 بے ر ہاں کامری گو دین م نکلے گا  
 داں گز خاک پہ گھوڑے سے حُر با تو قیر  
 پہنچے لاشے پہ ابام و د جہاں وقت اخیر (۱۳۰)  
 ایڑیاں خاک پہ چلی کو رخصت نہ کیا

نہ جان پور

نہ سانس کو سبب غمِ حیات میں اڑتے دیکھا

لے سر۔ ماتھا۔ لے گھوڑے کی کاٹھی کا اگلا حصہ جو قوسی شکل میں ابھرا ہوا ہوتا ہے۔  
 لے بھکا کے۔ سر بھکانے کے لیے انیس نہوڑانا اکثر لاتے ہیں۔ اب یہ لفظ متروک ہے۔  
 لگے زین کا درمیان حصہ جہاں سوار بیٹھتا ہے۔

گو کے لاشے کے برابر یہ بکارے سرور  
 گوز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ ٹھنی میری کمر (۱۲۷)  
 دوسرے ہجر میں کس دوست کو چین آیا ہو  
 دواہ لے حُرجوی میں تری ہمت کے خدا  
 ہے یہ بیکس ترا شرمندہ احساں بخدا (۱۲۸)  
 حق تعالیٰ تین خلد میں گھرے بھائی  
 حُر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہر نے کہا  
 دیکھ دیدار جگر بند جناب زہرا (۱۲۹)  
 دم رکاو ہو تو اٹھ لے سے وصیت کھلے  
 کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیر عسلا م  
 بھائی فرماتے ہیں شفقت سے شہ عرش مقام (۱۳۰)  
 شترنگ خلق میں یہ ذکر غم انگیز رہا  
 بیٹم و اجتنم سے حُر نے رخ مولا دیکھا  
 مسکرا کر طوف عالم بالا دیکھا (۱۳۱)  
 عرض کی حسن رخ حور نظر آتا ہو  
 باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار  
 شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں پتے ہر بار (۱۳۲)  
 ہو یہ روضاں کی صدا دھماں کہ ہر تر آئے

ہاں لے میرے مددگار دمعین ویا در  
 گچڑے گھوٹے سے اور آہ نہ کی مجھ کو خبر  
 کھول دے آنکھوں کی بھائی حسین آیا ہو  
 اس کو بکتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں دنا  
 بس ہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا (۱۳۳)  
 اس باضنت کا خدا تجھ کو ٹمے بھائی  
 آپ بیتاب ہیں لے حُرجوی ہوش میں آ  
 کوچ در پیش ہو یہ وقت نہیں غفلت کا (۱۳۴)  
 نزع میں نور آہی کی زیارت کھلے  
 دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں ام  
 لے خوشحال خدا سب کا کوے نیک انجام (۱۳۵)  
 تو تو بچپن کے غلاموں کی کچھ تیز رہا  
 زیر سر زانوے شبیر کا تکیا دیکھا  
 شہ نے فرمایا کہ اے حُرجوی کیا دیکھا (۱۳۶)  
 فرش سے عرش تک نور نظر آتا ہو  
 صاف نہریں ہیں رواں بھوم لے ہیں اشجار  
 حوریں لاتی ہیں جو اہر کے طبق بہرشار (۱۳۷)  
 دیکھ لے شاہ کے ہمان یہ گھوڑا آج

لے حبیب ابن مظاہر نے خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ امام حسینؑ کے ساتھ کھیلے ہوئے  
 بچپن کے دوست تھے۔  
 لے آدھ کھلی۔

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ  
 خلد سے شیر خدا نکلے ہیں اللہ اللہ (۱۳۳)  
 لو برآمد ہوئے خبر بھی پدر کے ہمراہ  
 دیکھے آگے نانا کی سواری آئی  
 ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی  
 قبلہ رو کھجے لاشہ مرا اسے قبلہ دیں  
 کوچ نزدیک ہو لے بادشہ عرش نشیں (۱۳۴)  
 بات بھی اب تو ذباں سے نہیں کی جاتی ہو  
 کچھ اڑھا دیجئے مولائے تیز آئی ہو  
 کہہ کے یہ گود میں شبیر کی لی انگڑائی  
 شہلے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی (۱۳۵)  
 طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف  
 آ یا ماتھے پر عرق چہرے پہ زردی چھائی  
 لاش اٹھا کر شہ دیں نیچے کے در پر آئے  
 غل ہو اخیملہ اقدس میں کہ سرور آئے (۱۳۶)  
 دختر فاطمہ سامان عزاکو نے لگی  
 پیچھے پر دے کے حرم کھولے تھے سر آئے  
 بس انیس اب یہ دعا مانگ کر لے بے عباد  
 روئے والے شہ والا کے رہن خلق میں شاد (۱۳۷)  
 عشرہ ماہ عزاکو کشتی میں گزرے  
 ان کے سائے میں برومند ہوا ان کی اولاد  
 سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں لے

لے قرآن کا ایک سورہ جس کے بڑھنے سے نزع کی تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ ملے نیند آنے کے وقت ایک  
 خاص طرح کا سرود حاصل ہوتا ہے۔ جو پر امام حسین کی نظر عنایت تھی اور وہ خدا کی ماہ میں شہید ہوا تھا  
 لہذا موت کی شدید تکلیف اس کے لیے نیند آنے کی لذت بن گئی۔ ملے فاطمہ کی بیٹی۔ حضرت زینب۔  
 ملے حضرت فاطمہ کی کینز خاص جو کو بلا میں امام حسین کے ساتھ تھیں۔

ملے محرم کے مہینے کے ابتدائی دس دن، چونکہ محرم میں امام حسین کا علم کیا جاتا ہے اس لیے  
 اس کو ماہ حوا کہتے ہیں۔

## مرثیہ (۲)

جاتی ہو کس شکوہ سے دن میں خدائی فوج  
صفت بہ آگے تیغھے ہو سب پیشوا کی فوج<sup>(۱)</sup>  
کمر میں دغا پہ باندھے ہو مشکل کشا کی فوج  
جنت کا رخ کیے ہے شہ کو بلا کی فوج  
نیچے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے  
اک سوٹھل ہے ہیں رفیقان ذی وقار  
پیدل گھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار<sup>(۲)</sup>  
شوق زیارت علم فوج شاہ ہے  
رخ ہے کسی کا جوش شجاعت سے لالہ رنگ  
بھک بھک کے چمت کرتا ہو کوئی فرس کا تنگ<sup>(۳)</sup>  
بھالا سنبھالتا ہو کوئی بھوم بھوم کے  
ننٹا ہو کوئی تیغ کے قبضے کو چوم کے

اے خدائی راہ میں جہاد کرنے والی فوج ملے سچی تصویر۔ زین پوش بچھا کر اس پر بیٹھا سواروں کا  
محول تھا۔ پرانی کتابوں میں اس کا ذکر آتا ہو مثلاً ”سایا ہی پیشہ بھلے آدمی“ چوتروں پر اپنے اپنے  
زین پھلے، حقے گلے بیٹھے ہیں۔“ (شیر علی افیس: آرائش محفل، مطبعہ کالی پرشاد، لکھنؤ ۱۳۵۷ھ)  
”یہ بھی دھوپ کا مارا ہوا تھا، گھوڑے کو ایک درخت کے باندھ کر زین پوش بچھا کر بیٹھا ہوا۔“  
(بیتال بکسی، رام کار پریس لکھنؤ، ۱۳۵۷ھ)

”ایک غری کے کنکے پر پہنچا۔ اتر کر اپنے ہاتھ سے زین پوش بچھا کر، گھوڑے کو ایک جھنڈے سے باندھ  
بیٹھ رہا۔“ (سنگھاس بتیس، رام کار پریس، لکھنؤ، ۱۳۵۷ھ، ص ۴۵)  
”شام کو سنبھنے گھوڑوں کے تنگ ڈھیلے کو دیے، دانہ چڑھا، زین پوش بچھا کر بیٹھ گئے۔“  
(تقصیر ہند معنیہ آراء۔ مفید عام پریس، لاہور ۱۳۵۷ھ، ص ۲۳)

ملے کمان کی ٹھوری۔

لٹتا ہے منہس کے ایک جاں ایک کے گلے  
 چہرے وہ سُرخ سُرخ وہ جوات وہ دلوں  
 مرکوبی لبیں لغت حیدر کی بو ہے  
 حاضر ہے ذوالبحار شہنشاہ بحر و بر  
 خادم چوریلے ہیں مگس راں ادھر ادھر  
 گھوٹے سبز سرخ رویشاں گلیا تھیں  
 ڈیوڑھی پہ خادماں محل کی ہے یہ پکار  
 خلعت پہن رہے ہیں علم دار نام دار  
 بھائی بڑا بوسر پہ کوسایا ہو باپ کا  
 یمن کے شاد ہو گئی فرج حسین سب  
 بسے حبیب ابن مظاہر کہ شکر دبا  
 سرف کے لے بہشت کی جس کو تلاش ہو  
 کون ادیک کائنات میں ہے دوسرا جو اں  
 بازے شاہ دیں جہد مرقعی کی جاں  
 باتیں پیروں کی خدا کے ولی میں تھیں

ساری خوشی یہ ہے کہ بس اب غلہ میں چلے  
 حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے  
 پانی ہمیں لے نہ لے آبرو ہے  
 کلفی ہو یا کہ خوشہ پر یلوں قریب سر  
 پیچھے ہیں بادیاں عزیران نامور  
 پیروں کے غول تخت کیا کیا تھیں  
 آتے ہیں اب حضور خبر دار ہو شیار  
 نذریں خوشی کی نیے کو حاضر ہوں جاں نثار  
 عہدہ جو ان بیٹے نے پلایا ہو باپ کا  
 آئے رفیق سب در دولت پہ باادب  
 ہاں سرفرو شو جگت جہل کا مرفہ ہوا ہے  
 دیکھیں علم کے سائے میں کس کی لاش ہو  
 قابل اسی کے دوش مبارک کے تھا نشان  
 پیروں کا سر پرست جو انوں کا قدرداں  
 سب اسمیں جمع ہیں صفیقہ علی تھیں

نہ خاوری در حضور آئے بعد ادب

لے سات تاروں کا ایک مجوہ جو قطب کے گرد گردش کرتا ہے۔

۱۔ حضرت سلیمان کا تخت جو ہوا میں اڑتا تھا۔

۲۔ اب سین فرج میں حضرت عباس سیکنے دیا وہ دیر اور فن جنگ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔

اس لیے جب ان کو لشکر کا علم دیا گیا یعنی وہ فرج کے علم دار بنا دیے گئے تو بہادر سپاہیوں کے لیے ان کی سرکردگی میں جنگ کرنے کا خیال نہایت دل خوش کن تھا۔

الفت وہی حیا وہی ہمدرد و وفا وہی  
 بخشش وہی کرم وہی بود و سخا وہی <sup>(۹)</sup>  
 محبتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے  
 بے مثل سب ہیں قبلہ عالم کے رشتہ دار  
 جیسے نبی کی فوج میں تھے شیر کو دگار <sup>(۱۰)</sup>  
 سب فوج سے ٹھہرا ہوا تیرہ اسی کا تھا  
 باہر تو اشتیاق علم میں ہے سب سپاہ  
 سب خوش و آفرین اسلحہ قریب شاہ <sup>(۱۱)</sup>  
 رتبہ کو اوج نعل ترقی مراد پر  
 شیر خدا کا خود مبارک ہے ذی ب سر  
 اٹھا ہے یا کہ ابر سے نکلا ہوا مسر <sup>(۱۲)</sup>  
 دوسے بوج بوج کنج ہیں چشم بیاہ میں  
 اس کی غوشی جو تھی کہ ملارایت رسول  
 قدس و بارغ حسن نہ پستی فزوں نہ طول <sup>(۱۳)</sup>  
 یہ شور تھا نلک جہاں کے رواں میں  
 طاعت وہی وقار وہی افتادہی  
 جرات وہی جلال وہی دبدبا وہی  
 خود تھا علی کا قول کہ عباس شیر ہے  
 لیکن خدا نے اس کو دیا ہے عجب وقار  
 دیا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جانثار  
 شیر خدا کے بعد یہ حصہ اسی کا تھا  
 نیچے میں باندھتے ہیں کمر شاہ دین پناہ  
 ہیں سامنے علم لیے عباس عرش جاہ <sup>(۱۴)</sup>  
 گویا علی کھڑے ہیں ہمایا جہاد پر  
 کلغی ہمارے اوج سعادت کے جس میں پر  
 ابرو میں ذوالفتار ید اللہ نامود <sup>(۱۵)</sup>  
 پھرتی ہینچن بھری ہوئی تغین گاہ میں  
 رخسار تھے کھلے ہوئے دادرغواں کے بھول  
 وہ لب کہ جن سے رُوح کو ہوتا ناگِ حصول <sup>(۱۶)</sup>  
 حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

اے 'شور' اور 'نلک' میں صفت ایہام تناسب ہے۔  
 کلمہ مکان - بارہ دری۔



دیتے تھے تہنیت جو عز و شان پر جسگر  
 فرط طرب سے جان و سایہ تھا جلوہ گو  
 (۱۳) رخ کی ضیا اور حقی علم کی چمک اُدھر  
 غل تھا کہ ایک صبح میں دُعا کیلئے میں  
 منسوب مبارک لے شہ مرداں کے یادگار  
 (۱۵) مجھ کو سمجھیے عون و محمد کا جہاں نثار  
 مالک یہ شاہزادے میں بیسیں شیش سون  
 دو دنوں کے تم بزرگ ہو یہ کون سی ہربات  
 (۱۶) سمجھوں کہ بیکوں کو دوبارہ ملی حیات  
 تم سب شریک ہو کے پناہ حسین کو  
 چیل بر جبین تھے زینب ناشاد کے پسر  
 (۱۷) آنکھوں میں ڈبڈبا رہے تھے آنسو جھلکے سر  
 جیسے پڑے ہوں قطرہ شبنم گلاب پر  
 سمجھیں علم نہ لےنے سے بے دل ہیں یہ قمر  
 (۱۸) آئے عقبے شہ کے سعادت فتاں پسر  
 قربان جاؤں کیا ہو جو پھرے واس میں

لے اس سے حضرت عباس کی خوش مزاجی شرافت اور خوشی ظاہر ہوتی ہو۔ بلند نگاہ اور عالی ظرف لوگوں کا خاصہ  
 ہو کہ جتنا ان کا رتبہ بڑھتا جاتا ہو اتنا ہی ان میں انکسار آتا جاتا ہو۔ لے وہ انکا اشارہ علم کی طرف اور یہ محض  
 عباس کی طرف ہو۔ لے کیوں ایک تائے کا نام ہو جو بہت بلندی پر ہو۔ رانوں آسمان کو ملتی کہتے ہیں۔ جانکے معنی  
 میرا بلینہ چوکھٹ کیوں جناب کے معنی ہوئے وہ جس کی چوکھٹ ساتویں آسمان یا کیوں تاس کے برابر اونچی  
 ہو جس کا مرتبہ بہت بلند ہو۔ لے ایک حضرت عباس کا نورانی چہرہ دوسرا چمکتا ہوا علم۔ شہ مردی یعنی بہادری  
 کے بادشاہ اور محض علی کے کارندہ پیش کا۔ خادم۔ لے دنیا جہاں کی ملک۔ مراد حضرت فاطمہ۔ لے کسی بدنگ کے  
 سامنے سے گزرتا ہے ادنیٰ ہی۔ اس لیے عون و محمد امام حسین کی پشت کی طرف سے گئے۔

ہتھیار سچ چلے ہیں شہنشاہ حق شناس  
 مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں اس (۱۹)  
 کچھ ملے ہیں آؤں میں کپڑے اتار دوں  
 شیعہ تو صبح تک یہ عاتقی پھر ایک پل  
 اب کیا ہوا یہ کون سا غصہ کما ہے محل  
 وہ خوش مزاجیاں وہ باتوں کے طور ہیں  
 ماں پر یہ آفتیں ہیں یہ ماموں پر ظلم و جود  
 نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور (۲۱)  
 وہ دل نہیں ہٹا کھ نہیں وہ نظر نہیں  
 اس کا نہیں خیال کہ کیونکر جسے گی ماں  
 تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جان (۲۲)  
 جس پر یہ برہنہ ہو رہی ہو وہ صبر جانتی ہوں میں  
 پروردہ ہو تو سناؤ الگ چل کے دل کا حال  
 ہاں آج ہم کو بھول گئے شاہ خوش خصال (۲۳)  
 کیا ورثہ دار حنفیہ طیار ہم نہ تھے  
 انگشت رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہاں  
 دیکھو سینے نہ زوجہ عباس بادشاہ (۲۴)  
 غنیمت اس میں چاہیے جو امر خیر ہو  
 تم نے نہ زیب جسم کیا فاخرہ لباس  
 دولٹھا سے بن کے جاؤ امام ام کے پاس  
 سرمہ لگا دوں گی سوٹیں سنو امداد  
 تیغوں میں پہلے ہم کو کوسے سرخ و ابل  
 آنکھوں میں اشک رخ پر عرق بردہ حق پل (۲۵)  
 اس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اود میں  
 پیار و ہمارے حال پہ لازم ہو تم کو غور  
 اب منولے ہیں اور تصور ہیں اور اور (۲۶)  
 اور دل کا ذکر کیا تمھیں میری خبر نہیں  
 ہوتا ہو آفتوں میں محبت کا امتحان  
 مجھ سے سوا ہے کون تمھارا مزاج داں (۲۷)  
 غصے کی آنکھ کا ہے کو بھانپتی ہوں میں  
 دونوں نے عرض کی کہ نہیں کچھ نہیں مال  
 اوروں کی پرورش ہو ہمارا نہیں خیال (۲۸)  
 اس عہدہ جلیل کے حقدار ہم نہ تھے  
 اب اس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا پوچھا  
 اچھا، یہ ہو خوشی کی جگہ یا گلے کی جبا (۲۹)  
 و آری وہ کون غیر ہو تم کون غیر ہو

۱۔ کسی قدر میل۔ ۲۔ دل پر شکن۔ ۳۔ ممانعت اور تنبیہ کا کلمہ۔

۴۔ برابری کی خواہش۔ رشک۔ یہاں حسد کے معنی میں آیا ہے۔

۵۔ میں تم پر صدمہ۔ انتہائی محبت کا کلمہ۔ عورتوں کی زبان سے مخصوص۔

اک دو پہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال  
 اس ن کی نے گئے ہیں خبر شیر ذوالجلال  
 پیدا ہوئی ہوں شکست ہانکے واسطے  
 لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم  
 کہتے تھے تم جو کہتے تھے عباس ذی حرم  
 صدے کی خلاف ادب کچھ سخن نہ ہو  
 کہنے میں ایکنے بھی اگر سن لیا یہ حال  
 نطفے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نوہال  
 دیکھے سزا میں بول ابرو پہ پھر ٹپس  
 زمین بلا میں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار  
 دے ایسے لال سب کو زمانے میں کو دگار  
 لازم خوشی ہو جو جسے عہد سپرد ہو  
 پہناک پیار سے انھیں پھر فخر و لباس  
 جب ان کو لے کے آئیں امام ام کے پاس  
 دو جانند ہیں یہ خانہ شیر اک میں  
 نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گلبدن  
 فوجوں سے گو بختا ہے یہ سب کو بلا کا بن  
 لشکر سے تیر کیں مڑی جانب جو آئیں گے  
 تاعصر تم نہ ہو گے نہ عباس خوش نصال  
 (۲۵) مجھ کو نہیں یقین کہ نیچے قاطعہ کا لال  
 رہ جاؤ گی میں قید میں جانے کی واسطے  
 اب کچھ کہو گے تمھارے تو ہو گا مجھے بھی غم  
 (۲۶) دو جا کے ان کو تہنیت عہدہ علم  
 میری خوشی یہ ہو کہ جس پر شک نہ ہو  
 کہتی ہوں صاف میں تجھے ہو گا بہت ملال  
 (۲۷) ہم بادنا غلام ہیں کیا تاب کیا مجال  
 کہیے تو چھوٹے امور کے تقدیر کو نہیں  
 دو دنوں ہو تم سعید و رشید دو فاشعار  
 (۲۸) ذی قدر و ذی شعور سخن فہم ذی وقار  
 چھوٹوں کے تم بزرگ بڑوں کو بخورد ہو  
 ہتھیار جب لگائے تو رتیں بد رو یاں  
 (۲۹) بولے گلے لگا کے انھیں شاہ حق شناس  
 زمین انھیں بھی بھجو گی کیا قتل گاہ میں  
 تلوار اگر چلی تو پرکے گا غضب کا رن  
 (۳۰) طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن  
 میں کس طرح جیونگا جو یہ زخم کھائیں گے

دودھ پلانے کا لال بولنا  
 زہر جلاتی ہے

لے ایشائی تمدن کی رو سے دودھ پلانے کا حق سب سے زیادہ ہے۔ اس لیے سب بڑی قسم جواں  
 اپنی اولاد کو دے سکتی ہے دودھ اپنے دودھ کی قسم ہے۔ لے اس مصرعے میں بندہ کی طرف اشارہ ہے۔  
 لے رن پڑنا جنگ ہونا۔

بنت علی نے عرض یہ کی ہاتھ جو ڈکرو  
 اک جان ہے بس ادب یہ دو پارہ جگر  
 بالابو حسن نے اسکا نہ کچھ حق ادا کرو  
 اس کا نہ کچھ دھیان کر یہ میں ہیں صغیر  
 ہمت میں بے عدیل میں جرات میں بے نظر  
 تلوار میں حکیم خون کے دریا چھٹے ہیں  
 حضرت کے آگے بات کی ان کو نہیں مجال  
 داد اکا رعب و دبدبہ و شوکت و جلال  
 کچھ نظر سنوں پہ تو بیشک صغیر ہیں  
 روتی تھی میں جو آج کی شب کو بہ درد و یاس  
 رو کر کما کینچ کو اتنا ہے کیوں ہراس  
 بچے میں شیر کے عھیں بچا تھکتی ہیں  
 حضرت کے ساتھ فضل خدا سے ہیں دلیر  
 تاکو ذکیا عجیب جو ہوں زنجیوں کے ڈھیر  
 کل شیر سب ہیں اودیہ پشت معصوم  
 بکا ہو دشمنوں کا شہ دیں کے بال اگر  
 حضرت تک آسکے کوئی کیا تاب کیا جگر  
 پوتے شجاع کے ہیں فولے دلیر کے  
 لاکھوں میں سچ ان نہیں اس آن بان کے  
 حملے کریں گے دن میں جو سینوں کو تان کے  
 سو سو کی جان لے کے ہر آن کھوے گا  
 رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہ بحر و بر  
 مایہ مرا یہی سی دولت یہی ہے زر  
 ان کو بھاؤں گے تو کیسے بھرنے دو  
 دونوں نے بنت شیر خدا کا پیاسے شیر  
 سینہ سپر کریں گے یہ جس دم چلیں گے تیر  
 اسید ہر کر سب یہ آگے بڑھے رہیں  
 خفی حضور پر ہوا رادوں کا ان کے حال  
 تیغ دہر میں ہو شہ مرداں کی چال ڈھال  
 ہمت میں فوجاں میں تانت میں ہر ہر  
 دونوں لاسا دینے کو آئیے میرے پاس  
 آسان کچھ ہے قل تہنشاہ حق شناس  
 کیا آپ مومن جان کو تنہا تھکتی ہیں  
 تھکے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جن کے شیر  
 کو دیں گے رستموں کو زبردستیوں سے زیر  
 سن لیجے گا آپ کو میدان صاف ہو  
 پھر کاٹ ڈالیے گانتوں سے ہمارے سر  
 آنکھیں نکال لیں جو کمرے غلط سے نظر  
 ساعد میں علی کے یہ بچے ہیں شیر کے  
 حافظ میں سب یہ آپ کے بھائی کی جان کے  
 مل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے  
 ہم سب کے بعد ہو گا جو قسمت میں ہو گا

خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے دلوں لے  
 ہم بھی ہیں بنت فاطمہ کے شیر سے پلے  
 ہرکاکے پنجوں کو بوکھلیں گے جان پر  
 دیکھو ان کے اس طرح بے فصاحت کیا بیاں  
 گویا دوبارہ آگئی میرے بدن میں جہاں  
 دشمن ہر آج جوئے بھائی کی پرچ کھے  
 ہر بار دیکھتی ہوں میں ان کی طرف بغور  
 کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور  
 سکتے پڑے حسین علیہ السلام کا  
 فوس برس کے ہیں ابھی دونوں کا کیا ہوس  
 یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب مسن  
 گھوڑے اڑا اڑا کر جو فوج جانی گئے  
 فرمایا شہ نے ان کی شجاعت میں فرق کیا  
 اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک دل ربا  
 تم کس طرح جو گے جو دونوں سے پاس ہو

دکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے  
 مرتے ہیں شوق میں کہیں تلوار تو چلے  
 لاشے زمین پہ ہونگے ہوا آسمان پہ  
 مجھ کو یقین فتح ہوا یا مشر زمان  
 خوش ہو کے بولی میں کہ تصدق ہو تم پہ ماں  
 اس صف کے میں نثار خدا کو سچ کھے  
 دہشتیں دن سے ادر میں کھتیوں کے طول  
 تب حسین ہوئے جو یزید نعیں کا دور  
 خطبہ ہو مجھوں پہ شہ دیں گے نام کا  
 راتیں یہ غفلتوں کی ہیں یہ کھیلنے کے دن  
 لیکن کثیر ان کی طرف سے ہے مطلق  
 آزمائش جاتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے  
 ہیں ورثہ دار شیر آلہبی یہ بادشا  
 زمین تھکے پاس رہے ایک ملقا  
 گھر لئے وقت ایک تو فرزند پاس

لے تلوار سے جو خون اڑے گا وہ آسمان تک یعنی بہت بلندی تک پہنچے گا۔  
 لے خون و دھڑلے جس خوش بھرات خلوص اور ذوق کے ساتھ گفتگو کی تھی اس کا اظہار اس سے بہتر  
 پیرائے میں نامکن ہے۔

سے ناز جمع کے خطبے میں بادشاہ اسلام کا نام داخل کر دیا جاتا تھا اس لیے کسی کے نام کا خطبہ ہونا اس  
 کا بادشاہ اسلام ہونا تسلیم کیا جاتا تھا۔  
 لے حضرت زینب ام حنین سے گفتگو کرتی میں خود کو انکسار سے کمیز کہتی ہیں۔

زینب نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آندو  
 بچ جائے جان آپ کی یا شاہ نیک خو<sup>(۳۳)</sup>  
 بہتر ہو دونوں بیٹوں کی گرسوگوار ہو  
 طفلی سے آج تک نہ مٹے یہ کبھی جدا  
 چرچا ہوسارے کنبے میں دونوں کے پیار کا<sup>(۳۴)</sup>  
 تپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے  
 دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں  
 دونوں جب ایک جٹا ہوں تو کھانا یہ کھاتے ہیں  
 بھائی جو زخم نیرہ دشمن کھائے گا  
 چھوٹا تک مزاج ہے یا شاہ بکروبر  
 فوس برس جہاں میں ہوے جس طرح بسر  
 ہر چاہے کے اچھے میں چھوٹے کا ہاتھ ہو  
 باپ ان کا آج ہوتا جو یا شاہ نام دار  
 ایک انکے بدلے آپ کے قدموں پہ ہونوار<sup>(۳۵)</sup>  
 ان پر ہمارا حق ہو تو ہم برحق آپ کی  
 کون تھے مجھ سے وقت سفر و کسے یہ بیان  
 بچوں کا ساتھ اور سفر خوف الا مالک  
 وقت آپڑے تو پاس ہمارا نہ کھجیو  
 دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے دو بزد  
 میں طالب ثواب یہ خواہاں آبرو  
 میں بھی بجانب طہ کی ورثہ دار ہوں  
 کھیلے تو ایک گھر میں پہلے یہ تو ایک جسا  
 بیشک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا<sup>(۳۶)</sup>  
 وہ کس طرح جیے گا جدا ہو کے بھائی سے  
 رٹتے ہیں اس طرح کہ مجھے کبھی رلاتے ہیں  
 کتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں<sup>(۳۷)</sup>  
 انصاف آپ کیجیے یہ مرز جائے گا  
 سن لے تو جان دیدے گلا اپنا کاٹ کو  
 باہم یونہیں جہاں سے کوئی آخری سفر<sup>(۳۸)</sup>  
 میں جا رہی ہوں تو کچھ مرنا بھی ساتھ ہو  
 کوتا قدم پہ سر کو تصدق بافتخار  
 میرے عوض فدا کرے لیک اپنی جان زاد<sup>(۳۹)</sup>  
 یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق لینے باپ کا  
 محروم اس شرف سے ہوں میں زار و نا قوال  
 مجبور دشمنوں میں چلے ہیں شہ زماں<sup>(۴۰)</sup>  
 بیٹوں کو تم حسین سے پیانا نہ کھجیو

لے میری ماں فاطمہ کے دو بیٹوں نے انتقال کیا۔ میں بھی ان کی وارث ہوں اس لیے مجھ کو بھی دو  
 بیٹوں کی موت کا غم اٹھانا چاہیے۔

لے پناہ۔ خدا کی پناہ۔ اس کلمے سے دل خوف کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

تم کو جہاں میں پھرنے ملیں گے یہ لالہ قلام  
(۵۰) چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام  
بدیہ فقیر کا ہے اسے رو نہ کیجئے

قاسم نے کی یہ عرض کہ یا شاہ دیں سناہ  
(۵۱) فرمایا آپ نے کہ نگہ بان ہے اگر  
جب ہم بڑھے تو سو پیسے سب کا جائینگے

کھولا سردوں پہ حضرت عباس نے علم  
(۵۱) ہاتھوں کو جوڑ دجلہ تھک چوم لے قدم  
دیکھیں فاضل شہزاد کے لال کی

اپنے غلام سمجھو انھیں تم یہ میں نہ شاہ  
(۵۲) ان کی مدد ضرور ہو سنگام کارزار  
دھڑکا یہ ہو کہ دیکھے گی ہواڑا میں

کیا ہو جو ہنر دیکھ کے ہو جائیں بے حواس  
(۵۳) رہو نہ ددراں سے اگر ہو بہن کا پاس  
بھیا مجھے ہو دھیان نہ کروں مجھام کا

کہنے میں سرزد ہواں گونوں میں بھر کے آئیں  
(۵۴) خیمے میں آئیں ابی جہاں سے گور کے آئیں  
پانی پیا تو بوند نہ بخشو مٹی شیر کی

گودن بھکا کے کہنے لگے شاہ خاص و عام  
مستی ہے نسل جعفر طیار نیک نام  
لنران کے باب میں اب کہ نہ کیجئے

چپ رہ گئے ہیں سے بہت خوب کس کے شاہ  
بڑھ آئی ہو ادھر سے بہت شام کی سیاہ  
سکھوں سے فوج شام کے جی چھوٹا جائینگے

زینب کے نور عین بڑھے جب بعد حشرم  
مال کا اشارہ بھکا کہ نہ ہے شفقت و کرم  
کچھ حد ہو اس بزرگی و جاہ و جلال کی

لے کو بلائیں بھائی کی بولی وہ سوگند ار  
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گل عذار  
صدمے سے جان اپنی ہر اک جانی ہیں

یہ رباب دھر ہیں سب انھیں سولاہر کی پیاس  
پیشی پہ جب ہو شیر تو بجائے پھر ہر اس  
بچے کہاں یہ اور وہ دل فوج شام کا

دندوں میں دلیں جو یہ قتل سے مر کے آئیں  
ایٹیں بہادروں کی صفیں نام کر کے آئیں  
بھیا مجھے قسم ہے جناب امیر کی

نہ

نہ

نہ

لے ہمارے سلوں سے - لے ددراں و پاتس میں ایہام تناسب ہے - لے دودھ پلانے کا حق اتنا  
زیادہ ہوتا ہے کہ اس کی ادائی گمال ہے - اس لیے ماں اپنی اولاد کے مرتے وقت اپنے اس حق کو معاف  
کر دیتی ہے اس کو وہ دودھ بخشنا کہتے ہیں - دودھ نہ بخشنا ماں کی انتہائی ناراضی کی علامت ہے -

عباس نے کہا یہ نہ فرمایئے حضور  
بچے کسی نے دیکھے ہیں اس طرح کے غیور  
بچپن میں کافروں سے خدا کے ولی لڑے  
ہے سب عرب میں لیث بنی غالبؑ ان کا جد  
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر بہ شد و مد  
یہ پانہ جگر میں علی سے دوسرے کے  
کچھ فکر کی جگہ نہ تردد کا ہے مقام  
ان سے کبھی جدا نہیں رہے کایہ عنلام  
بندوں کا حفظ خالق عالم کے ہاتھ ہے  
یہ سن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار  
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ ذی وقار  
جو حال دل پر کہ نہیں سکتا زباں سے میں  
بھائی بہن کے درد کی باتیں لکھوں اگر  
پھاتی سے سر لگائے ہنسی تھی وہ نوحہ گر  
غم سے جگر ہو تھا شہ مشرقین کا

(۵۵) ایسے یہ شیر ہیں کہ دغا میں کریں تھوڑے  
کوئے کو شام پر جوا لٹ دیں تو کیا ہے دور  
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُٹھیں علی لڑے  
شل علی دغا میں کریں گے یہ جد و جد  
(۵۶) غل ہو گا گو گنہے ہیں لڑائی میں دوسرے  
سب ٹھیلیں ہیں شیر کی بچوں میں شیر کے  
سن لیجئے گا آج یہ جیسے کریں گے نام  
(۵۷) میں عید سرفروش ہوں بس خواہرام  
دتی ہیں آپ کیوں ی جان لے سکتا ہے  
دیکھا بڑھ ہے جان ب در شاہ نام دار  
(۵۸) زینب گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار  
پھٹتیں نہیں تم آج پھڑتا ہوں ماں سے میں  
بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر  
(۵۹) رکھے ہوئے تھے دوش پہ صف شاہ بگرد بر  
سیر یوں میں شور تھا ہو ہو حسینؑ کا

لے کی۔ سہ اجدادینے کے قریب ایک پہاڑ ہے جس کے قریب سہ میں مسلمانوں اور کافروں  
میں سخت جنگ ہوئی تھی۔ سہ لیث، عربی میں شیر کو کہتے ہیں اور بنی غالب کے معنی ہیں  
غالب کی اولاد لیث بنی غالب کے معنی ہوئے غالب کے خاندان کا شیر۔ مراد حضرت علی۔  
غالب حضرت علی کے ایک بزرگ کا نام ہے۔ ان سے حضرت علی تک گیا یہ پشتیں ہوتی ہیں۔  
کہ وہ فخریہ اشعار جو باہی میدان جنگ میں پڑھتے تھے۔  
سہ آواز کا جڑھاؤ اور کھینچاؤ۔ زور و شور۔



بنت علی کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف  
 لڑیاں تھیں چار ایک ہی اشکوں کی قطر (۶۰)  
 غربت میں اور کوئی زیور نہ عین ہے  
 فرا کے یہ بڑھا پس خستم مرسلین  
 اتم کی صف پہ بیاں زینب کو لے گئیں (۶۱)  
 دہن علم کا کھول کے عباس رک گئے  
 رفیع کو سلام کا جب دے چکے جواب  
 رقیع الایں نے دی یہ صدا تھام کر کباب (۶۲)  
 نور محمدی رخ انور کی ضو میں ہے  
 ہن شان سے فریق نہ انس و جن چڑھے  
 بہر جہاد راہ خدا مطمئن چڑھے (۶۳)  
 سب جاں نشان سوا تھے راہ ثواب میں  
 غل تھا مدد کو آئیے اب یا خدہ نجف  
 نہ کہتے تھے بہن نہ کو جان کو تلف (۶۴)  
 تم کہیں تو پھرے بچوں کا کون ہے  
 مشکل تھا ضبط غش ہوئی دیکھیں دھوئیں  
 خیمے سے نکلے رفتے ہوئے بادشاہ دیں (۶۵)  
 صف باندھ کر سلام کو بھرائی بھک گئے  
 بس جانب فرس متوجہ ہوئے جناب  
 بسم اللہ خدیو زماں مالک القاب (۶۶)  
 شوکت نری رکاب میں نصرت جلو میں ہے  
 جس طرح نکلا ابر سے خورشید دن چڑھے  
 گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے مسن چڑھے (۶۷)  
 پیدل گر تھے ابن مظاہر رکاب میں

۱۔ یعنی امام حسین اور حضرت زینب دونوں زار زار رو رہے تھے۔ اس لیے آنکھوں کی چادر لڑیاں بن گئی تھیں۔ چار۔ ایک۔ دو میں صنعت یا قیاس الاعداد ہے۔ ۲۔ مددگار۔

۳۔ سلام کرنے والے۔ درباری۔ ۴۔ امانت دار فرشتہ۔ مراد جبریل۔

۵۔ بسم اللہ کے معنی ہیں اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جب کوئی کام شروع کرتے ہیں یا کسی معزادہ سے کسی کام کی ابتدا کرنے کو کہتے ہیں تو یہ فقرہ بولتے ہیں۔

۶۔ گردنوں کا مالک، جانوں کا مالک۔ غلاموں کا آقا۔ وہ جس کو ہر طرح کا اختیار حاصل ہو۔ کتاب، جمع ہے رقبہ کی۔ جس کے معنی ہیں گردن۔

۷۔ مظاہر کا بیٹا۔ امام حسین کے بچپن کے دوست حبیب ابن مظاہر۔

بڑھا تھا خون جوش شجاعت نے مہدم  
 گودن میں یہ کجی تھی نہ مطلق کر میں حسہم  
 ہر نوجواں سے تھا یہ شاہ بعد حسہم (۶۴)  
 یعنی جہاں سے جائیں گے لہجے جہاں میں ہم  
 بریں زندہ کمان کیانی تھی دوش پر  
 قبضے پہ ایک ہاتھ تھا اک زین پوش پر  
 اردو بھلے جو پڑتے تھے بلکوں پہ بار بار  
 رد مال پھاڑ کر انھیں باندھا تھا استوار  
 آنکھوں سے شیر نر کی جلالت تھی آشکار (۶۵)  
 گویا کہ تھی غلاف میں حیدر کی ذوالفطار  
 جلدی چلے جو چند قدم بھوم بھوم کے  
 اک شوہ تھا کہ عود کیا پھر شباب نے  
 ریش سفید رخ پر سیہ کی خضاب نے (۶۶)  
 پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے  
 لبریز نور سینہ بے کینہ ہو گیا  
 کہتے تھے باگ رو کے ہوئے شاہ نامدار  
 میں بھی اتر پڑو گانہ ہو گے جو تم سوار (۶۷)  
 کرتے تھے عرض یہ کہ تو نا ہے جان نثار  
 ہر چند پیر خستہ دل ناتواں شرم  
 ہرگز نظر نہ تو کر دم جواں شرم

لے اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ بغیر کہیں ٹھہرے ہو۔ دوسرے یہ کہ سیدھے قدم کے ساتھ بہت  
 میں ہر شخص جوان ہو کر جائے گا۔ اس لیے بوڑھوں کی کمر کے خم دور ہو کر ان کا قد بھی سیدھا ہو جائے گا۔  
 اس جملے سے دو معنی نکلتے ہیں اور دونوں ٹھیک ہیں۔ سبک صنعت ہو جس کو ادا جہتے ہیں۔  
 لے کیاں جمع ہو کے کی جس کے معنی ہیں بادشاہ پیران کا ایک شاہی نانا ان جس کے تمام بادشاہوں  
 کے ناموں کے ساتھ کلا لفظ لگا ہوا تھا جیسے کیکاؤس دیکھتا دیکھتا کمان کیانی کے معنی ہوئے۔ بادشاہوں  
 کے قابل کمان یعنی بہت علی درجے کی کمان لے لے لیا کہ کا قبضہ مراد ہے۔  
 لے حبیب ابن مظاہر کی آنکھیں دشمنوں کے لیے نہایت خوفناک تھیں۔ یہاں تک کہ بڑھاپے میں جب  
 بھوس رنگ کو آنکھوں پر آگئیں تو بھی ان میں اتنی ہیبت باقی رہی جتنی ذوالنقار میں میان کے نام  
 ہونے کی حالت میں ہوتی تھی۔ اگر بڑھاپے نے یہ غلاف نہ چڑھا دیا ہوتا تو ان میں وہ ہیبت ہوتی جو  
 ذوالنقار میں اس وقت ہوتی تھی جب وہ میدان جنگ میں میان سے باہر حضرت علی کے ہاتھ میں لبر  
 ہوتی تھی۔

فرمایا تم کو دیتا ہوں اس سر کی میں قسم  
 میں بھی مکالتا ہوں رکابوں سے اب قدم  
 پہنچیں جناب میں بحر مصیبت کو بھیل کے  
 وہ لوٹنا بھی خاک کا اب تک ہے یادگار  
 دس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا بنی کا پیار  
 شیر کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں  
 رو کو کہا حبیب نے آخر ہوا وہ دور  
 یہ وقت اور کچھ ہے وہ ہنگام تھا کچھ اور  
 گردش نئی فلک کی نئے انقلاب میں  
 یہ عرض کو کے رفے حبیب و فاشعار  
 جب تک سمندر پر وہ دلا دور ہو اسوار  
 ہر دست پر پر سے زیادہ شفقت تھے  
 نبی پھیر کو فرس کو امام زماں بڑے  
 کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیر ثیاں بڑے  
 یوں طے کیا دیوں نے اس راہ خیر کو  
 ناش قتل گاہ میں پہنچے جو وہ دلیسر  
 نعرہ یہ تھا کہ کیجیو ان سرکشوں کو زیر  
 تیغوں سے دم و نام کی لبتی اُجاٹو  
 جو بعد عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم  
 اچھا تھا کہ ساتھ پیادہ چلیں گے ہم  
 ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے  
 تم پر بھی گڑھی مری زلفوں پہ بھی غبار  
 فرماتے تھے یہ ہے مے پیائے کا دوست دار  
 لوٹے گا یہ لہو میں یونہی جانتا ہوں میں  
 اب اُن کا عہد ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جود  
 مولا کبھی رہا نہیں دنیا کا ایک طور  
 کوڑے جن کا آج وہ محتاج آب ہیں  
 بھک کر کہا یہ پیر غلام آپ کے تھار  
 رو کے ہے بجا فرس شاہ نامدار  
 کیا قد رواں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے  
 آگے جو تھے لکے ہیں وہ سب جاں بڑے  
 مشتاق تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑے  
 جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن کی سیر کو  
 نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثالِ شیر  
 عرصہ جنگ میں ہونہ فتح و ظفر میں دیر  
 کو نے کے در پہ جا کے نشانوں کا ٹو

دشمنوں کو زخمی کرنے کے بعد وہ امام زماں بڑے  
 کس شان سے چلے گئے تھے

حد سے فزوں تھی کثرت فوج ستم شعار  
پیدل تھے بے حساب تو تھے لالہ سوار  
(۴۳) لکھی ہے رادیوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار  
فوجوں کا دست چپے بھی ممکن نہ تھا شمار  
پیک خیال جا کے پھراتا تھا راہ سے  
اکناٹ برہمچریں لہکے کا تھا مقام  
ماکوں پہ چوکیاں تھیں جزیروں میں اہتمام  
آیا کیو تراٹ کے جدھر صید ہو گیا  
(۴۵) سہل و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام  
مسدد ہو گئی تھی سبیل خط و پیام  
قاصد جہاں ملاوہ وہیں قید ہو گیا  
دہ کشش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات  
(۴۶) دنیا پرست دشمن سادات نیک ذات  
دیا کے صرف آب سے لب خشک ہو گئے  
دنیا میں نیک کم ہیں بہت اور بد ہزار  
چالیس کل پیادے تھے بتیں سب سوار  
(۴۷) بوٹے قد تھے ایک بھی ان میں جاں تھا  
بچوں میں بڑھ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح  
چاٹیں لبوں کو ان کی جو باتیں سنیں صبیح  
جد و پدر کی طرح جوی ہیں دلیر ہیں  
(۴۸) بڑھ کھی جس کے گوسے زخو پر عیان تھا  
شیریں بخن لبوں میں نمک زنجیت - ملح  
مردوں کو دم میں زندہ کویں صورت میح  
بچے ہیں یوں پیغظ جب کہ تو شیر ہیں

لے بے گنتی بے شمار۔ مے حساب کا ایک طریقہ عقدہ نامل ہے جس میں ہاتھوں کی بعض انگلیاں جھکانے اور  
سیدھی کرنے سے مختلف عدد بتاتے ہیں، ہاتھ کی انگلیوں سے اکائیاں اور دہائیاں اور ہاتھ کی انگلیوں  
سے یکٹے اور ہزار بتاتے ہیں اس لیے ہی مصرع کا مفہوم یہ ہوا کہ یزیدی لشکر کے سپاہیوں کی تعداد سیکڑوں اور ہزاروں  
سے متجاوز تھی، دست چپے شمار کرنا کثرت تعداد کو ظاہر کرنا ہے۔ شمار

ماحقہ کبھی برتخ عمنزہ  
چندراں کہ بدست چپ خمار  
(خاقانی)  
نہ اور دست چنل کہ فرخ شمار  
برخا نہ اندر شمر دن سوار  
(غالب)  
مے کف کی جمع ہے طرف بکنارہ مے نرم اور جو زین میدان ہے پرے سے راہ ذریعہ طریقہ۔  
مے فوجوں کا جمع ہے لشکر یا سی۔ یہ ترکی لفظ ہے۔

وہ پیچھے ہلال کے دم خم پہ جن کو فوق  
 ہنس سہنس کے زخم کھائیں لبابوں کو اس کا ذوق  
 نہ نکھیں جو زخمی ہر قرح بھولے بھلا ہیں  
 ایک ایک شخص بیان تو ہر اک نکتہ سچ ہے  
 لشکر ہے وہ کہ حسن کی دولت کا گنج ہے  
 انگریزائیاں جو یلغار میں سینوں کو تان کے  
 کم گو کوئی مہین کوئی شیریں سخن کوئی  
 نازک مزاج کوئی تو گل پیر بن کوئی  
 دولت ہی حسین کے چہرے میں کئی تھی  
 شیران دشت کو جگر ایسے نہیں ملے  
 حمزہ کو جنگ کے سہرا ایسے نہیں ملے  
 جو تھا بنی کے بعد خدا کے ولی کا تھا  
 پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے وہ گل عذار  
 فرماتے تھے یہ روک کے عباس نامدار  
 حجت تمام کی نہیں شاہ غیور نے  
 عجلت کو جانتے ہیں بیک جو ہیں بر بار  
 دیکھو تماشا نوج کی کثرت ہے بے شمار  
 جلدی نہ کیجو گو کہ لڑائی میں دیرو ہو

(۸۶) جرات کا جوش تیغ زنی کا دلوں میں شوق  
 کبھی خون کاؤں میں بندے گلوں میں طوق  
 ناندوں کے منتوں کے مرادوں کے پالے ہیں  
 کچھ سپاہی کا نہ غم ہے نہ فاقوں کا رنج ہے  
 (۸۷) چہرہ ہر اک کا ماہ چارہ دو دو بیخ ہے  
 کہتا ہر حسن خود کہ خاوان کی شان کے  
 بچپن میں سرود قد کوئی رشک چمن کوئی  
 (۸۸) تصویر جد کوئی تو شبیہ حسن کوئی  
 مارے تھا قاطع کا عمل کی کمائی تھی  
 غواص کو کبھی گہر ایسے نہیں ملے  
 (۸۹) جعفر نے پائے بال پر ایسے نہیں ملے  
 حضرت کو وہ ملا کہ جو چہرہ علی کا تھا  
 تیغیں چکنی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار  
 (۹۰) شیر دا بھی نہیں ہے بھٹیں حکم کا رزار  
 سبقت نہ کیجو منع کیا ہے حضور نے  
 بے وقت دوڑتے نہیں فی قدر ذی وقار  
 (۹۱) باجے بجاکے کھولیں گے رایت ستم شعار  
 تم تو خدا کے شیر کے شیریں کے خیر ہو

لے چار اور دو پیچہ چودہ ہوئے۔ اس لیے اس فقرے کے معنی ہوئے چودھویں مات کا چاند۔  
 لے غولہ غور۔ سبے بال اور پر میں ایہام تناسب ہے۔ لے حجت تمام کو نہ کسی عذر یا حیلے  
 کی گنجائش باقی نہ رکھنا۔ ہے نشان۔ جھنڈا۔ علم۔

کو دیکھے ہیں علی اکبر کے پاسے نام  
 عاشق تھائے نام کے میں یہ فلک مقام (۸۵)  
 ابھرا صف ابھی باندھ لگے کھڑے ہوتے  
 کوئی بٹھانے پائے نہ اس صفت سے اہوار  
 بہلا کے رو کے رہو انھیں تم پہ میں تیار (۸۶)  
 گھوڑے اڑا کے جانے پڑیں فوج شام پر  
 سب جس لڑی میں تھے گہر تلام شرف  
 زہر کے رشتہ دار ید اللہ کے خلف (۸۷)  
 اب تک وہ آبرو کسی کو ملی نہیں  
 دل بلبلوں کے غوں تو گویاں گلوں کے چاک  
 ایسے کبھی ملیں نہ گہرے صاف و پاک (۸۸)  
 دُر نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو  
 دونوں نواسے حضرت زینب کے گل عذار  
 یکتاے دہریچ بھتیجے فلک و تار (۸۹)  
 یہ سب اسی درخت کی شاخوں کے پھول تھے  
 کیف و کمشن ہے کتابوں سے آشکار  
 عالم کی جان فخر حسینان روزگار (۹۰)  
 زہر کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

دست ادب کو بوڑھے بولے وہ نیک نام  
 بیٹے سے مسکرا کے یہ کہنے لگے امام (۸۵)  
 بیٹا یہ سن میں چھوٹے میں سب میں تھے ہوتے  
 بچھ ہوئے ہیں شیر خوار وہ ہوشیار  
 عجلت ہر ایک مریں پچوں کا ہے شعار (۸۶)  
 جان اپنی سب دیے ہیں بزرگوں کو نام پر  
 تسلیم کر کے شہ کو مرتب جو کی وہ صفت  
 فرقت میں جن کی چاک رہا سینہ صدف (۸۷)  
 ان سے کہے جہان میں عشق دلی نہیں  
 شرمندہ جس سے جان نہ ہو ہرے و قبانک  
 خود دادی السلام جو بھائے نجف کی خاک (۸۸)  
 تسبیح ہاتھ آئی یہ کس نیک نام کو  
 شیر خدا کے سات جگر بند نام داد  
 پوتے چھوڑ دیں وحید زماں فخر روزگار (۸۹)  
 خود جسکی فرع و اصل علی و رسول تھے  
 یوسف تھے ایک مصر میں اور مشرقی ہزارہ  
 یوسف سے کہ بلا میں تھے اٹھارہ گل عذار (۹۰)  
 یاں نزلت بھی قدر بھی قیمت بھی تھی

لے پاسے نام کر دیکھے، یعنی ماتحتی میں دے دیکھے۔

سہ نواح نجف میں ایک وسیع میدان جس کی خاک میں زائر در نجف ٹھونڈتے ہیں۔ اس میدان میں  
 کئی پھیروں کے مراد ہیں اس لیے وہاں دفن ہونا باعث نجات سمجھا جاتا ہے۔

سہ خریدار

سہ نوعیت اور مقدار

سہ قیمت

- سیر کاؤں پہرہ علی اکبر سے پھر نقاب  
 (۹۱) گھوڑ بھیتیں وہ حسن ملیح اور وہ شباب  
 دامن بھی جناب زلیخا نہ چھوڑتیں  
 کھولا ادھر علم کو علم دار شاہ نے  
 (۹۲) طوفانی کیم کھاشہ عالم پر شاہ نے  
 ٹھنڈی ہوا پھر ہر سے آئی بہشت کی  
 دامان پاک کشتی امت کا بادباں  
 (۹۳) پرچم تھا بال کھولے تھی یا حوری جناں  
 منی کا عطر خاک کی غوثیوں سے گروتھا  
 گودوں دوں سے پار ہوئی طبل کی نقال  
 (۹۴) وہ بون کی ہیب صدا تھی کہ الاماں  
 گونے ادھر بھی شیر کہن بولنے لگا
- تینے و تینج اگر ہوں ہلال اور آفتاب  
 (۹۱) ہر گونوں کو کاٹ کے ترہیں ہے نہ تاب  
 پریاں تو انکے سائے کا بھانہ چھوڑتیں  
 (۹۲) ہنگ نشان بڑھائے ادھر تھی سپاہ نے  
 چو ماخاں کو بڑھ کے ہر اک خیر خواہ نے  
 رفت بڑھی زمین سعادت سرشت کی  
 راست وہ سبز لشکر سادات کا نشان  
 (۹۳) پہنچے مثال پنجہ خورشید ز نشان  
 مشک و عیر و عود کا باز اور سرد تھا  
 نقارہ دغا پہ لگی چوب ناگہاں  
 (۹۴) شیشہ کے غریب سے ہلتا تھا آسماں  
 بیہوش کو ہر سوار ادھر تو لے لگا

لے پھری اور لیوں۔ اس بند میں حضرت یوسف اور زلیخا کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔

لے تمام لیے بہتری یا خوشحالی ہے۔ یہ ایک طرح کی دعا ہے۔

لے دنیا کو پناہ دینے والا بادشاہ۔ مراد امام حسین

لے پیغمبر عرب کا فوجی نشان فلادی پنجہ تھا جو علم پر لگا رہتا تھا۔

لے سیاہ ریش کا چٹا جو علم کے نیچے کے نیچے بڑھا جاتا ہے۔

لے دوں وہی مکی تھوڑے اطلال کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس صنعت کو ایہام صوت کہتے ہیں۔

ۛۛۛ

لے بھونک کو بجائے جانے والے فوجی باجے۔

شہنا کا شور سن کے لرزتا تھا بند بند برچھے ہلے رسالوں میں تیزے ہوے بلند  
 صحرائے ہوناک کی وحشت ہوئی دو چند<sup>(۹۵)</sup> ڈر کو کنوٹیوں کو بدلنے لگے سمند  
 سن کو دہل کا شور کلیجے دہل گئے صحرائے دہکے فیرنیاں نکل گئے  
 پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیرے شمار مولانے غازیوں کو دیا حکم کارزار  
 نکلے دغا کو قتلہ عالم کے جاں نثار<sup>(۹۶)</sup> جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار  
 ہوں گے نہ ہیں نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے سب جانے کے حق تکمیل سے ادا ہوئے  
 حُر و بُر و دُشمن و عیبر فلک مقام وہ مسلم ابن عوسجہ عرشِ احتشام  
 سعد و زہیر قین و حبیبِ خجستہ کام<sup>(۹۷)</sup> وہ شیر جس کا بو عمر نہشلی تھا نام  
 جس غول پر بھپٹ کر یہ آئے وہ ہٹ گیا ایک ایک مرتے مرتے پردوں کو الٹ گیا  
 نکلے دغا کو ایچلے شاہ کے پسر ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غم پیر  
 فوجوں پہ حملہ در ہوے جس دم وہ شیر نر<sup>(۹۸)</sup> دم میں تنوں سے کٹ کے گئے کو فیول کے سر  
 رن پر چڑھے جو گوگے کپڑے اتار کے مائے گئے وہ شیر نر اداں کو مار کے  
 لاشوں کو قتل گاہ سے لے آئے جب حسین نکلے پرے سے حضرت زینب کے فوسین  
 کی عرض یا امام زماں شاہِ مشرقین<sup>(۹۹)</sup> رائیوں میں ہو میتیوں کے ماتم کا شور و شین  
 پھر وقت کن سا ہو جواب ہم فدا نہ ہوں دل تھر تھرا ہے میں کہ اماں خفا نہ ہوں

لے وہ میدان یوں ہی بہت خوفناک تھا فوجی باجوں کی آواز اور ہتھیاروں کی جھک کرنے سے اسے دل زیادہ  
 خوفناک بنا دیا۔

لے دہل اور دہل میں تجھیں محنت ہے۔ لے نہ ہیرا بن قین۔

لے امام حسین کا قاصد۔ مراد حضرت مسلم ابن عقیل جو امام حسین کے چچا زاد بھائی تھے اور امام حسین  
 کا پیغام کو فنے والوں کے پاس لے گئے تھے۔



فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں گچ پاس  
اکبر سے آپ پوچھ لیں یا شاہ حق شناس<sup>(۱۰۰)</sup>  
اب گھر میں آئیو تو دغا کو کے آئیو  
فرمایا خیر فوج سے جنگ و جدل کرو  
ہاں خواہش وصال عروس اجل کرو<sup>(۱۰۱)</sup>  
راحت سے اس طرف نہ کیانج نہ چین نے  
تسلیم کرو کہ گھوڑوں پہ وہ ناز نہیں چڑھے  
یوں اٹھ ہوں پہ دلبر ضرغام دہن چڑھے<sup>(۱۰۲)</sup>  
پریان نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں  
پہنچے جو رن میں برج شرف کے وہ آفتاب  
نعرہ کیا کہ اد پسر سعد بے حجاب<sup>(۱۰۳)</sup>  
گو سیکڑوں سوار ہزاروں سپاہی ہیں  
ہم نے سنا یہ ہے کہ قریشی نسب ہے تو  
ہم ٹوکتے ہیں اور سگ ناپاک و کینہ جو<sup>(۱۰۴)</sup>  
فاؤں میں دد دیکھ جدال و قتال دیکھ  
ماں بنت فاطمہ ہیں نبی فاطمہ ہیں ہم  
ہیں اس طرح نسب میں نبی و علی بہم<sup>(۱۰۵)</sup>  
بھائی جد اس خوش جد اس و صبی جد اس  
ان سے علی حیدر خدا سے نبی حیدر

لے اٹھتے۔ سفید رنگ کا گھوڑا۔ لے تیر۔ لے تیز دوڑنے کی متی کیے ہوئے۔ ذوق کا ایک شعر ہے  
چڑھ گیا جبکہ زمین تو سن دشت اپنا  
دیں گے افلاک پہ ہم خاک سیرا بان چڑھا

لے چچا کا بیٹا۔ چچا زاد بھائی۔

کہمت اور لے سراج ہرے جنت خدا جس سے نرود کس نے نہ کی طاعت خدا  
 خاکی تہاد آئینہ قدرت خدا (۱۱۶) ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربت خدا  
 حق ساتھ حسین کے ہم انکے ساتھ ہیں پہنچا علی کا زور تھیں یہ وہ ہاتھ ہیں  
 بھوٹنے کی یہ عرض کہ بڑھے بس اب حضور غنی ہوا ہے خیمے میں ڈر کو وہ ہے شعور  
 ہونا ہو اور دھوپ کے اب پیاس کا دفر (۱۱۷) مرنا ہے ہر طرح یہ تامل ہے کیا ضرور  
 دو ہاتھ میں بھگا کے سوار کو گھاٹ کے خیمہ گواہیں اس پہ طنائوں کو کاٹ کے  
 کھینچے یہ کہ کے نیچے دونوں نے یک بیک پہنچی زمیں سے آئینہ ہر تک چمک  
 گاؤں میں ادھر تھی ہر اس ادھر سرکے دلب کو پروں پہ ناد علی پڑھتے تھے ملک  
 غل تھا چکنے مک ہی سب تکار ہو اگلے جاہیں دو یہ نیچے یاد افکار ہو

لے انسانوں (مخلوقات) کی جائے پناہ۔ لے رہنمائی کا چراغ۔  
 لے خدا کا ثبوت یا دلیل۔ یعنی ایسا مخلوق جس سے خالق کے اوصاف کا پتہ لگتا ہے۔  
 لے پہنچا اور ہاتھ میں صنعت ایہام تناسب ہے۔  
 ہے مراد ابن سعد (دیکھو جلد ۳، ص ۲۴)

لے رتیاں جن سے باندھ کر نیچے کھڑے کیے جاتے ہیں۔ لے بھوٹی تلوار۔  
 لے وہ گائے جس کی سینگوں پر زمین قائم ہے۔ لے تھیلی۔ وہ تھیلی جس پر وہ گائے کھڑی ہے جس کے  
 سینگوں پر زمین قائم ہے لے روایت ہے کہ ایک جنگ میں حضرت علی کی تلوار سے جبریل کے پر  
 کاٹ گئے تھے۔ اس لیے جب حضرت علی کے نواسوں نے میدان جنگ میں انھیں تیوروں سے  
 تلوار کھینچی تو فرشتوں کو اپنے پر بچانے کی فکر ہوئی اور وہ ناد علی پڑھ پڑھ کر اپنے پروں پر بھونکنے لگے۔  
 لے ناد علی ایک دعا ہے جس کے پڑھنے سے خوف دور ہو جاتا ہے اور آنسوؤں سے نجات ملتی ہے۔  
 لے ذوالفقار کا پھل دوسرا تھا۔ اس لیے دو نیچے ایک ساتھ دیکھنے سے ذوالفقار کا دھوکا ہونا تھا۔

دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں فرس بڑھے جس طرح قافلے سے صدارے جس بڑھے

اب کون رو کے شیر بڑھے جبے بس بڑھے (۱۰۹) مقتل میں میں ہو کے گوے وہ جو دس بڑھے

بچوں نے زور دیتی کے دلی کا دکھا دیا سب نکت ہنگ ضرب علی کا دکھا دیا

وہ ان کے اہمبوں کی روار وادھر اُدھر کاٹے میں پس کے مرگے سو سو اُدھر اُدھر

تا بندہ تھے جو آٹھ ملے نو اُدھر اُدھر (۱۱۰) پھیلی ہوئی زمین پہ تھی صنو اُدھر اُدھر

کیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے پرائی تھیں دکھ پھڑی تھیں جھوم جھوم کے

آئے جدھر خدا کا غضب آگیا اُدھر پلے جدھر یہ رعب علی بھاگیا اُدھر

بھٹے جدھر شکست عدو پاگیا اُدھر (۱۱۱) کھڑے جہاں کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر

انسان کیا ہو شیروں کے ذمے بھی آتے آنکھیں ملے کون کہ دد آفتاب ہیں

کیا دونوں تازیوں کی بکت تازیان بھوں کیونکر روار دی میں خوش اندازیاں بھوں

کس طرح نیچوں کی سرافزایاں بھوں (۱۱۲) کیا دونوں شاہزادوں کی جانا زیاں بھوں

پونے ہیں کس جوی کے خلف کس کی ہیں اعلیٰ یہ مچ ہو کہ نو اسے علی کے ہیں

وہ چھوٹے چھوٹے خود وہ پیشانیوں کی شان وہ دوبرہ رعب وہ عمرانیوں کی شان

ویندار یوں کا نور خدا دانیوں کی شان (۱۱۳) وہ دونوں نیچوں کی سرافزایاں کی شان

پہم چلے یہ زور گھٹا کچھ نہ کس گیا جب چکے میٹھ مٹھن کا مرا مر برس گیا

جس صفت پہ دور سده جلالت قرین بڑھے علی پڑ گیا کہ دلبر ضرغام دیں بڑھے

وہ کیا بڑھے کہ دد اسد شتم گئیں بڑھے (۱۱۴) شیروں کا وہ شکار مئی جو لعین بڑھے

زندہ بھی کشتہ خطر دہیم ہو گئے دھتے ہو کے موت میں تقیم ہو گئے

لے مہ نو۔ نئے چاند یہاں گھوڑوں کے نعل مراد ہیں لے عربی گھوڑا۔ صفت بول کو موصوت مراد لیا ہے۔

لے تیز رفتاری۔ لے حضرت علی کے والد حضرت ابوطالب کا ایک نام عمران تھا۔ عربانیوں

کے معنی ہیں حضرت ابوطالب کی اولاد۔

چلتے جس کا تیر ملا تن پہ سر نہ تھا جز گوشہ مرا کشتی جسامفر نہ تھا  
 زندہ جو بھاگنے میں ادھر تھا ادھر نہ تھا (۱۱۵) کشتوں کے پتے تھے کہ نظر کا گم نہ تھا  
 دریا تھا یا سپاہ صفیں تھیں کہ موجیں تھیں دوجلیوں کے زنج میں اعدا کی فوجیں تھیں  
 نیزوں میں جس طرف دہ گئے بے دھڑک گئے شیروں کی بوج آگئی گھوڑے بھڑک گئے  
 زندوں کے خوف جاں سے کلجے دھڑک گئے (۱۱۶) زنجوں میں کیا مزہ تھا کہ سبل بھڑک گئے  
 بکیر قدم سپاہ کے دریا سے اٹھ گئے ہونٹوں کو چاٹتے ہوئے دیا سے اٹھ گئے  
 دہ گورے گوٹے ہاتھ دہ نازک کلاسیاں دہ بازوؤں کا زور دہ تیغ آزمایاں  
 دہ نیمچوں میں سیف علی کی صفایاں (۱۱۷) دہ دولے دہ پہلے پہل کی لڑا سیاں  
 جس غول پر دہ صاحب شمشیر آپڑے ثابت ہوا کہ فوج پہ دوشیر آپڑے  
 جس پہلوں پہ عون کی تلوار پڑ گئی چہرہ تو کیا ہے زیت کی صورت بگڑ گئی  
 چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑا گئی (۱۱۸) سر نیز اک ساں تھی کہ پتلی میں گھڑ گئی  
 آنکھوں کو روکے صف دہ دکن بھل گیا گویا تھا کہ توڑ کے ناوک نکل گیا  
 اک شور تھا کہ خیم نہائی غضب کی ہے آفت کا معرکہ ہے لڑائی غضب کی ہے  
 یہ گھاٹ تہر کا یہ ترائی غضب کی ہے (۱۱۹) چھوٹے سے نیمچوں کی صفائی غضب کی ہے  
 دونوں ہیں فوجین علی سے غیور کے آنکھیں کالیں کوئی دیکھے تو گھور کے  
 جس پر اڑا کے رخس دہ جاں باز آپڑا ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز آپڑا  
 دو ہو کے تیغ پر دہ فوس ساز آپڑا (۱۲۰) خود صف کے بھل سمندر تک تازا آپڑا  
 بڑھتا تھا آپسے نہ کوئی جنگ کیلئے لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کیلئے

اللہ کا غضب اُدھر آیا جدھر بڑھے      پہنچا سروں پہ تیغ کا سایا جدھر بڑھے  
 جلوہ عروسِ فتح نے پایا جدھر بڑھے      (۱۲۱) گھونگھٹ سپاہِ شام نے کھایا جدھر بڑھے  
 گرتی تھی برقِ لشکر ابنِ زیاد پر      گویا چڑھے تھے دوتے دو لہا جہاد پر  
 ماتھے پر اور وہ پیچ سماؤں کے لٹکتے پٹے      گیسو وہ بنتِ فاطمہ کے ہاتھ کے بٹے  
 وہ ابروؤں کے خم کہ لالِ فلک نکلتے      (۱۲۲) آنکھیں وہ نگہی کہ نہ جن سے نظر ہستے  
 چہرے کسی نے دیکھے ہیں آفتاب کے      رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے  
 وہ برگِ گل سے لبتِ دہن انکے تنگ تنگ      وہ بھین بھین بومسی غنچے میں نہ وہ رنگ  
 لعل و گہر ہیں لبِ دندان کے آگے دنگ      (۱۲۳) اک مجھ تک یہ قطرہ نیاں ہو اور وہ سنگ  
 تشبہ بھی جو ان سے نہ دی نامید ہیں      اس غم سے موتوں کے بکچوں میں پھید ہیں  
 گوب گلبے گلے گلے جن سے نمایاں ہے نورِ حق      سرخی نہیں یہ ہر منور پہ ہے شفقت  
 وہ نیچے وہ ہاتھ دلِ کفر جس سے شقت      (۱۲۴) سینے ہیں ایک مصحفِ ناطق کے دودق  
 خالی ہیں گوشک پہ یہ جہرا سیر ہیں      فادہ تو اٹھ کر کہ یہ شردل کھنڈ ہیں  
 ان دونوں شہبوں کی وہ ٹکڑیوں کے ٹکڑے      جو ان کی چال دیکھنے آئے وہ دنگ جائے  
 صورت کا نہ بناؤ نہ سرعت کا ڈھنگ جائے      (۱۲۵) اڑتے تھے یوں کہ جیسے ہو اپرِ خدنگ جائے  
 پر مایں تھیں دودھ اسعدت افزہ تھے      سب تھی ہما کی تیز پری اور پر نہ تھے  
 اسوار آفتاب تو گھوٹے بھی ماہِ ر و      سرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں ہو  
 جاندار و خوش رکاب و سعید و خجستہ خو      (۱۲۶) صاف آتی تھی پسینے سے جن کے دنا کی بو  
 ڈھالا تھا جو رُبن کو سانچے میں نوکر      نازک کلایاں تھیں کہ پہنچے تھے حور کے

لے گھونگھٹ کھانا۔ فوج کا پاپا ہونا۔ پیٹھ کھانا۔ تسکنت کھانا۔ ڈھیلے ڈھیلے بے ترتیبی سے پیٹ  
 جسے سہے موتی کو حقیر کرنے کے لیے اب حیران کا بھد قطرہ کہا ہوا اور اسی غرض سے لعل کو بھفر کہا ہے۔

دو دنوں کنوئیاں ہیں کہ پیکان تیر میں چادوں سُم ان کے غیرت بد ر منیر ہیں  
 آنکھوں پہ کھجے جو نظر بے نظیر میں (۱۲۷) مال ایسی جگہ سچ میں پریاں اسیر ہیں  
 سرعت میں ان سے فکر کو نیت نہ تیر کو نری یہ بلدیہ کہ خجالت حریر کو  
 آئے ادھر سے گزرو ادھر سے نکل گئے پہنچے کنار بحر تو بر سے نکل گئے  
 مانند بقی لشکر شر سے نکل گئے (۱۲۸) دو تیر آگے تیر نظر سے نکل گئے  
 یوں پھر ہے تھنے پچ میں فوج غنیم کے حبس کو چلنے میں جھونکے قسیم کے  
 غنچے تھے دوڑے ہوئے اک جاگہ ان کے گوش بر خندیاں میں جسم کو رستم تھا و جمع پوش  
 غیرت کو دیکھ لیں تو اڑیں طائروں کے پوش (۱۲۹) گزرتا تھا منہ بہت تو شجاعت کا تھا یہ جوش  
 پریاں اڑا سکیں نہ روشن انکی چال کی اعلیٰ مزاج شیر کا آنکھیں غزال کی  
 وہ سُم وہ فعل اور وہ سینے وہ ترک تازہ پر و ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز  
 زیور تھا ایک شب کی پہن کا ان کے ساز (۱۳۰) وہ تلخیاں دھڑا لیسے سے سر فراز  
 بن کر گھر سینے کے قلوب ٹپکتے تھے میل کی مینیوں سے تارے چمکتے تھے  
 گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نبھاتے تھے تار کا ب پر پریاں سب ہی ہوئی بھنیں مثل بوترا ب  
 یوں مرکبوں کو بانڈھے تھے سرورہ فلک جناب (۱۳۱) بیجا قدم رکھیں یہ سمندوں کو کھنی نہ تاب  
 غل تھا ہٹے دھوکہ مزاج ان کا آگے حیدر سے شہسوار کی یہ شان باگے

لے گھوڑے کے چھوٹے چھوٹے کان۔ سہ چڑیا۔ پرندہ۔ سہ گھوڑے۔ کی۔ درہ۔ بالھر۔ گے سیاہی کی زہر۔  
 سہ گھوڑے کے سُم کو 'بدر' فعل کو ہلال سے 'سینے کو آئینے سے اور ترک تار کو کبک و شاہباز سے تشبیہ ہے  
 ہے۔ آخری تشبیہ سے مراد یہ ہو کہ گھوڑا اس تیزی سے بھڑکتا ہے جس طرح شاہباز کبک ہے۔ ان معنیوں میں  
 صنعت لعل و دھرم تب ہو۔ ترک تار تیر حملہ بھیت۔ لے پڑی جہاں شہسوار کی اصطلاح میں  
 لھوڑے کو رافوں میں دبا دھنا۔ گھوڑے پر جم کو بیٹھنا۔ گے شہسوار کی اصطلاح میں گھوڑے کی باگ  
 اس طرح کہ باگ گھوڑا اپنا سر اٹھا ہے اور ادھر ادھر جھنسنے کو ہے۔ گے گھوڑے پر بیٹھے اور باگ لینے کا طریقہ۔

گھوڑوں نے کس پرے میں قیامت بپا نہ کی      فاقہ تھا پر کی سنگ و دو میں ڈرا نہ کی  
 وہ کون سی گڑھ تھی کہ تیغوں نے دانہ کی <sup>(۱۳۳)</sup>      کن سرکشوں کے جسم سے گودن جدا نہ کی  
 نیزوں کے بند قطع کماؤں کیا تھے      حلال مشکلات کے بچوں کے ہاتھ تھے  
 پیاسوں کے نیچے بھی غضب آبدار تھے      یل فاقہ صاعقہ کچھ مشعلہ بار تھے  
 دونوں ہم جو ہوئے اٹھے ذوالفقار تھے <sup>(۱۳۳)</sup>      سائے کو بھی شریک جو کیجئے تو چار تھے  
 دیکھتے تھے یہ راکب و مرکب کو زین کو      دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو  
 جیسے وہ تکیہ گاہ خضر جن کا نام ہے      پھل وہ کہ جن کو کھاتے ہی قصہ تمام ہے  
 پانی وہ جس کو کہتے کہ زہر استیام ہے <sup>(۱۳۴)</sup>      کاٹ ایسا سنگ سخت جہاں موم خام ہے  
 جو ہر وہ دم نکلے ہیں جن کی مثال پر      انشاں چنی ہوئی ہے حسین ہلال پر  
 فولاد پوش پھینکے ہتھیار چھپ گئے      گوشوں میں سر جھکا کے کہاں دار چھپ گئے  
 چار آٹھ میں جو قتل ہوئے چار چھپ گئے <sup>(۱۳۵)</sup>      زخموں کے گل بہت جو کھلے خار چھپ گئے  
 مشکل دہاں تیز بد و نیک ہو گئی      غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہو گئی  
 جن کے جئے تھے رنگ وہ بے رنگ ہو گئے      لڑنے کا حوصلہ نہ رہا تنگ ہو گئے  
 چار آئینے جو پسینے تھے چو رنگ ہو گئے <sup>(۱۳۶)</sup>      بچوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہو گئے  
 مہلت نہ سر اٹھانے کی تھی فوج شام کو      دونا بلند کر گئے جعفر کے نام کو

۱۔ نیزہ بازی کے داؤں۔

۲۔ مشکلوں کا حل کرنے والا۔ مراد حضرت علی۔

۳۔ بجلی۔

۴۔ زندگی ختم ہے۔

۵۔ نہر ملا ہوا۔

کوئی بچہ نہ رومی دماڑی جدھر گئے کچھ کچھ گئیں صفیں وہ نازی جدھر گئے  
 غازہ لگایا فتح نے غازی جدھر گئے (۳۷) پس پاتھ یکہ تازہ وہ تازی جدھر گئے  
 دھو میں خاک کا قاف سے تاقاف ہو گئیں اللہ لے مصاف صفیں صاف ہو گئیں

جلپنچے تھے خیام بن سعد کے قرین کتنی طنائیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبین  
 ہاں ہاں کا شور کر کے بڑھے سب عدوے دیں (۱۳۸) بھاگا عقب سے پیر کے خیمے کو وہ لعین  
 بھاگا ادھر تو جوش میں وہ اضطراب کے یہ دونوں بھائی رو گئے ہونٹوں کو چابکے

چھوٹے نے عرض کی یہ سراپا ہے مکرو دیکھ دیکھا حضور چھٹ گیا پنچے میں ا کے صید  
 چھپنے کی شرم ہے نہ انھیں بھاگنے کی قید (۱۳۹) فرمایا عون نے یہ ہیں استاد زرق و شید  
 بھاگا طناب کٹتے ہی کیا حیلہ ساز ہے سچ ہے حرام زادے کی اسی دانا ہے

بڑھ کر پکارے حضرت عباس عرش جاہ کس سمت ابن سعد ہے او شمر رو سیاہ  
 ذلت اٹھا کے بھاگ گیا افسر سیاہ (۱۴۰) رو کے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ  
 سر سبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتی ہیں یوں لشکروں سے شیروں کے فزند پڑتے ہیں

سلہ شہر لے کے رہنے والے۔ لے کا قدیم نام راز تھا۔ سلہ اکیلا دوڑنے والا۔ تنہا چل کر نے والا۔ ایسا شہسوار جس کے  
 بامرو کوئی گھوڑا نہ دوڑا سکے۔ سلہ قاف ایک فرضی پہاڑ کا نام ہے جو ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اس لئے  
 قاف سے تاقاف کے معنی ہوتے ہیں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔  
 سلہ مصاف، صفیں، صاف میں صنعت شبہ اشتقاق ہے۔ سلہ ہونٹھ چنانا۔ انتہائی غصے  
 کی علامت ہے۔ سلہ مکرو خریب۔

کچھ یہ مثل اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بھی آدمی کسی بہکے سے بچ جاتا ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ بڑوں  
 کا عمر بڑی ہوتی ہے۔

سلہ کسی سے بھی۔

سلہ جنگ ہوتی ہے۔ کشت و خون ہوتا ہے۔



ہاں مرد گر ہے سامنے بچوں کے آتے جائے بھاگے گا پھر تو خیر کوئی زخم کھا تو جلے  
مخفی کہ صر ہے شیروں کو صورت دکھا تو جائے (۱۳۱) بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے  
پھر سے ہیں شیر ہاتھ میں تیغ و سپر تولے گرتا ہے وہ جھکا ہوا خیمہ خبر تولے

بھاگا رئیس خود یہ خبر چار سو گئی عزت سمجھوں کی آج گئی آبرو گئی  
آنو شغال تھا نہ دیکھنے کی خو گئی (۱۳۲) خلعت پہن کے بھی نہ وراثت کی بو گئی  
جب کچھ کڑی پڑی تو جفا جو نکل گیا ضیغم جلال میں ہیں کہ آہو نکل گیا

مرتا ہے بے حیا زرو جاگیر و مال پر اک نیچے کا دار بھی رد کا نہ ڈھال پر  
آنکھیں چرائیں شیر جب آئے جلال پر (۱۳۳) سردار ہو کے چھپ گیا تفت اس جدال پر  
پائے نہ گر شکار تو جانباڑ کیا کرے کنجشک جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

باقوں میں اتنا تھم جو گئے وہ فلک پناہ خیمے کو لے کے پشت پر سب جم گئی سپاہ  
دریا کی فوج اُدھر سے ہوئی بڑھ کے سداہ (۱۳۴) چاروں طرف سے گھر گئے زینب کے رشک ماہ  
پتھر بھی تیر ظلم بھی نیرے بھی چل گئے سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

یوں تیر کھا کے فوج پر جاتے تھے وہ دلیر غصے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر  
لشکر کو کر دیا تھا زبردستیوں سے زیر (۱۳۵) انبار اودھر سروں کے اُدھر زخمیوں کے ڈھیر  
دیکھا غصے جس کی طرف زور ہو گیا تلوار جس پر سن سے چلی سرد ہو گیا

تیغیں قریبے جو لگاتے تھے اہل شر اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی کی سپر  
عباس پھر کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر (۱۳۶) کیا لڑا ہے میں آپ کی ہمشیر کے پسر  
نامی جوان بھاگ گئے شام دردم کے خیمے پر جا بڑے پسر سعد شوم کے

سلا شعلہ باز تلوار لگایا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بھی کہ جس پر چلی اس کو ٹھنڈا کر دیا۔

ہدایہ خدا بچائے کہ فوجیں کشیدہ ہیں      تیرفیں ہیں بر پھیاں ہیں سناہیں ہیں تیر ہیں  
 رد کر امام دین نے کہا اب اخیر ہیں <sup>(۱۴۶)</sup>      کب تک لڑیں کرتشہ وہیں ہیں صغیر ہیں  
 نو دس برس میں ماں سے بچھڑنے کے دن تھے      یہ کھینے کی فصل تھی لانے کے دن تھے  
 زینب کھڑی تھیں پردے کے پیچھے جو بیکراہ      خضہ خبر یہ دیتی تھی حجاب کے بار بار  
 کیا لڑا ہے میں جعفر و حیدر کے یادگار <sup>(۱۴۸)</sup>      حضرت سے مدح کرتے ہیں عباس نام دار  
 جس وقت ذکر معرکہ آرائی ہوتے ہیں      رد مال رکھ کے آنکھوں نہ حضرت بھی ہوتے ہیں  
 رد کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام      میں اک کنیزان کی وہ دونوں پسر عظام  
 مجھ کو دکھاؤ دے کہ مہر ہیں وہ لالہ فام <sup>(۱۴۹)</sup>      اس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوج شام  
 لاکھوں سے معرکہ ہے گر باجواں ہیں      بی بی وہ ابن سعد کے خیمے کے پاس ہیں  
 تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ      ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ رنگ ماہ  
 کثرت ہے اس قدر کہ پہنچتی نہیں نگاہ <sup>(۱۵۰)</sup>      وہ بھاگتی ہے اور پلشتی ہے سب سپاہ  
 آواز دار و گیر کی گردوں پہ جاتی ہے      دونوں کے منچوں کی چمکیاں تک آتی ہے  
 طبل ظفر پہ چوب لگی یک بر یک ادھر      ڈیوڑھی سے آئیں خیمے میں زینب جھکائے سر  
 عباس نے کہا شہ والا سے دوڑ کر <sup>(۱۵۱)</sup>      چلے حضور لٹ گیا بنت علی کا گھر  
 گھبرا کے کشمکش میں دم ان کے نکل جائیں      لاکھوں سوار ہیں کہیں بچے کچل نہ جائیں  
 تلوار لے کے قاسم شیریں سخن بڑھے      عباس کیا بڑھے شہ خیمہ شہ شکن بڑھے  
 مانند شیر اکبر گل پیر ہیں بڑھے <sup>(۱۵۲)</sup>      فرزند سے یہ کہہ کے امام زمن بڑھے  
 پردے میں اہل بیت نبی کے خلل نہ آئے      ڈیوڑھی پہ تم رہو کہیں زینب نکل نہ آئے

سلہ یہ ضمیر نہیں اسم اشارہ ہے۔ سلہ دھڑکڑ۔ لینا پکڑنا۔ لڑائی کے وقت کا شور و غل۔

سلہ قلعہ خیر کو توڑنے والا۔ اہل نبیر کو شکست دینے والا بادشاہ۔ مراد حضرت علی۔

پہنچے یہ تین شیر جو مقتل میں ایک بار کیا پیدلوں کا ذکر مندرای ہوئے فراز  
دیتی پر شہ کو یوں نظر آئے وہ گل عذار (۵۳) بند آنکھیں منہ کھلے ہوئے ہونٹوں پر جان زار

دنیا سے وقت کو بھی دونوں کا ساتھ ہو گردن میں ایک بھائی کی بھائی کا ہاتھ ہو

بچوں کا جانکنی میں جو پایا حسین نے بوسے لئے گلے سے لگایا حسین نے  
آنکھوں سے خون جگر گرایا حسین نے (۵۴) ہاتھوں سے منچوں کو چھڑایا حسین نے  
آغوش نہ بڑے کو شہنشاہ نے چلوٹے کی لاش قاسم ذی جاہ نے چلے

پہنچے قریب خیمہ جو شاہ فلک سرہ تھا غیر حال مرگئے رستے میں وہ صغیر  
پردہ الٹ کے خیمے کا با حالت تغیر (۵۵) فتنہ پکاری اے حرم شاہ قلعہ گیر  
دوڑو حسین خیمے میں لاشوں کو لاتے ہیں دو لہلہ بنے ہوئے سرے شہزادے آتے ہیں

دوڑے ادھر سے چھاتیوں کو پٹیتے حرم ڈیوڑھی سے پہلے آیا لچکتا ہوا علم  
دایت کے نیچے بچوں کی تھیں مبتیں ہم (۵۶) آپہنچے لڑکھڑاتے ہوئے سرور اُمم  
لاشوں کے کنگے اکبر یوسف جمال تھے کپڑے ہر اکے خون سے بچوں کے لال تھے

ماتم کی صف سے اٹھ گئیں زینب یہ کہہ کے بات لوگو کو یہ کون سے دو لہا کا ہے برات  
لاشوں کو رکھ کے غش ہوئے سلطان کا ست (۵۷) دوڑیں لٹا کے بچوں کو بانو سے خوش صفات

لڑکے بھی چھاتیوں کو ہم پیٹنے لگے لاشوں کے گردا کے حرم پیٹنے لگے  
بیٹھیں تھیں ایک گوشے میں زینب جو ننگے سر واں جا کے بولیں بانو سے ناشاد و نوحہ گر

بوسے کو لوگ جمع ہیں چلے ذرا ادھر (۵۸) فرمایا میں نہ جاؤں گی بچوں کی لاش پر  
اٹکی آستہ کی دل کو جلانے تو کیا کروں گویا فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

سہ جنگ میں عون و محمد کا ہمدردی اور استقلال دکھایا ہے کہ مرتے دم تک نیچے ہاتھ سے نہیں چھوٹے تھے۔

سہ ان لفظوں سے واقعے کی کچھ تصویر کھینچی جاتی ہے۔ سہ منکرت لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں نفس، روح، آستہ کا کٹا اوداد کے غم میں ان کا استہسائی بنے قرار ہے۔

بس سچ کی کہ نام کیا خوب لڑ چکے لاشوں پہ لاشیں لوٹ چکیں کھیت بڑ چکے  
کنہ تمام ہو چکا دو گھر اُجڑ چکے (۱۵۹) گودی میں جو پے تھے وہ بچے بچھڑ چکے  
اب ان کا غم نہ فکر مرے گھر کی چائے بی بی سلامتی علی اکبر کی چائے  
بھائی کے آگے لاشوں پہ جا کر کروں میں بین بے صبر ہے یہ دل میں کہیں گے مجھے حسین  
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نور عین (۱۶۰) کیونکر جلوں کھڑے ہیں شہنشاہ مشرقین  
روؤں گی میں تو پھر علی اکبر بھی روئیں گے صد مرے مجھ کو ہے کہ برا رہی روئیں گے  
بھائی کا حق ادا ہوا احسان کر دگا رونا ہے داں بھی میں یہیں روؤں گی زار زار  
لاشوں کو دیکھ کر مراد دل ہو گا بے قرار (۱۶۱) کی عرض آپ صاحب ماتم ہیں میں نشانہ  
چلے نہ ضبط کیجئے فریاد و آہ کو لاشوں پہ بھانجوں کی نشن آیا ہے شاہ کو  
لاشوں پہ لائیں میبیاں زینب کو تھام کر ماتم کی صف پہ گر پڑی وہ سوختہ جگر  
بولیں بڑھاکے دست مبارک ادھر ادھر (۱۶۲) بچے کہہ رہیں مجھ کو کچھ آتا نہیں نظر  
کیسی دھڑا دھڑا کیوں ہیں نوتیں لوگو نہ غل بچاؤ مرے لال سوتے ہیں  
ماں صدقے جانے لے لے زانو پہ سر رکھو اس بیکی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو  
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ دسپر رکھو (۱۶۳) آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو  
دیکھو نہ آنکھ کے نہ خوش خصال پر فوجوں کی پھر چٹائی ہے زہر کے لال پر

۱۔ یہ مصرع بتاتا ہے کہ حضرت زینب کو حضرت علی اکبر سے کس درجہ محبت تھی۔

۲۔ اس بیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب کو اپنے بھائی اور بھتیجے سے انتہا کی محبت تھی۔

۳۔ خاص سوگوار۔ مرنے والے کا سب سے قریبی عزیز۔

۴۔ اس مصرع نے واقعے کی کتنی سچی تصویر کھینچ دی ہے۔

۵۔ غم کا شدت میں سر سینہ اور زانو پٹینا۔

کیسی یہ فیند آج ہے پیادو اٹھو اٹھو امون کے ساتھ دن میں سدھا رو اٹھو اٹھو  
کپڑے لہو بھرے یہ ۲۰ تارو اٹھو اٹھو (۱۶۳) گیسو الجھ گئے ہیں سنوارو اٹھو اٹھو

ان پیادی پیاری آنکھوں پر اماں شاد ہو انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

سینوں سے تو زمیں پر رکھو ہاتھ اتار کے ماندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے  
اماں شاد گیسوؤں کے تار تار کے (۱۶۵) چونکہ اٹھو کلام کرو ماں سے پیار کے

نخل مرادیں نہ نثر ہے نہ برگ ہے اب سمجھی میں یہ نیند نہیں خواب مرگ ہے

لاکھوں سے معرکے میں دغا کر کے آئے ہو بچپن کی غفلتیں یہ نہیں مر کے آئے ہو  
دولہانے ہو خون میں سب بھر کے آئے ہو (۱۶۶) صدقے گئی دلانے کو مادر کے آئے ہو

مجھ سے بچھڑا کے تم اسی منزل میں رہ گئے ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

کیونکر ملے گا ماں کو تمہارا سراغ ہائے لوٹا اجل نے حیدر و جعفر کا باغ ہائے  
یوں بکھڑ گئے ہماری لحد کے چراغ ہائے (۱۶۷) میرا بڑھا پاؤں یہ بچوں کے داغ ہائے

ہے یہ گھر بھرا ہوا دیران کر گئے اماں کی قبر بننے نہ پائی کہ مر گئے

کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اٹے ہوئے الجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے  
سینے نگار چاند سے بازو کٹے ہوئے (۱۶۸) ہے ہے کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوئے

نہ کچھ ترک و غسل شہیدوں کو چاہیئے مرنا تو نہیں جہاں میں سعیدوں کو چاہیئے

تاہوت اٹھاتی دھوم سے مرتے وطن میں گر ہو تا پیر بھی ساتھ جنازے کے ننگے سر

قبر میں بناتی ماں کی لحد کے ادھر ادھر (۱۶۹) کیا حشر ہو گا پہنچگی شیر لب میں جب خبر

ام البنین پیٹنی روئے یہ جائیں گی صغرا کے پاس بییاں برسے کو آئیں گی

۱۔ شہر مدینہ کا قدیم نام۔ ۲۔ حضرت عباس کا والدہ کا نام۔

۳۔ رسول۔

کچھ تھیں بتاؤ میں غربت میں کیا کروں نہ گھر ہے نہ وطن ہے مصیبت میں کیا کروں  
 بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں <sup>(۱۶)</sup> فاقوں میں تشنگی میں مصیبت میں کیا کروں  
 راحت نہ روح کو نہ کسی دل کو صبر ہے پانی نہ غسل کو نہ کفن ہے نہ قبر ہے

مجبور تم ہو ماں بھی ہے ناچار میں نشاہ تنہائی میں خدا ہے مدد گار میں نشاہ  
 راستہ برا ہے باوجود کہ ہتھیار میں نشاہ <sup>(۱۷)</sup> چھوٹے مرے پس سے خبردار میں نشاہ  
 اللہ اس سفر کی بلاؤں کو دور کرے کھڑکا جہاں ہو بھائی کی بھائی مدد کرے

سنتی ہوں اس سفر میں خطر بے شمار ہیں جانیں وہی اسے جو میان مراد ہیں  
 پرش ہے روک ٹوک ہے جنگل ہے خدا ہیں <sup>(۱۸)</sup> وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گزار ہیں  
 منزل کا شب کی ماں کو پتارے کے جائیو قربان جاؤں ساتھ مجھ لے کے جائیو

دن ڈھل گیا قریب ہے شام اے مسافر و کس بن میں شب کو ہو گا مقام اے مسافر  
 کچھ تو کرو زباں سے کلام اے مسافر <sup>(۱۹)</sup> بھیجے گئے کب پیام و سلام اے مسافر  
 بیٹوں کی پہلوؤں میں جو تم کو نہ پاؤنگی میں سب کو ڈھونڈتے ہوئے جنگل میں آؤنگی

کتنا تھا باپ شب کو غنچے نکلنے پاکیں بھولے ہیں راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں  
 دربار میں بھی ہوں تو سوچے سے گھر میں آئیں <sup>(۲۰)</sup> ہے جب یہ دشت ظلم جو کرتا ہے سائیں سائیں  
 پہنچوں گی کس طرح میں ڈر ڈر کے روؤنگے دارا اندھیری قبر میں کس طرح سوؤنگے

یہ بین کر کے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر غش آیا سانس اٹ گئی ٹکڑے ہوا جگر  
 اک حشر تھا کسی کو کسی کی نہ تھی خبر <sup>(۲۱)</sup> بانو پکاری سوئے علم دار دیکھ کر  
 بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں گور نہ جائے لاشے اٹھاؤ شاہ کی ہمشیر نہ جائے

بس اے انیس طول سے بہتر ہے اختصار ہاں ختم کر کے مرثیہ شاہ نام دار  
 خالق سے ہاتھ اٹھا کے دعا کر بانکسار <sup>(۲۲)</sup> قائم رہے جہاں میں یہ شاہ فلک وقار

ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو حامی جناب فاطمہ زہرا کا ماہ ہو

سلاہ مرثیے میں شاہ کا لفظ بالعموم امام حسین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں شاہ سے شاہ ادھ مراد ہے۔

مکمل نہیں، عہد سے عبادت تیری  
بذل و کرم و عطا ہے عادت تیری  
صحرایا ہیں گو کہ عصیاں میرے  
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری  
افزون ہے ترے غضب کی رحمت تیری  
جنت، انعام کہ کے دوزخ میں جلا  
وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے  
کیا عزو و شرف امامِ غازی کا ہے  
سجدے کا نشان دیکھ کے سب کہتے ہیں  
نیزے پہ یہ سرکشی نمازی کا ہے

شہسہ ہر سو جو خوش گاہی کا ہے  
باعثِ مدح امامِ نامی کا ہے  
میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا  
آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے

دل کو مرے شغلِ غم گساری کا ہے  
غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے  
گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرہ  
ہم کو بھی غرورِ خاک ساری کا ہے

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو  
ذی فہم سے لطفِ نکتہ دانی پوچھو  
توقیرِ کلام حق سمجھتا ہے کلیم  
موسیٰ سے رموزِ لہنِ ترانی پوچھو

ہاں بعد فنا سخنِ نشان ہے میرا  
دنیا میں یہ باغِ بے خزاں ہے میرا  
تا حشر ہے گلا نام اس سے روشن  
ہر شعرِ چراغِ دو دماں ہے میرا

### مرثیہ (۳)

جب دن میں سر بلند علیؑ کا علم ہوا      فوج خدا پہ سایہ ابر کو کم ہوا  
چرخ زبر جبر سی پے تسلیم خم ہوا      پنچے پہ سات بار نقد قحشتم ہوا  
دیکھنا نہ تھا کبھی جو علم اس نمود کا      دونوں طرف کی فوج میں غل تھا لٹکا  
وہ شان اس علم کی وہ عباس کا جلال      نخل زمردی کے تلے تھا علی کا لال  
پر جم یہ جان تھی تھیں پر یوں کا تھا یہ حال      غل تھا کہ دوش عور یہ بکھڑے ہیں بال  
ہر لہر ابد رتھی کوثر کی موج سے      طوبی بھی بگیا تھا پھر شے کے اوج سے  
تھا پختن کا نور جو نیچے میں جلوہ گر      آئے کی تیلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر  
ذرے نثار کرتے تھے اٹھ اٹھ کے اپنا زر      تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بزر  
اندر ہی چمک عالم بو تر ایش کی      تارِ نظر بنی تھی کون آفتاب کی  
قربان احتشامِ علم دار نامور      بیخ پر جلالت شہِ مرداں تھی سرسبز  
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر کی نظر      قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر  
پھایا تھا رعب لشکر ابن زیاد پر      غل تھا چڑھے ہیں شیر اکی جہاد پر

لے وہ فوجی نشان جو کبھی حضرت علیؑ کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ حضرت علیؑ جہاد میں لشکرِ رسول کے علم دار رہے تھے۔  
لے یہ عربی جملہ اللہ صل علی محمد و آل محمد میں سے معنی میں خداوندانِ محمد و آل محمد پر رحمت نازل کو مسلمان جب کوئی  
اچھی چیز یا اچھی صورت دیکھتا ہے اس پر اور اچھی خوشبو سونگتے ہیں تو یہ سونگتے ہیں۔ دُود کے لغوی معنی ہیں دعا۔ تعریف  
شکریہ و محبت برکت۔ لے لشکرِ اسلام کے علم کا پھر ہر سبز تھا۔ اس لیے اس کو استعاضے کے طور پر زمردی درخت کہا ہے۔  
لے بہشت کا ایک عظیم انسان درخت ہے مثلث کی شکل کا بڑا سا پتھر جو علم کی پھر میں گایا جاتا ہے۔ لے اندھا۔  
لے حضرت علیؑ کا ایک لقب ابوتراب بھی تھا (دیکھو ص ۱۹ حاشیہ) لے علم میں اس حد کی چمک تھی کہ آفتاب  
بھی اس کو کھرت سے دیکھ رہا تھا اور اس کی ہر کون ایک تارِ نظر بن گئی تھی۔



وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم  
 پنچے کی وہ چمک وہ سرافرازی علم  
 کیا رفعت نشان سعادت نشان تھی  
 بچہ اٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار  
 یہ شش بہت انھیں کے قدم سے ہو برقرار  
 آٹھوں بہت ملتے ہیں مولیٰ کے نام سے  
 غزفوں سے جھانک جھانک بولی ہر ایک حور  
 یارب رہے نگاہ بر اس کی ضیا سے دور  
 جلوے ہیں سب محمد وحید کی شان کے  
 آگے کبھی نہ دکھی تھی اس حسن کی سپاہ  
 دکھیں کسے کسے کہ ہر ایک ایک رشک ماہ  
 دکھو انھیں مومن سے ہو رفت زین کو  
 فہرہ بہت تھا حسن میں کفوں کے ماہ کا  
 یاں آفتاب کو نہیں یار انگاہ کا  
 سنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد زشت ہے  
 (۵) گوتی تھی برق فوج مخالف پہ دم بدم  
 سائے میں جس شان کے طوبی شان تھی  
 عالم میں یختن کی بزرگی ہے آشکار  
 (۶) کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہولے قوم نابکار  
 بیعت کو حسین علیہ السلام سے  
 صل علی علم کی چمک ہو کہ برق طور  
 (۷) پنچہ ہے یہ کہ ایک جگہ یختن کا نور  
 قربان اس جواں کے نثار اس نشانج  
 دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ  
 (۸) جاتی ہو جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ  
 چمن کو حسین لائے ہیں کس کس حسین کو  
 قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا  
 (۹) یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا  
 ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہت ہے

لے اس بند میں پنچہ یختن شش بہت، ہفتہ دوست، آٹھوں بہت کے لفظوں میں صفت سیاق

الاعداد ہے۔ لے چند روزہ دوست بے وفادوست۔

لے یکراختین ہے اور اللہم صل علی محمد وآل محمد کا مخفف ہو جس کے معنی ہیں خداوند  
 محمد اور آل محمد پر رحمت نازل کر۔ اس جگہ کو درد کہتے ہیں۔

لے حسین اور حسین میں صفت تجنیس محرف ہے۔

ہم شکل مصطفیٰ کا ہے کیا حسن کیا جمال  
 صبح جیں بھی اور شب گیسو بھی بے مثال  
 یہ لبتے یہ خطے چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال<sup>(۱۰)</sup>  
 یا قوت و شک و زخم و انجم و دم و ہلال  
 اک گل پہ یاں ہزار طبع کی بہار ہے  
 چہرہ نہ کیجئے قدرت پروردگار ہے  
 سخت دل حسن بھی ہے کس مرتبہ حسیں  
 جس کے چراغ حسن سے روشن ہو سب زمیں  
 یہ زلف مشک بیزیہ آئینہ جیں<sup>(۱۱)</sup>  
 سر بایہ خطا و ختن کائنات جیں  
 رخ کی بلایں لیتی ہیں پر یاں کھڑی ہوئی  
 ہر گز ہر گز میں نہ نکھن لڑائی ہوئی  
 نام خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل  
 اک ہر بے نظیر ہے اک بدو بے عدیل  
 افزوختہ ہیں رخ یہ شجاعت کی ہے دلیل<sup>(۱۲)</sup>  
 ہمت بڑی ہو گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل  
 مثل علی ہیں جنگ بدل پر تلے ہوئے  
 دو دنوں کے بچو گئے ہیں ڈھلے کھلے ہوئے  
 عباس نامور بھی عجب سچ کا ہے جو ان  
 نازاں ہو جس کے دوش منور پہ خود نشان  
 حمزہ کا رعب صولت جعفر علی کی شان<sup>(۱۳)</sup>  
 ہاشم کا دل حسین کا بازو حسن کی جان  
 یوں نگرہ عشق ہو شہر گردوں جناب کو  
 حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

دہائیں

دہائیں

۱۔ ان سہروں میں صنعت لطف و نشر کی ایک خاص صورت ہو۔ ہر مصرعے میں چھ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔  
 نشر کی تین تین چیزوں میں لطف و نشر مرتب اور آخر کی تین تین چیزوں میں لطف و نشر معکوس الترتیب ہو۔  
 لے ان مصرعوں میں صنعت لطف و نشر مرتب ہو۔ خطا اور ختن کا مشک اور حسین کا آئینہ کسی زمانے میں مشہور تھا۔  
 سہ لڑائی دو مرتبہ و معنوں میں آیا ہو۔ اس سے صنعت بھینس تمام پیدا ہو گئی ہے۔

سہ تلوار یا نیچے کا قبضہ ایک دوسرے سے میان کے کسمے میں باعہد یا جاتا تھا جب اس کو میان سے نکالنا  
 ہوتا تھا تو وہ ڈورا کھولا جاتا تھا۔ اس لیے نیچوں کے ڈورے کھلے ہوئے ہونے سے عون و محمد کی جنگ پر آوازیں  
 ظاہر ہوتی تھیں۔

۲۔ شرف کے معنی بلند یا بزرگی، برتری وغیرہ ہیں مگر یہاں شاعر نے اس لفظ کو آفتاب کے ساتھ لا کر  
 ایک اور معنی کی طرف بھی ذہن کو منتقل کر دیا ہے کسی ریاست کا اپنے اصلی برج میں آنا بھی اس کا شرف  
 کہلاتا ہے۔ چنانچہ برج محل میں آنا آفتاب کا شرف ہے۔

اُس ہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب سرتاج آسمان زمیں و درعرس رب  
 ابر کو م حند یو عجم خرد و عرب <sup>(۱۳)</sup> عالی ہم امام امم شاہ تشہ لب  
 جنباں زبان خشک ہو ذکر اکہ میں گویا کھٹے ہیں ختم ریل رزم گاہ میں  
 کیا فوج تھی حسین کی اس فوج کے نثار ایک ایک آبروئے عرب فخر و وزگار  
 جزا و دیں پناہ و نمودار و نام دار <sup>(۱۵)</sup> لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گل عذار  
 فوجیں کوئی ساتی تھیں کی نگاہ میں وہ سب پلے تھے بیشہ شیر اکہ میں  
 ایک ایک ملک جرأت و ہمت کا بادشاہ کیوں خدم سپہر حشم عرش بارگاہ  
 آنکھیں غزال رشک مگر شیر کی نگاہ <sup>(۱۶)</sup> وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ  
 دیکھا تو دل کو توڑ کے بھگی نکل گئی ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی  
 وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے دلوں بیتاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب چلے  
 چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے <sup>(۱۷)</sup> سب فاطمہ کی بیٹیوں کی گود کے پلے  
 اک اک سولہ کی کھد کا چرخ تھا جس پر علی نے کی تھی ریاضت باغ تھا  
 اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیسے یہ نیچے نہ لیوں گے دم بے ابو پیے  
 گوج مر گئے تو قیامت تلک جسے <sup>(۱۸)</sup> صدتے ہو اس قدم یہ سیر ہوا اسی لیے  
 آفاکے آگے لطف ہو تیغ آزمائی کا آج آپ دیکھیے گامتا شاہ لڑائی کا  
 بچپن یہ خادمان الوالعزم کے نہ جاتیں جب چاہیں معرکے میں ہیں آپ آردائیں  
 تن تن کے کوئی پھیلا نہیں نہیں کے زخم کھائیں <sup>(۱۹)</sup> بجلی گئے تو مہر پہ بھجک کو سپر نہ لائیں  
 بچکے پلک کسی نے تو آنکھیں نکالے بڑھ کر سیٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالے

لے اضافت مقلوب ہے۔ یعنی رشک غزال۔ جن پر ہر نوں کو رشک ہو۔

کہتے تھے مسکرا کہ یہ زینب کے دونوں لال  
 ہر وقت چاہیے مدد شیر ذوالجلال  
 اتری ہو تیغ جن کیلے وہ دلیر ہیں  
 یہ پیچھے جو کھڑے تھے باہم وہ گل عذار  
 پاس آ کے عرض کرتے تھے عباس نام دار  
 جرات ٹپک ہی ہو ہر اک کے کلام سے  
 یہ سنی یہ زہد شور یہ عمر میں یہ آن بان  
 باتیں رنج سے کم نہیں اللہ سے خوش بیان  
 کس بد بے سے کا نہ ہوا حق نیر سے بھالے ہیں  
 زینب کے لاٹوں کی طرف دیکھیے حضور  
 رخ پر جلال شیر خدا کا ہے سب ظہور  
 دونوں میں صاف حیدر جعفر کے طور ہیں  
 یہ ذکر تھا کہ بخنہ لگا طبل اُس طرف  
 تیروں نے رخ کیا سوئے ابن شہ نہخت  
 تھا بیکہ شوق جنگ ہر اک رشک راہ کو  
 غصے سے آفتاب ہوئے مردوشوں کے رنگ  
 تن تن کے بچھاں جو سنبھالے برائے جنگ  
 پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے ٹھگ گئی  
 پڑی ہر اک سوار لکھوڑے یہ ہم گئی

لے پوشیدہ نظر کرنا۔ نگاہ پجاکے دکھنا۔ نیچی نظروں سے کسی کو اس طرح دکھنا کہ اس کو خیر نہ ہو۔

لے وہ فخریہ اشعار جو پاسی میدان جنگ میں پڑھتے تھے۔

سے خدا پناہ میں رکھے۔ کلے خوف ہے۔

تنہا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے  
 بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے  
 (۲۶) ملک طے اڑائیں گے عمر و شمر شوم کے  
 نام وہیں جو آنکھ چراتے ہیں مرد سے  
 دو لاکھ سے نظر کسی غنازی کی لڑ گئی  
 چتون کسی کی شیر و بل سے بگڑ گئی  
 (۲۷) منہ سرخ ہو گیا شکن ابرویہ پڑ گئی  
 نکلا کوئی سمندر کوراؤں میں دابکے  
 غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاٹنے  
 بڑھ کو کسی نے تیر ملایا کسان سے  
 (۲۸) نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے  
 نعرہ کسی کا یار ہوا آسمان سے  
 تلواریں کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے  
 اک شور تھا کہ تلخ کیا ہوجیات کو  
 لاشوں سے چل کر پاٹ دو ہنر ذات کو  
 (۲۹) لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کو  
 یارب شکست کو فیوں کو فہمیں ظفر  
 جاکر در یزید پہ اپنا علم گھڑے  
 تیراں طرے آچکے اب کس لیے ہے دیر  
 (۳۰) مولانا غلام سے نہیں رکھنے کے یہ دیر  
 شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ  
 مرنے پہ ایک دل ہے بہتر و نسا شاد  
 (۳۱) ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار  
 اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی  
 کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر  
 (۳۲) ہنگام جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر  
 بچوں کو یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں  
 سننے ہی یہ کلام جو انان نام و  
 کہتے تھے نیچے لیے وہ غیرت قمر  
 سر کے نہ پھر جو بڑھ کے غماں قدم گئے  
 عباس شہ سے کہتے تھے پھر ہوئے ہیں شیر  
 (۳۳) دودن کی بھوک پیاس میں ہیں ندگی سے سیر  
 پیاس ادب غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ  
 کس کو ہٹائے کس کو بھٹائے یہ جاں نشاد  
 ہو مصلحت تو دیجئے اب اذن کار زاد  
 (۳۴) برہم ہیں سرکشی پورا ان شام کی  
 جب روکتا ہوں میں انھیں لے آسمان سریر  
 باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکر مشیر  
 (۳۵) کس فکر کی نظر سے عینوں کو تکتے ہیں

اک اک جوی کو نشہِ جوات کا جوش ہے عالم ہے بخودی کا پہ مرنے کا جوش ہے  
 ہر صفت میں یا علی ولی کا خردش ہے <sup>(۳۳)</sup> کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے  
 مشتاق ہیں پیاس میں تیغوں کے گھاس کے ڈر ہو کر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

حسرت سے کی سوئے زلفا شاہ نے نظر بولے حبیبِ نذر کو حاضر ہیں سب کے سر  
 فرمایا نشہ نے ہم بھی ہیں آمادہٴ سفر <sup>(۳۴)</sup> اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نام در  
 یہ راہ حق جو قدم آگے بڑھائے گا دربارِ مصطفیٰ میں ہی پہلے جائے گا

مزدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوج کیوں  
 جب نعرہ زن ہوئے صفت شیر خشم گئیں <sup>(۳۵)</sup> تھرائے آسمان کے طبق ہل گئی زمین  
 برپا تھا شورِ دلیروں کی حربے فوجیں تو کیا جہاں تر و بالا تھا ضربے

الشہرے جہاد حبیب و زکیر تین اشہرے جہاد حبیب و زکیر تین  
 جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین <sup>(۳۶)</sup> مقتل میں پڑتے ہوئے دوڑے گئے حسین  
 یوں جاکے روئے ان کے تنِ پاش پاش پر جس طرح بھائی روناہو بھائی کی لاش پر

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پیرا کا نیا سپہرہ نے دمِ سردیوں بھرا  
 کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا <sup>(۳۷)</sup> گھر روئے آپ ہاتھ جگر پر کھئی دھرا  
 لڑکے بوکت یک کئی انھوں سے کھو گئے مکتوبِ حسن کی طرح کیلجے کے ہو گئے

لے وہ جگہ جہاں سے تلوار کا خم شروع ہوتا ہے۔

لے منتخب۔ برگزیدہ۔ رسولِ عربی کا ایک لقب۔

سے زہیر ابنِ قین۔ امام حسین کے ایک دفا دار رفیق۔

۳۷ امام حسن امام حسین کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کو زہر ہلایا گیا تھا جس نے آپ کے کیلجے کو  
 ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

تھی قرحق عقیلؑ کے ہوتوں کی کارزار شمشیر حیدری کا نو نہ تھے جی کے دل  
 عزت عرب کی رکھ گئے جعفر کے یادگار<sup>(۳۸)</sup> تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوکے شکار  
 فتح و ظفر تھی مثل علیؑ اختیار میں نیچے میں تھا وہی جسے ناک ہزار میں  
 ہلکے برادران علمدار صف شکن دکھلا دیئے علیؑ کی لڑائی کے سب چلن  
 بے سر تھے مورچوں میں جو انان پیل تن<sup>(۳۹)</sup> لاشوں پر لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا دن پر دن  
 آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک الفکار کی عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی  
 تھا چھوٹے بھائیوں کے لئے مضطرب و دل گرشہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل  
 نعرہ یہ تھا کہ شیر بے ماں کا تمھیں بھل<sup>(۴۰)</sup> شیر در کے نہ ہاتھ بدن گو بے مضصل  
 یہ وقت آبرو بے بڑی جد و کد کرو ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو  
 اٹھو پڑوں کو بڑھ کے صفوں کو بچھا کے آؤ ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ  
 جب باگ اٹھاؤ فوج کے اس پار جا کے آؤ<sup>(۴۱)</sup> یامر کے آؤ یا انھیں دن سے بھگا کے آؤ  
 ہاں صفدر نشان نہ رہے فوج شام کا بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا  
 رو کہ حسین کہتے تھے بھائی سے دم بدم دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم  
 جینے نہ دیگا آہ ہمیں بھائیوں کا غم<sup>(۴۲)</sup> عباس عرض کرتے تھے اے قبلہ اسم  
 اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام تھا صدقے نہ کس طرح ہوں کہم غلام ہیں  
 بے جاں ہوئے جو داد خدا میں وہ شیر نہ حضرت ضعیف ہو گئے ختم ہو گئی کمر  
 ماتم میں تھے کہ موت نے لٹا حسن کا گھر<sup>(۴۳)</sup> اک دم میں قتل ہو گئے دو نو جواں پسر  
 سب چل بیسے بچاؤ علیؑ پاس رہ گئے ستر دو تن میں اکبر و عباس رہ گئے

۱۔ عقیل حضرت علیؑ کے بھائی تھے اللہ کے دو بڑے جعفر ہیں محمد اور عبد اللہ ہی مسلم کہلا میں شہید ہوئے۔

۲۔ حضرت علیؑ اکبر موت میں رسول سے اور حضرت عباسؑ و عقبہؓ شجاعت میں حضرت علیؑ سے شاہ تھے اس لئے  
 شاعر نے مجازاً اللہ کو نبی و علیؑ کہا ہے۔

آیا نظر جو لاشہ نوشاہ نیک خو  
 کی غیظ کی نظر طرب لشکرِ عدو  
 نکلی یہ بات جوش بکامیں زبان سے  
 بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا  
 طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا دامِ مصیبت  
 حشر یہ ہو کہ تیغوں سے تن پاشخاش ہو  
 شہ نے کہا کہ سچ ہو یہ ایسا ہی ہے الم  
 بازو کا ٹوٹنا اہل آنے سے کیا ہے کم  
 تازہ تھا غم پر کاغذی دل سے نوشکی  
 بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات  
 خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات  
 صدے بھلائے دل حسن کی جدائی کے  
 ہے ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزہ  
 ملتا ہے بات بات میں ہر دم نیا مزہ  
 قائم رکھے خدا کر علی کے نشان ہیں  
 قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور  
 ہوتا ہو زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور  
 تم پہلوؤں میں تھے جو یکسب سنبھل گیا  
 اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا اہو  
 پہلو سے آئے دو تپتے شہ کے درو برد  
 قاسم کے ساتھ جا چکے ہم بھی جہان  
 سوئے تو ایک فرش پہ پھیلے تو ایک جا  
 مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا لطف کیا  
 پہلو میں بن عم کے ہماری بھی لاش ہو  
 خالی جہاں میں بھائی کو بھائی کاٹنے نہ غم  
 مرم کے غم میں بھائی حن کے جیسے ہیں ہم  
 عباس نامدار نہ ہوتے تو موت تھی  
 بیکس کے ٹکسار تھے یہ یا خدا کی ذات  
 سو یا جو میں تو ان کو کئی جاگنے میں رات  
 رنے نہیں دیا بھگے نام میں بھائی کے  
 بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزہ  
 اوجھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزہ  
 مالک سی ہیں گھر کے سی تن کی حال میں  
 پھر اجداد میں ایک تو ہم ہیں کنار گور  
 جب بتلیاں جدا ہوں تو خیمِ بشر ہے کور  
 پھر خانہ ہر جسم سے جب تم نکل گیا

اے حضرت قاسم ابن حسن جن کا عقد بقول بعض شہادت سے ایک دن قبل امام حسین کی  
 ایک صاحبزادی کے ساتھ ہوا تھا۔



ان سے نشان علی کا ہو تم سے ہمارا نام  
میت کے دفن کا بھی مقدم ہے اہتمام  
تربت پہ تم سے گل ہونے دل مانع ہو  
کچھ نہ ذکر ہجر یہ صدمہ ہے دل خواش  
ہو گا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش  
روئے کو کوئی دوست یاد کرنے ہو  
اکبر نے سن کے باپسے یہ اشک خوں بہائے  
ہو زندگی ہی کہ میں پہلے موت آئے  
دست قوی میں نیزہ و صمغام کیلئے  
بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ با و شا  
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہم شکل مصطفیٰ  
ہم تم تو ساتھ گلشن ہستی سے جائینگے  
اچھے قدم سے آپ کی الفت کے میں نثار  
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ ولادہ نام دار  
ایسا نہ ہو بھل ہوں سالتاب سے

(۵۰) گھر مٹ گیا غائبی کا جو دونوں ہوئے تمام  
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام  
اندھیر ہی جو قبر پر بے چراغ ہو  
پھر بد رکھ و کفن و گور کی تلاش  
دو شخص چاہیے کہ اٹھائیں ہماری لاش  
فرزند پائنتی ہو برادر سڑانے ہو  
عباس بول اٹھے نہ خدادہ گھر طی دکھائے  
خاک اس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے  
پاسے ہیں کیا یہ ہاتھ اکا کام کیلئے  
بھک کو کہا حسین نے بھائی یہ کیا یہ کیا  
باتیں تو ان سے تھیں تھیں کیوں غیظ آگیا  
اچھا ہماری لاش کو اکبر اٹھائینگے  
غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار  
بے اذن جنگ سر نہ اٹھائے گا خاکسار  
پہلے مردوں کا اکبر عالی جناب سے

(۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴)

نہ دیتے ہیں جان و مال و فاقہ کام کیلئے

لے عمدہ قسم کی تلوار جو طیر مٹی نہ ہو سکے۔

لے غصے کی حالت میں تمہیں خیال نہیں رہتا کہ ہم کو تم سے کتنی محبت ہے۔ ہم تم کو لڑنے  
مرنے کی اجازت کیوں کر دے سکتے ہیں۔

صدقہ علی کی روح کا اکسیر کو رو دیکے  
 نور نگاہ بانٹھے جگے پر کو رو دیکے (۵۵)  
 پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں  
 شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے  
 فرقت میں ہم میں کہ جنیں خیر جائیے (۵۶)  
 زود جو کو پیٹے ہوئے سر دیکھ لیجئے  
 عباس شہ کے گرد پہرے اٹھ کے سات بار  
 بولایہ پیکر شاطر فوج ستم شعار (۵۷)  
 خود دیکھ کر حال پھر یوں میں رہے  
 تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمرام  
 تیغوں سے گھاٹ لوک تو آیا وہ نیک نام (۵۸)  
 دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہو شیر سے  
 دل ہل گئے پناہ کے سنتے ہی تھیسر  
 ہل چل میں اس طرف کے پرے ہو گئے ادھر (۵۹)  
 پیچھے ہیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا  
 دے کر قسم شبیہ سمیپیر کو رو دیکے  
 اے آفتاب دین مراد کو رو دیکے  
 آفتاب شام ہوا دریں غلام ہوں  
 لیجئے رضا جنگ نہ آنسو ہسائیے  
 اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے  
 بچوں کو ادرا یک نظر دیکھ لیجئے  
 بھائی کو گھر میں لے کے چلے شاہ ذی وقار  
 واژن جنگ پاچے عباس نامدار (۵۷)  
 لے گئے ہیں خیمے میں نہایت شاہ سے  
 نعرہ یہ دمدم تھا کہ اب ہم ہوے تمام  
 اب معرکہ ہو تو کرا اے ساکتان شام (۵۸)  
 بھولے گی مشکلوں میں ترانی دیر سے  
 کانپے مثال بید جوانان پر جسگر  
 ساحل سے ہٹ کے نہر بکاری کہ اکھڑ (۵۹)  
 دریا جو بارہہ پر تھا وہ اٹا روانا

۱۔ امام حسین کے صاحبزادے حضرت علی اکبرؑ جو پیغمبر عرب حضرت محمدؐ سے بہت مشابہ تھے۔  
 ۲۔ حضرت علی اکبرؑ کی مادر گرامی کا نام ام لیلیٰ تھا حضرت شہزادہ آپ کی سوتیلی ماں تھیں مگر رضویوں  
 میں اکثر ان کو حضرت علی اکبرؑ کی حقیقی والدہ قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ بے چارہ۔ مجبور۔ بے بس۔

۴۔ اہل حرم۔ عزت والی عورتیں۔

۵۔ یزید کی کثیر فوج جو آگے بڑھتی چلی آتی تھی۔ اس کو بڑھتے ہوئے دریا سے استعارہ کیا ہے۔

ٹٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پنے عدال  
 الشری ہی ہیمیت خلف شیر ذوالجلال  
 مخدرد ہو کے رہ گیا ہر جوان کا  
 تھکاشش بہت میں غل کہ یہ ہر روز انقلاب  
 اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب  
 حلا غضب ہو بازو شاہ حجاز کا  
 ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گوداک طرف  
 کٹے ہوئے تھے کوٹنے کے نامرداک طرف  
 بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو بھوڑ کے  
 تھی اتنی سپاہ منلالت شعاریں  
 سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں  
 چہرے تھے زرد خون سے مید کے لال کے  
 سر کو دہائے فوج مخالف تھے بے حواس  
 سب کا یہ قول تھا کہ ہونی زندگی سے یاس  
 طاقت میں بھی ہے بازو دلیر کے  
 اس فوج میں تو ہو یہ تزلزل یہ انتشار  
 مضطرب ہیں بیاباں شد والا ہیں بے قرار  
 بیٹا کھڑا ہو چاک گویاں کیے ہوئے

برہی گوی زمین پکسی کی کسی کی ڈھال  
 کا پسی زمین کھڑے ہوئے روئیں تو کئے بال  
 دشت نبرد کھیت بنا زعفران کا  
 اٹے گا اس میں کا ورق ابن بو تراب  
 بس اب بنا عالم ارکاں ہوئی خواب  
 لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا  
 بھرتے تھے خبری بھی دم سرداک طرف  
 تھے رو بہا شام کے سب نداداک طرف  
 ضیعہ نکل گئے تھے لڑائی کو بھوڑ کے  
 اس صف میں تھی وہ صف یہ تھا اس تھا میں  
 وہ جائے امن ڈھونڈتے تھے کا انداز میں  
 نام دم بھپھپے تھے گھونگٹ میں لال کے  
 کچھ شمر کے قریب گئے کچھ عمر کے پاس  
 ضرب علی ہے ضرب عداد حق شناس  
 خیر کشتا کا زور ہے پنجے میں شیر کے  
 ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباس نامدار  
 بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں زائر دار  
 روتی ہو سوکھی شک سکینہ لیے ہوئے

لے ڈھال کی آڑ کو گھونگٹ کہہ کو شاعر نے یزیدی فوج کے بزدل سپاہیوں کو عورت بنادیا۔ یعنی جس طرح عورتیں  
 گھونگٹ میں منہ پھیلاتی ہیں اسی طرح وہ ڈھال میں منہ پھیپے ہوئے تھے۔ کہ یزیدی فوج کا سردار عمر ابن سعد  
 نے خیر کا قلعہ فتح کرنے والا مراد حضرت علیؑ کہ حضرت سکینہ امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی تھیں تین برس کا  
 بن تھا اودودون کی پیاس۔ مشک اس غرض سے لائی تھیں کہ اپنے چچا سے پانی منگوائیں۔

منہ دکھیتی ہے باپ کا جب وہ بہ چشم تر  
لٹا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر<sup>(۶۶)</sup>  
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو  
بھائی کے اضطراب سے زینب کا ہو یہ حال  
عباس سے یہ کہتی ہے رو کر بھند لال<sup>(۶۷)</sup>  
کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے  
دیکھو تو حال سبط رسول فلک اساس  
ہے کثرت سیاہ میں تنہا وہ حق شناس<sup>(۶۸)</sup>  
عاشق ہو دلبر اسد ذوالجلال کے  
عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں  
اٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا دعا کروں<sup>(۶۹)</sup>  
پہنچاؤ فیض سید خوش خوں کے ہاتھ سے  
نصحت طلب ہو شاہ سے اکبر سالار و نام  
لشکر دیکھے نہ اب اسے خواہر امام<sup>(۷۰)</sup>  
بلکہ میں ساتھ ماں نہیں سر پرید نہیں  
باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکائے سر  
چہرہ توفی ہو گود میں ہے چاند سا سپر  
موقع نہ رکھنے کا ہو نہ بول سکتی ہو

کہتے ہیں یہ اٹا دے سے سلطان بحر و بر  
جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر  
دامن تبا کا ننھے سے ہاتھوں کے تھام لو  
ڈھلکی ہوئی ہو سر سے دوا اور کھلے ہیں بال  
چھوڑ دے نہ شہ کو اسے اسد کبریا کے لالی<sup>(۷۱)</sup>  
بھیا کہ ہر چلے مے بھائی کو چھوڑ کے  
بیٹے کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس  
قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس<sup>(۷۲)</sup>  
بازو قوی نہیں ہیں ہر کے لال کے  
کیونکہ حق امام زماں کا ادا کروں  
یہ سر ہو اس لیے کہ قدم پر نسا کروں<sup>(۷۳)</sup>  
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے آٹھ سے  
شہزادہ مرنے جائے سلامت ہے غلام  
وہ امر کبھی کو بڑھے جس سے میرا نام<sup>(۷۴)</sup>  
میں کپ غلام تو ہوں گو سپر نہیں  
تھرا رہی ہے زو جبہ عباس نامور  
مانع ہو شرم روتی ہے منہ پھیر پھیر کو  
حضرت کھنڈ کو زخمی آنکھوں سے نکلتی ہو

زادہ کو شہزاد

لے بھائی سے دل کو جو تعویذ رہتی ہو اس کی بنا پر اسے بازو اور قوت بازو دہستے ہیں۔  
کہ یہ حسرت بھری نگاہ امید و بیم کی حالت ظاہر کرتی ہے کہ دیکھے امام حسین میرے شوہر کو جنگ کی اجازت  
دیتے ہیں یا نہیں اس نگاہ میں رحم کی التجا اور لاذن جنگ نہ دینے کی درخواست بھی مضمر ہے۔



دیکھو کہ گھریں اور بھی رائیں ہیں تین چار  
 رہ جائے بات کہتے ہیں وہ امر ہوشیار  
 کیا کیا نہ تفرقے ہوئے ایک ایک کن میں  
 قاسم کو دیکھو جانب کبر اکو دنگاہ  
 دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بہا  
 سہتے ہیں یوں جہاں میں جھانڈ ہو نیکی  
 آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیدیاں  
 جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں  
 چرچا ہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی  
 شوہر نے یہ کلام کیے جب بہ چشمر تر  
 ہتھیار سج کے حضرت عباس نامور  
 صدمے سے رنگ بے طاشی زد ہو گیا  
 جوں جوں قریب آتے تھے عباس نامور  
 کہتے تھے اضطراب میں بھک کر ادھر ادھر  
 ہو زینت تلخ فاطمہ کے نور عین کو  
 سب گھر کی بیبیوں سے کہو میرے پاس آئیں  
 گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں  
 یہ فوجاں سنبھالے گا گھر جب دنگا میں  
 آداب شہ سے چپ میں نہیں کوئی بیقرار  
 دنیا ہو بے ثبات زمانہ ہے بے مدار  
 صاحب اکوئی بھی جایاں جہان میں  
 گوری جو شب تو صبح کو گھر ہو مگیا تباہ  
 کیا صابرہ ہے دختر شبیر داہ داہ  
 آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہو دنگے کی  
 ہونا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحان  
 ات کچھ بوز سحر سے جو پہنچے لبوں پہ جاں  
 چھوٹی ہو علی کی بڑا نام کر گئی  
 چپ ہو گئی وہ صاحب ہمت بھکا کے سر  
 آئے قریب نخت دل شہید البشر  
 کانپنے یہ دست و پا کہ بدن مرنے ہو گیا  
 بتا تھے حسین سنبھالے ہوئے جگر  
 جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمہ مگر  
 زینب کہاں ہو آکے سنبھالو حسین کو  
 بانو کہاں ہیں زوجہ عباس کو بلا پس  
 کوچ اب جہاں ہے ہمیں سب کے دیکھ جا پس  
 عباس سے ہرک کی سفارش نہ دنگا میں

یہ سن کے ساری بیدیاں آئیں بجال زار  
لے افتخار عالمیاں نو رکو دگار <sup>(۸۴)</sup>  
ہیں ذرہ پردہ کی چلن آفتاب میں  
لوگوں نے معر کے میں کیے اپنے اپنے نام  
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام <sup>(۸۵)</sup>  
مشکل ہو ایسے وقت میں رکنا دلیر کا  
ہوتا جو سب سے پہلے خدا خدام جناب  
اب ہوں ہر رک کے آگے نکالتے اب اب <sup>(۸۶)</sup>  
اب بھی نہ تیغ و تیر آگوتن پہ کھاؤں گا  
ساتھ آچے سہوں گا نہ گوشت کی جھنا  
بیزاد کیا نہ ہو گا دل شاہ لاف کشیا <sup>(۸۷)</sup>  
منے کا حظ نہ جینے کا مطلق مراد ہا  
بولے قدم پہ جھک کے یہ عباس نامدار  
ہل میں مبارز کا دھڑل ہے بار بار <sup>(۸۸)</sup>  
آقا یہ دیکر کس لیے خادم کے باب میں  
کیا میں غلام خاص نہیں یا شہ انام  
کس کام کا جو آج نہ کام آئے یہ غلام <sup>(۸۹)</sup>  
آخر پیر ہوں شیر آہی سے شیر کا  
خوش ہوتی خاک ار سے روج ابو تراب  
زہرا سے بھی حجاب بہتر ہے بھی حجاب <sup>(۹۰)</sup>  
مولا بتائیے کسے پھر منہ دکھاؤں گا  
مجھ سے رسول پاک خوشی ہوں گے یا خفا  
پھر فاطمہ کہیں گی مجھے صاحب دفا <sup>(۹۱)</sup>  
انسان کی آبرور نہ ہی جبے کیا رہا

لے ہے کوئی مقابلہ کرنے والا۔ قدیم زمانے میں عرب کا دستور تھا کہ ایک ایک سپاہی میدان جنگ میں  
اترتا تھا اور فوج مخالف سے اپنا مقابل طلب کرتا تھا۔

لے معنی میں اور کچھ نہ ہی حضرت علی کا بیٹا تو ہوں ہی جو شجاعت میں بے نظیر تھے اور جنھوں نے راہِ خدا  
میں ایسا جہاد کیا کہ شیر خدا کہلائے۔ مجھ میں باپ کی شجاعت کا کچھ اثر تو ضرور ہی ہو گا۔

لے خوش کے معنی میں خوشی کا استعمال اب متردک ہو۔

لے حضرت علیؑ "لافتنا" سے ایک شہور عربی جملے کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت علیؑ کی شجاعت کی طرح  
ہے۔ وہ جملہ یہ ہے۔ لَا قَاتِلَ إِلَّا عَلٰی الْأَسْنِيفِ الْأَذْوَالِ فَقَاتِلْ۔ (یعنی علیؑ کے سوا کوئی جہاد  
نہیں اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں۔)

پالا ہے مجھ کو یا شہد لگیر آپ نے  
 بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے  
 (۸۸) بخشی ہر سب میں عزت و توقیر آپ نے  
 دقت مدد ہو آج بھی امداد کیجئے  
 کی ہے ہمیشہ پیام سے تقریر آپ نے  
 بند و گنج کے اب مجھے آزاد کیجئے  
 (۸۹) مشکل ہو سخت لے مرے اللہ کیا کروں  
 چھٹا ہوا اب برادر زنی جاہ کیا کروں  
 جینے نہ دے گا یہ غم جاں گاہ کیا کروں  
 دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی  
 غازی نے رکھ دیا قدم شاہ دیں یہ سر  
 (۹۰) لے تن کی جان لے سبب فوت جسکے  
 بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے  
 روتا ہوا بھکاپے تسلیم وہ جری  
 (۹۱) اک آہ سرد زوج عباس نے بھری  
 سرے روتا ہی خوش تگاکے گر پڑی  
 نکلا وہ شیر خیمے سے باہر سلمیلے  
 (۹۲) جرات نے بڑھ کے پوسہ تیغ دھومیلے  
 غور تیار کاجال نکاہوں سے گر گیا  
 آیا سجا ہوا وہ سمند بر آق سیر  
 (۹۵) ہوتا تھا اسکے دل سے غزلوں کا حال غیر  
 صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کھی  
 (۹۶) دھوڑ تھیں بشریری نظر اتنی نہیں کھی  
 تھا جو فلک پہ اڑنے کو تیار مثل طیر  
 (۹۷) رن میں سیاہ شر اسے روکے تو یہ بخیر تھے  
 ڈھونڈ تھیں بشریری نظر اتنی نہیں کھی

لے سفر کی جادوی۔ اگر سفر کسی برسے دن سے شروع ہو بیٹا ہو تو کسی اچھے دن کچھ سامان بھی بگڑ بچھا  
 دیتے ہیں اور اپنے قیام کی جگہ بدل دیتے ہیں گویا اسی دن سے سفر شروع کر دیتے ہیں اس کو پانزارب کو نکالتے ہیں  
 کھے دھوا دی تلوار سے وہ تیز رفتار آسانی جانور جو شعبہ حاج رسول کو لے گیا اور کل عالم بالاکسیر کو روکے  
 دم بھر میں واپس لے آیا۔ کھے یہ آن ہوئی بات ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔



وہ زین زین زین کی وہ ساز کی پھین  
 چشم بیاہ دیدہ آہو یہ طعنہ زن  
 جادو تھا سحرہ تھا پری غلام تھا  
 رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے  
 بخش جو سحر و دیں کو ضیا خوش جمال نے  
 کھنار سے وہ رشک غزال ختن چلا  
 خوشبو سے ارض پاک ریاض جاں نبی  
 جلوے سے راہ دشت بلا کھنشاں نبی  
 سم بدر تھے تو نعل بھی چاروں لال تھے  
 وہ دبدبہ وہ سطوت شاہانہ وہ شباب  
 وہ رعیت حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب  
 تیوریں سائے طور خدا کے ولی کے ہیں  
 بنچے جو دشت کیں میں اڑاتے ہوئے فرس  
 دیکھیں مٹھیں جی جو چپ داس و پیش و پس  
 روکے گا بوندہ ہو سکے بچے میں آئے گا  
 روکے ہیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو  
 گولے بخش کو جو حرارت کسی میں ہو  
 دوا تھیں علی کے سپرد ارباب ہیں  
 زبور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دوہن  
 سرعت یحییٰ کہ بھولتے تھے جو کڑی ہرن  
 پاکھڑ بھٹی زردہ میں تہمتیں کا جسم تھا  
 تغلیں پا کو فرسے جو مال مال نے  
 دم کو چنور کیا فرس بے شال نے  
 طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے حن چلا  
 گمراہ کے غاذہ رخ قبلی دشاں نبی  
 ذرے بنے نجوم زمیں آسماں نبی  
 نقش سم فرس سے ہزاروں ہلال تھے  
 تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب  
 صولت میں فرد و فتر جرات میں انتخاب  
 شوکت پکارتی ہو کہ بیٹے علی کے ہیں  
 گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہیں  
 نعرہ کیا کہ ہنر پہ جانے کی ہے ہو کس  
 ہٹ جاؤ سب کہ شیر بازی میں جاے گا  
 لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو  
 آئے جو حرب ضرب کی قدرت کسی میں ہو  
 دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

لے زینت - سجاد ڈ - زین اور زین میں تینیں حرفت ہے - لے گھوڑے کی زردہ -

لے طاقت ور - دستم کا ایک نام -

لے زین کا درمیانی حصہ جہاں سوار بیٹھا ہے -

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو مال دیں  
 مہلت نہ ایک کو دم جنگ و جدال دیں  
 (۱۰۰) پانی تو کیا ہو آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں  
 منفذ دیکھتے رہیں جو نگہاں ہیں گھاس کے  
 لے جائیں گھر پہ بیٹھے میرا کو کاٹ کے  
 سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر  
 دادا شجاع باب الو العزم ہم د لیر  
 (۱۰۱) لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر  
 جب نہ پڑا ہو کوئی ہے زنجیروں کے ڈھیر  
 بیراعلم میں کود کے تلواریں دی ہیں  
 غفرت بھاگتے ہیں چوٹیں ہماری ہیں  
 بوات جلو میں رہتی ہے نفرت رکاب میں  
 لکھے ہوئے ہیں شیروں کے گلے کتاب میں  
 (۱۰۲) فصلیں ہیں اپنے زور کی خیر کے باب میں  
 ناصر ہیں دشاہ فلک باد گاہ کے  
 دفتر آٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے  
 بلے مشک کے بھرے ہیں آتا ہے چین کب  
 گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں چال بلب  
 (۱۰۳) کیا دقت ہو چین کے بچوں پہ ہو غضب  
 اصغر کو گودیوں میں ترپتے کٹی ہے شب  
 کانٹے مجھ دکھائے تھے سوکھی زبان  
 لالے پڑے ہوئے میں سکینہ کی جان کے  
 ستقابے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب  
 عبرت کی یہ جگہ ہو کہ ہم اور سوال آب  
 (۱۰۴) اشرار آبرو کہ ہشتی ملا خطاب  
 اس مشک کے کیا ہیں عقبی میں کامیاب  
 طوبی کے ساتھ چہرہ کو تر بھی مل گیا  
 شہ سے نشان فوج پیر بھی مل گیا

لے تیغ کی مناسبت سے کاٹنا، نہایت خوب ہے۔  
 لکھ دیو۔

سہ ایک کنویں کا نام ہے جس میں کافرات آباد تھیں۔ حضرت علی نے اس کنویں میں کود کر حوژوں  
 سے جہاد کیا جس کے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے۔

لکھ ہم نے عرب کے فوجی حملے کے دفتر کے دفتر جن میں سپاہیوں کے نام درج تھے بیکار کر دیے ہیں  
 یعنی جنگ میں پوری فوج میں کاٹ کے ڈال دی ہیں۔

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے  
یہ بھی بھٹ کے مثل شہ قلعہ گیر آئے  
گھوڑا اڑا پردوں کو سواہ و کچھ توڑ کے  
آمدنی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا  
بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا  
اس غول پر بھی تھی کبھی اس قطار پر  
وہ تیغ کی چمک وہ ترپ راہوار کی  
شوکت سوار میں شہ و قتل سوار کی  
جتوں ہی غضب ہی سیدیا کیاں وہی  
توڑا یہ مورچہ وہ صف الٹی ادھر پھرے  
یوں خاک پر گواکے لعینوں کے سر پھرے  
تھی قمر کی نگاہ غضب کا جلال تھا  
میں پھر گیا سپاہ کا رخ جس طرف کیا  
بانی ہے ہزار میں دس سو میں اک جیسا  
اس پر بھی لشکر میں تسلیں زری ہوئی

نیز اٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے  
(۱۰۵) گیتی ہی غضب میں جانیے امیر آئے  
لیکن صفوں پہ بے گامی کا بھی گھوڑا کے  
یہ صف اخیر تھی وہ سالہ تمام تھا  
(۱۰۶) شہد تھی موت چار طرف قتل عام تھا  
پڑنا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر  
رف بکون کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی  
(۱۰۷) حملوں میں شان سب اسد گردگار کی  
پھرتی وہی بھٹ وہی چالاکیاں ہی  
تلوار غول میں آپ پسینے میں تر پھرے  
(۱۰۸) جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نہ پھرے  
آنکھیں بھی سرخ تھیں ہر پہلو بھی لال تھا  
یاں آئے واں گئے اُسے مارا اُسے لیا  
(۱۰۹) اشرے دم لہو یہ لہو تیغ نے پیا  
گویا تھی آگ پیٹ میں اس کے بھری ہوئی

لے حضرت علی - حضرت عباس کو جو شجاعت و حالت غیظ میں حضرت علی قرار دیا ہے۔

لے تلوار - لے تلوار امان۔

لے وہ سوار - جس پر رسول شب معراج سدا المنہ سے بارگاہ ایزدی تک تشریف لے گئے۔

لے حضرت علی کی تلوار جو آسمان سے اتری تھی۔

لے حضرت علی کے ایک گھوڑے کا نام۔

بجک تھا ان کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ  
 آئی اہل اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ <sup>(۱۱۰)</sup>  
 باز دہائی تیغ عدم شاذ کاٹ کے  
 چلتا تھا مثل برق بین و مہار ہاتھ  
 ان کی نہ ایک ضرب نہ ان کے ہزار ہاتھ  
 آواز شش بہت میں بگیر بزن کی تھی  
 نعرہ جدا صداے بگیر و بدہ جدا  
 بکھڑا جدا زمین پہ ٹھٹھے زہ جدا <sup>(۱۱۱)</sup>  
 اشرے فرق گردن سر بھی بہم نہ تھے  
 جس کی طرف نظر دم جگ و جدل پھری  
 رہوادیوں پھر اگر اشاءے میں کل پھری <sup>(۱۱۲)</sup>  
 ایسے جوی سے کس کو مجال معاف تھی  
 چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں  
 سرنگ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں <sup>(۱۱۳)</sup>  
 روہیں بکادیں تیغ پھر آئی کل جلو  
 نیزہ ادھر قلم تو ادھر بر پھیاں قلم  
 ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخوان قلم <sup>(۱۱۴)</sup>  
 جب سن سے آئی سر پہ کسی بڑھال کا

پہنچا و غامیس سوط اک تشنب کا ہاتھ  
 شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ  
 پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے  
 ڈرڈر کے جڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ  
 کافی تھے سب کو تیغ دودستی کے چار ہاتھ <sup>(۱۱۵)</sup>  
 اللہ کا کرم مقام دین جتن کی تھی  
 گوشے کہاں سے درو تو گوشوں سے زہ جدا  
 نیزوں کو دیکھے تو گوہ سے گوہ جدا <sup>(۱۱۶)</sup>  
 کشتوں کا دکھ کیا ہو کہ تیغوں میں نہ تھے  
 کچھ سٹ کے تیغ سے اسی جانب اہل پھری  
 تلوار بھی گلوں کی طرف بر محس پھری <sup>(۱۱۷)</sup>  
 یوں پھر کھ صف کی صف کو کچھ اٹھا  
 ڈر سے بڑھانہ سکتے تھے غوغوار ہاتھ پاؤں  
 جکی گوی تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں <sup>(۱۱۸)</sup>  
 بولی اہل اب ٹھکے تو سچو کے نکل جلو  
 نرکش و دنیہ ٹھٹھے کہا میں نشان قلم  
 مٹھ تیغ کا خواب سناں کی زباں قلم <sup>(۱۱۹)</sup>  
 گویا سوم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کا

نہ ان کا ایک ڈار

لے حضرت علی۔

لکھ اس بند کے آخری چار مصرعوں میں صنعت سیاق الاعداد ہے۔

لکھ ایسی تلوار ہمدون ہاتھ سے بکھڑا چلائی جائے۔

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرد ہوا  
 افشاں ہو سے شیر کا دستِ نچو ہوا  
 ظالم ہزار میں تھا جو بیکتا وہ دو ہوا  
 کھنڈا وہی تھا جنگ میں سرگرم جو ہوا  
 شعلہ بجھنے دیتا تھا پانی حُسام کا  
 تھا اسکے آگ سے دل چارہ آئینہ نکلا  
 خود اپنے سر پہکتے تھے گو خر کے بار بار  
 ہو آج تک زہ کا کیجو چھنا ہوا  
 چوٹھ کو سوار کرتے تھے تو سن سے بار بار  
 ہر سر کا بار اترتا تھا گو دن سے بار بار  
 ضرب گواں جو اٹھ نہ سکی کیا سبکے  
 سینے میں دل کو کاٹ گئی گو جسگر بچا  
 بے زخم کھائے ایک نہ بیدا دگر بچا  
 سالم تھا جسکا جم بگڑاں کا چاک تھا  
 آفت کا مہر تھا تہر کا دم خم ستم کا کس  
 دو تھے اگر تو چار ہوئے پانچ تھے تو دس  
 آفت بیا ہو کون اہل سے دو چار ہو  
 پر یاں بکار تی تھیں کہ ہو خیر جان کی  
 بدلی ہوئی ہے آج ہو آسمان کی  
 پوچھا رہو سڑکی کی ڈیرے ہو کے ہیں  
 غل تھا شرارتوں سے اس آتش زبان کی  
 دنیا میں شعلہ بار ہو آگ اس جہان کی  
 بجلی نخل ہر نازیہ اس شعلہ خم کے ہیں

دھماکے کی طرح کے دل و ذہن کا نکلنا

لے ایک طرح کی زہد۔

لے جان کے معنی جنات بھی ہیں۔ پر یاں اور جہان میں ابہام مناسب ہے۔

لے مافی کاٹے زہد سے گونا گونا ہوتا

جب بڑھ کے سن سے صورت تیغ علی چلی  
دل پر خفی چلی تو گلوں پر حبلی چلی (۱۲۲)  
دی تیغ نے صد اکہ ارادہ کدھر کا ہو  
شکل میں تھی جو آب تو آتش تری میں تھی  
تلاوار تھی کہ برق لباس پری میں تھی (۱۲۳)  
خون بھی اسے حلالیت بھی معاف تھی  
سارے رسالدار تباہی میں پرو گئے  
نامی جو تھے جواں قدم ان کے اکھڑ گئے (۱۲۴)  
علیوں کے پاس لٹھ پھر در کھن میں تھے  
پہنے ہوئے تھے جسم میں نہ رہی چبت چبت  
خون اجل سے بھول گئے وعدہ نخت (۱۲۵)  
اک شود تھا کہ جان گئی اس لڑائی میں  
مغفر نہ سکے پاس نہ بجز کر کے پاس  
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس (۱۲۶)  
بوڑھی نشان پر تھی نہ پرچم نشان پر  
بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس  
کوٹیاں زرہ کے پاس نہ دامن پیر کے پاس  
بیکان نہ تیر پر تھا نہ چلہ کمان پر

بوڑھی تھی نانیہ  
نیزہ نہ نانا تھی

لے خوں بہا۔ وہ رقم جو کسی کی جان کے معاد فیض میں دی جائے۔

۲ے بر بھی یا نیزہ کا پھل۔ ایک قدیم سلام کا مطلع ہے۔

مجرائی پھر تو پر طمعی اکبر کو جان کی

یسے سے جب جو رگھی بوڑھی نانا کی

تھ تیر کی بھال۔ نوک دار لوہا جو تیر کے سرے پر لگا ہوتا ہے۔

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روز سیاہ تھے      تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے  
 بے سرتھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے <sup>(۱۲۷)</sup>      سب چھاؤنی اجاڑ تھے تباہ تھے  
 دکھلا دیا تھا خالق عادل کے قہر کو  
 بولی پر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے  
 ہر جا پہ برق شعلہ فشاں سدا رہا ہے  
 جتاؤ رکے ہاتھوں سے منہ ڈھانپنے کی ج  
 ڈرڈر کے پھلے پاؤں سیاہ لعلیں ہٹی  
 سر کے جال نہر نہیں سے کہیں ہٹی <sup>(۱۲۸)</sup>  
 بھاگ پڑی کہ ایک ایک گے بڑھ گیا  
 اندری جنگ شیرستان کو بلا  
 پہنچے جو گھاٹ پر تو یہ اعدا کو دی صدا <sup>(۱۲۹)</sup>  
 اک ان میں شکست ہزاؤ کویتے ہیں  
 رستے کھلے ہوئے ہیں کہ صحرے وہ بند و بست  
 کیا ہو گئے سرائی سے وہ سب ہوا پرست <sup>(۱۳۰)</sup>  
 فوجوں میں کس نے بھی گھوٹے اٹائے ہیں  
 دیکھو تو ہم کہاں کہاں گئے اے ہیں

نہ

ذریعہ

دیکھو

اے بنی اسیر کے لشکر کے نشان سیاہ رنگ کے ہوتے تھے۔ اے فوج کے ٹھہرنے کی جگہ۔ پڑاؤ۔  
 اٹامہ ہے اس روایت کی طرف کہ ایک جنگ میں حضرت علی کے ایک دار سے جبریل کے  
 تین پرکٹ گئے۔  
 کہے مٹی کا ٹیلہ یا دیوار جو فوج مخالفین کے حلوں سے بچنے کے لیے بنائی جائے۔ مودہ کے معنی چھوٹی  
 چوٹی بھی ہیں اس لیے 'چوٹی' اور 'مودہ' چار میں صنعت ابہام تناسب ہے۔  
 شعاعیں پرست۔ مغرور۔ بے جا امیدیں باندھنے والا۔

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر نظر نہ پائے  
 کس نے بڑے سے جو ہر تیغ علی دکھائے  
 بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے  
 لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس  
 پر زہر ہے بغیر شہ آساں اساس  
 آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے  
 فرما کے یہ سمنہ کو ڈالا فرات میں  
 دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں  
 سیراب جب تک کہ شہ بحر و بر ہوں  
 گرمی میں تشنگی سے کیجیہ تھا آب آب  
 آج تلے تھے قریب جو ساعر بکعت جناب  
 عباس آبر میں تری فرق آئے گا  
 دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ بہم  
 یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آساں مقام  
 موجیں نہیں و نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا  
 چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم  
 دامن سے لگ کے تھا الجھتا تھا دم دم  
 اڑاڑ کے بر چھپوں جو اترتا تھا کھیت میں  
 گھیرے تھے ایک جان کو دو لاکھ اہل شہر  
 بھاتی کے پاس بر چھیاں تیغیں قریب سر  
 لٹی نہ تھی اماں پہ تیرہ بخت سے  
 فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے  
 اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے  
 شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے  
 چاہیں بھی تو ہاتھ بڑھا کر بھالیں پیاس  
 مٹے ہیں آبر وہ غلامان حق شناس  
 بے ان کے آب خضر بھی گر ہو تو خاک ہے  
 گویا خضر اتر گئے آب حیات میں  
 (۱۳۲) تسمہ بکڑ کے مشک بھری ایک بات میں  
 منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر ہوں  
 تر بار ہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب  
 (۱۳۳) کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آساں جناب  
 پانی پیا تو نام و ناپا ڈوب جائے گا  
 اٹلی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہ شام  
 (۱۳۴) ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہ تمام  
 پرواہ دے حواس کہ ابر وہ بل نہ تھا  
 کا نہ ہے پہ مشک آب بھی نیچے میں تھا علم  
 (۱۳۵) کرتا تھا جابجا گٹھ دوا سب خوش قدم  
 ٹھوٹے کے چاروں ٹوں دیر آتے تھے ریت میں  
 ٹھہریں کہاں قرار کہاں لیں تھیں کدھسہ  
 (۱۳۶) پہلی میں اس طرف تو سنائی اُدھر تہسہ  
 گوشتوں سے تیر جاتے تھے پھر درخت سے



جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا اس کے تیر  
 چلار ہا تھا شمر بفا پیشہ و شیریر <sup>(۱۳۹)</sup>  
 رخ اس جری کا خیمے کی جانب سے چور دو  
 سن کو زباں درازی شمر ستم شعاد  
 تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ وار <sup>(۱۴۰)</sup>  
 تنہا سنبھالے مشک علم یاوغا کے  
 شہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر  
 کھائے ادھر سے زخم جو کی اس طرف نظر  
 جب دم لیا تو سینے پہ سو تیریں گئے  
 سینہ سپر تھا شکستہ رو کے موئے تھے ڈھال  
 کہتا تھا ڈنگا کے فرس پر وہ خوش خصال <sup>(۱۴۱)</sup>  
 جا پہنچوں مشک لیکے جو تھوڑی سی آہ ہو  
 یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکر کشیر  
 آکر لگا میان دو ابرو جو ایک تیر  
 چھوٹی جو باگ پافوں فرس کے بھی رکھے  
 اب بیاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال <sup>(۱۴۲)</sup>  
 غم سے مگر جھکی ہوئی رخ زرد جی نہ ڈھال  
 مگر کراٹھے تڑپ کے ادھر سے ادھر گئے  
 فریاد کر کے دل کبھی تھا ماحسب کبھی  
 گجرا کے پیادے بھائی کی پچھی خبر کبھی <sup>(۱۴۳)</sup>  
 کی آہ سامنے کبھی نہرا کی جانی کے  
 کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر  
 بڑھنے نہ پائے تخت دل شاہ قلعہ گیر <sup>(۱۳۹)</sup>  
 ہاں بھبھیں سے شیر کے سینے کو توڑ دو  
 عباس مثل شیر جھپٹتے تھے بار بار  
 توڑی اگر یہ صاف تو جی دوسری قطار <sup>(۱۴۰)</sup>  
 بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر نہ کیا گئے  
 پیاسے تھے ان کے خون کے دولاکھ اہل شر  
 کس کس کا وارہ در در کرن تھیں کہ دھر کہ دھر <sup>(۱۴۱)</sup>  
 پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے بکھل گئے  
 لٹنے میں بھی حسین کے بچوں کا تھا خیال  
 فرزند کو سنبھالیے یا شیر ذوالجلال <sup>(۱۴۲)</sup>  
 ایسا ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو  
 بس چور ہو گیا پسر شاہ قلعہ گیر  
 تیور اگیا علی ولی کامہ منیر <sup>(۱۴۳)</sup>  
 پھیلا کے ہاتھ مشک سکینے پہ جھاک گئے  
 ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسول خدا کا لال  
 یہ کہہ رہے کہ ہوتا ہے جو وقت اتر قال <sup>(۱۴۴)</sup>  
 جب آہ کی تو سننے پہ جانا کہ مر گئے  
 پکڑی طناب خیمہ کبھی اور کمر کبھی  
 رفے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی <sup>(۱۴۵)</sup>  
 رو کو کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے بیٹے سے بار بار  
 کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار <sup>(۱۴۶)</sup>  
 و احسرتا کہ بے کس و بے یار ہو گئے  
 جلاتے تھے کہ جان برادر بس اب بھر آؤ  
 بھٹیا خدا کے واسطے اب برھیاں نہ کھاؤ <sup>(۱۴۷)</sup>  
 پیاری تمہاری ننھے سے آنکھوں کو ملتی ہے  
 حضرت تو بیٹے ہیں یہ کہہ کر بعد ملاں <sup>(۱۴۸)</sup>  
 ڈیوڑھی پہن لیت ہیں سب کے لے سر کے بال  
 لبان کے اوڑے اوڑے ہیں منہ گورے گورے ہیں  
 کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر  
 حضرت سے پوچھتی ہے سکنہ بی چشم تر <sup>(۱۴۹)</sup>  
 کیا میں سفر کروں گی جہاں سے آئینگے  
 گھر ہے میں ان کو لاکھ مستہ گار بائے بائے  
 وہ کہتی ہے میں پانی سے گزری نہ شاگ اے <sup>(۱۵۰)</sup>  
 رکھے خدا جہاں میں علی کی نشانی کو  
 یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھسہر  
 چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شر <sup>(۱۵۱)</sup>  
 کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں  
 افشاں ہو سر کے خون کے پھینٹوں سے نشان  
 نام آوروں نے آج مٹا یا عجیب نشان <sup>(۱۵۲)</sup>  
 لاش ان کی پامال ہوئی زخم پھٹ گئے  
 شانے داؤاے علی اکبر پر نشان  
 بازو کا زور لے گئے عباس نام دار <sup>(۱۵۳)</sup>  
 سر پٹیں کس سے ہاتھ تو بیکار ہو گئے  
 پہنچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آکے دیکھ جاؤ  
 عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ <sup>(۱۵۴)</sup>  
 تو تم کو ڈھونڈھنے کو سکنہ نکلتی ہے  
 خمیے میں غش ہے زوہر عباس خوش نہال  
 پرے سے منہ نکالے ہیں اطفال غور سال  
 آنکھوں میں اشک آنکھوں میں غالی کٹوے ہیں  
 اب پانی لے کے آتے ہیں عباس نام دار  
 میرے چچا اب آئیں گے یا شاہ بکروبر <sup>(۱۵۵)</sup>  
 بہلاتے ہیں حسین کو بی بی اب آئینگے  
 مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے  
 ہے ہے میں اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے <sup>(۱۵۶)</sup>  
 میں کیا دوں گی آگ لگے ایسے پانی کو  
 ترپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحسروبر  
 حضرت کہاں ہیں مر گئے عباس نام دار <sup>(۱۵۷)</sup>  
 وہ زخم کھائے شیر بڑا ہے ترائی میں  
 عباس کا نپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشان  
 کیوں اے حسین کون اٹھائے گا اب نشان <sup>(۱۵۸)</sup>  
 جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدایہ نہر کی جانب سے ایک بار (۱۵۳)  
 تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جان لار  
 بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں  
 شہ دوڑ کر بچائے کہ آتا ہوں بھائی جان  
 طاقت بدن میں نہیں پاتا ہوں بھائی جان  
 دست شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں  
 دکھا جو در سے نبت علی نے یہ شہ کا حال  
 چلائی کون قتل ہوا اے علی کے لال  
 دریا پہ فوج شام نے مارا دیس کو  
 خورشید مشرقین زلنے سے اٹھ گیا  
 وہ عاشق حسین زمانے سے اٹھ گیا (۱۵۴)  
 آتا نہیں قسرا دل بے قرار کو  
 اکبر کو ہاتھ اٹھا کے پکاری وہ سو گوار  
 ماتم جو ان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار  
 گرنے لگیں توحید رصفدر کا نام لو  
 اکبر پر رو کو تھلے ہوئے نہر پر جو لائے  
 چلائے شاہ لاش کہ دھر ہے کوئی بتائے  
 رو لیں گلے لگا کے تن پاش پاش کو  
 اکبر نے شہ کے ہاتھ پکڑ کر بصد بکا  
 لیجے یہی ہے لاش علم دار با وفا  
 ٹوٹی ہوئی کمر پہ سنبھا لو حسین کو  
 آقا تمام ہوتا ہے یہ عبد جان نثار (۱۵۵)  
 اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار  
 حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں  
 گھڑٹ گیا ہے خاک اٹا ہوں بھائی جان  
 اک اک قدم پہ بٹھو کریں کھانا ہوں بھائی جان (۱۵۶)  
 بھیا ہمیں تو اکبر مہرہ دسبھالے ہیں  
 ڈوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال  
 مڑ کر کہا حسین نے عباس خوش خصال (۱۵۷)  
 زینب اجل نے پھین لیا میرے شیر کو  
 سید کا نور عین زمانے سے اٹھ گیا  
 زینب ہمارا چین زمانے سے اٹھ گیا (۱۵۸)  
 دریا پہ روئے جاتے ہیں خدمت گزار کو  
 ہے عے حسین ہو گئے بے یار و عنسم گزار  
 اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار (۱۵۹)  
 بیٹا پر کے ہاتھ کو مضبوط تھام لو  
 غلطاں ہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے  
 فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے (۱۶۰)  
 اکبر تمہیں دکھا دو برادر کی لاش کو  
 رکھے چچا کے سینے پہ اور روکے یہ کہا  
 چلائے جھک کے لاش پہ سلطان کرلا (۱۶۱)  
 بھیا ذرا گلے سے لگا لو حسین کو

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شافوں سے ہے غضب (۱۶۰)  
وہا ہیں رسولؐ کی اُمت نے بے سبب  
مرجائیں گے جلا دوہیں خود سے بول کر  
کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخساروں میں تر  
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ ادھر ادھر (۱۶۱)  
ہے بے دلیل مرگ ہے کلفت زبان کی  
غش میں سخی جو گریہ بشیر کی صدا  
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مسطفا (۱۶۲)  
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو  
یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر لغو  
تریا قدم یہ شہ کے وہ مقتول ظلم و جور (۱۶۳)  
پتھر اٹکے چشم اشک فشاں بند ہو گئی  
اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے  
منہ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے (۱۶۴)  
اب کوئی دیگا دکھ میں نبی کے بکر ساتھ  
ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے  
اب رخصت حسین علیہ السلام ہے (۱۶۵)  
موت آئی تو شریک عزا کوں ہو یہ گنا  
دیتی پہ دو طرف یہ مہتاب الہو ہے سب  
بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب  
دو باتیں کرو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر  
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں قہار اس سر  
ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر (۱۶۶)  
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہوجان کی  
چونکہ تڑپ کے حضرت عباسؑ با وفا  
اس پیار کے شمار اس الطاف کے فدا (۱۶۷)  
گو یا رسولؐ آئے ہیں مشکل کشائی کو  
جھک کر بیکارے شاہ کہ بھیا ہو کچھ اور  
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور (۱۶۸)  
تھرائے دونوں ہونٹھ زبان بند ہو گئی  
جھک کر پکائے شاہ کہ بھیا کدھر گئے  
دھسترا حسین کو بے آس کر گئے (۱۶۹)  
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر ساتھ  
تم میں شریک روح رسولؐ انا م ہے  
تاریخ آکھویں ہے محرم تمام ہے (۱۷۰)  
جو سال بھر جسے گاہہ پھر شہ کو ردیگا

بس لے انیس روکے اب خامے کی غزاں      یہ غم ہے جاں گزارا کبھی ہوئے گا بیاں  
 اُنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں واں <sup>(۱۶۶)</sup>      فائق سے کر یہ عرضِ کھلاق انس و جاں  
 اُنکھوں سے مس کردوں میں مزار بتوں کو  
 دکھلا دے جلد مرقدِ بسطِ رسول کو

پرساں کوئی کب جو ہر ذاتی کا ہے      ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے  
 شبنم سے وجہ گر یہ پوچھی تو کہسا      رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

دل میں غم یا رانِ وطن لے کے چلے      اس باغ سے داغوں کا جن لے کے چلے  
 نقصاں کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل آہ      جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

کیوں زر کی ہوس میں در بہر پھرتا ہے      جانا ہے تجھے کہاں، کدھر پھرتا ہے  
 افتد ری پیری میں ہو سس دنیا کی      تنہا جاتے ہیں جب بادوں تو سر پھرتا ہے

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے      مانند حباب ہستی انساں ہے  
 نگر ہے جو دل تو ہر نفسِ بادراد      سینہ کشتی ہے نا خدا یساں ہے

دولت نہ عطا کر نہ جہاں میں زر دے      جو باعثِ آبرو ہے وہ گو ہر دے  
 شاہوں کو نصیب بجز دہر کی تحفیل      یارب مجھے نانِ خشکِ چشم تر دے

## مرثیہ (۴)

کیا غازیانِ فوجِ حسدِ انا م کر گئے  
 امت کی مغفرت کا سرا انجام کر گئے (۱)  
 یہ پڑھتے ہیں سب دُجو ذکر ان کے ہوتے ہیں  
 دیندار و سر فروش و شجاع و خوش اعتقاد  
 زعموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد (۲)  
 تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا  
 برسوں رہے گچرخ میں گر آسمانِ پیر  
 گورے نہ ان کے پانوں نہ روئے نہ مینر (۳)  
 پر خوں قبائیں جسم میں سینے تے ہوئے  
 رستم اٹھانہ سکتا تھا سمران کے سامنے  
 پیکلی تھی روشنیِ قمران کے سامنے (۴)  
 بخشا تھا اور حق نے ہر اک خوش صفا کو  
 پشیمانوں پہ جہلوہ ناخستہ سجود  
 رُخ سے عیاں جلال و جواں مردی نمود (۵)  
 جینے کی شاہ دیں کو دغاے کے مر گئے  
 لاکھوں سے تشنہ کام لٹے کام کر گئے  
 فیضِ اپنا شل ابر کرم عمام کر گئے  
 ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو دتے تھے  
 باہقوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد  
 مردانگی یہ پیام میں فاقوں میں یہ جہاد (۶)  
 پر معرکے سے پانوں کسی کا ہٹا نہ تھا  
 لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر  
 غیر رشید جن کے سامنے اک ذرہ حقیر (۷)  
 پہنچے ریاضِ خلد میں دو لہانہ ہوئے  
 یثروں کے کانپتے تھے جگر ان کے سامنے  
 اڑتا تھا رنگِ روئے سحران کے سامنے (۸)  
 ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے تاکو  
 دیکھیں جواں کا نور تو قدسی پڑھیں درود  
 شیدائے آلِ شیفۃ واجب الوجود (۹)  
 ایماں کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

ساشیر کر گئی تھی انہیں نصیحت ایا م (۷)  
 بر نہ تھے محبت حیدر سے دل کے جام  
 لشکر جوان پہ ٹوٹ پٹے شام در دم کے  
 لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لا جواب  
 وہ نور وہ جمال وہ رونق وہ آب و تاب  
 پس یکایک جہاں میں نظر اس اچھا گیا  
 گل بوگے عقل کی تربت کے جب چراغ  
 اتم سے بھانجوں کے ہوا آئینہ انفس راغ  
 لاشے اٹھائے جنگا کرس یا بگا کرے  
 صدر مہر تھا کہ تھے لگی دولت پر  
 مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیر نر  
 دریا بہے لہو کے بڑا کشت خوں ہوا  
 پیری میں قبر بے خبر مرگ فوجواں  
 نکلیں سرور کو پہنچتی نصیحت سے بی بیاں  
 یوں گھراٹ پلٹ تھا امام حجاز کا  
 غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلبیت  
 ہم لٹ گئے زر گیا سقائے اہلبیت  
 ہے بہ آبوں سے اپنے ہشتی کو لائینگے

تھا نزاع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام  
 ذی قدر و ذی شعور دلاور، نجستہ کام  
 تلواریں کھائیں جسم پہ کیا جھوم جھوم کے  
 تھا خشت تریہ جن کا کرم صورت صحاب  
 زہرا کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب  
 دن بھی ڈھلائے تھا کہ زوال ان پہ آ گیا  
 جعفر کے لاٹھوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ  
 با مال ہو گیا حسن مجتبیٰ کا بارغ  
 جس پر گریں کہ مصیبت وہ کیا کرے  
 نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر  
 رخصت ہوئے حسین سے عباس نامور  
 ڈھلچکی تھی دوہر کہ علم سرتنگوں ہوا  
 ریتی یہ تھر تھرا کے کرے شاہ افس جہاں  
 تھا خانہ علی میں تناطم کہ الاماں  
 جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لشکر جہاد کا  
 دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلبیت  
 فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلبیت  
 سوکھی زبان اب کسے بچے دکھائی گئے

سلمہ عقل کی اولاد۔ حضرت عقیل کے پوتے جعفر ابن محمد اور عبداللہ بن مسلم کہ بلا میں شہید ہوئے تھے بعض  
 روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کئی بیٹوں نے بھی کہ بلا میں شہادت پائی۔ سلمہ جعفر طیار کے پوتے  
 عون و محمد جو حضرت زینب کے بیٹے اور امام حسین کے بھانجے تھے سلمہ ایک گھر کے رہنے والے رسول کے گھرانے والے۔

بٹا تھا عیہ روتے تھے یوں ہی بیت شاہ  
 چلائی تھی کہ نہس کی مجھ کو بتاؤ راہ <sup>(۱۲)</sup>  
 ختم تھے مگر اتھا کوہ مصیبت حسین پر  
 ماتم ادھر تھا جشن میں تھے اہل شرادھر  
 انعام بانٹا تھا ہر اک کو عمر ادھر <sup>(۱۳)</sup>  
 غل تھا کہیں حسین بہت روئے بھائی کو  
 باقی نہیں کوئی تو دغا کو خود آئے  
 زخم سندان و خنجر و شمشیر کھائے <sup>(۱۴)</sup>  
 آادہ ہم تو دیر سے بہرستیز ہیں  
 کاٹے ہیں جس نے بازوئے نخت دل امیر  
 چھیدا ہے جس سے شاک کو موجود ہے وہ تیر <sup>(۱۵)</sup>  
 ترپے تھے جس سے شاک کا نتوں سے پھوڑ کر  
 صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہ اس دجاں  
 رونے سے ہی اٹھیں گے دجاس نو جوان <sup>(۱۶)</sup>  
 ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گر گیا  
 اکبر نے کی غضب کی نظر سچے فوج شام  
 کی عرض ماتھو جوڑ کے اے قبلہ انام <sup>(۱۷)</sup>  
 خوں تن میں جوش کھا تا ہی ہنگام جنگ سے

صدے سے حال زوہر جاس تھا تباہ  
 کوئی گئی میں دشت پرافت میں آہ آہ  
 ماتم تھاابی ہوں میں سکینہ کے بن پر  
 بجتے تھے شادیاں فسخ و ظفر ادھر  
 روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر ادھر <sup>(۱۸)</sup>  
 کوئی جواں ہو اور تو بھیجوا لڑائی کو  
 حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائے  
 گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہا ہے <sup>(۱۹)</sup>  
 تیغیں بھی ہیں اپنی ہوتی کھنجر بھی تیر ہیں  
 ہے خوب آب دار وہ شمشیر بے نظیر  
 یہ گز وہ ہے ضرب سے جس کی ہمت اخیر <sup>(۲۰)</sup>  
 برجی یہ ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر  
 اک بھائی کے فراق میں یہ تالہ دفن  
 حضرت پکارتے ہیں کسے بھائی اب کہاں <sup>(۲۱)</sup>  
 اب فکر اپنی کیجئے وہ شمشیر رگیا  
 کانپے یہ غیظ سے کہ اٹکلے لگی حسام  
 سنتے ہیں آپ لشکر اعدا کے یہ کلام <sup>(۲۲)</sup>  
 مولاس اب تو وصلہ صبر کتاب ہے

نے جس مکان میں بہت شور ہوتا ہے وہ ہتھیار معلوم ہوتا ہے۔ یہ خوشی کے باب ہے۔

سے سان پر چڑھی ہوئی۔ تیز کی ہوئی۔

سے تلوار میاں سے خود بخود نکلے گی۔



ان کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب  
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانان خراب  
آداب شاہستہ نہیں ہم بول سکتے ہیں  
ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند  
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جان درد مند  
ہنس نہیں کہ تسم پر تبر و تیر کھائیں گے  
گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ  
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشک ماہ  
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو  
برہم نہ ہو تمہیں سر شبیر کی قسم  
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم  
سب جہن کے خاک ہوئی جو ابھی بدعا کروں  
یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شعل مصطفیٰ  
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا  
آبادہ فنا میں خوشی دل سے فوت ہے  
کیا پہلے سر گئیے گا یا شہ زماں  
آگے جو کچھ رضائے خدا ہے پر کی جاں  
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں تے ہیں  
یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطان مجرب  
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر پر چشم تر  
آگے مرے جو ہوگی شہادت امام کی  
دنیا میں آبرو نہ رہے گی عظام کی

(۱۸) غم کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب  
زخم جگر پہ اب تو نک یہ پھڑکتے ہیں  
کونے میں لیں گے دم جو اٹھائیں گے پوجمند  
(۱۹) کاٹیں تر سے تیغ سے خنجر سے بند بند  
تیغ زباں کے زخم اٹھائے نہ بھائیں گے  
فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیہ  
(۲۰) لازم ہے صبر و شکر کو فرضی رہے اللہ  
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو  
(۲۱) لوگھر میں جادو خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم  
تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم  
پر امت نبی ہے بجز میر کب کروں  
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا  
(۲۲) بابائے ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مرا  
پھر خنجر کی حیات لے کر قنوت ہے  
کس اشتیاق سے رشہ دیں نے کہا کہ ہاں  
(۲۳) جیتے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں فوجاں  
بالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہنوتے ہیں  
پٹے سے بانٹتے لگے ٹوٹی ہوئی کسر  
کی عرض رحم کیجئے مرجائے گا پسر  
آگے مرے جو ہوگی شہادت امام کی  
دنیا میں آبرو نہ رہے گی عظام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام  
 عمو کے خوگ لائیں گے لعینوں سے انتقام (۲۵)  
 عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے  
 انصاف آپ کیجئے یا سحرور عرب  
 مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب (۲۶)  
 سر کوٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا  
 بہر رسول دن کی رضا دیجئے مجھے  
 موتا ہوں یا امام جلا دیجئے مجھے (۲۷)  
 کھولیں کمر حضور تو دل کو فترا ہو  
 شہ نے کہا نہیں مرے دل کی نہیں خبر  
 ہے باپ کا عصاے ضعیفی جواں پسر (۲۸)  
 ایسے بنے نہ تھے کہ ہمیں تم رلاتے ہو  
 راتنامہ یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یدوں  
 اکبر اتری جوانی پہ روئیں گے بس وجہ (۲۹)  
 کیسی ہوا چلی چمن رو زگار میں  
 دینا اگر تمہیں کوئی فرزند ذوالجلال  
 رخصت کا آپ سے یونہیں کرتا وہ جو بال (۳۰)  
 تب جانے کہ دیتے اسے رخصت جدال  
 کیا جاتے وہ مزاج سے اس کا ملا نہیں  
 اچھا سدھا روتہ سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کر کے بولے علی اکبر غیور  
 فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور  
 تقریر میں پدر کو نہ اب بست رکھئے  
 جس مبتلاے رنج بھلا کیا ہمارا پیار  
 ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امید دار  
 سینے میں دل بے جا بدن تھر تھرے گا  
 سنبھالتے ہیں جو ہے نصیبی کو بہاری چہا  
 باہیں گئے میں ڈالے گی زینب باشک و آہ  
 یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے  
 روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیرام  
 روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام  
 دامن سے آگے بالی سکیں چھٹ تھئی  
 ماں گرد بھر کے بولی کہ اے میرے گلخند  
 در پر ترپ ترپ کے میں جاتی تھی بار بار  
 غریب یا در قحط کئی دن سے آب کا  
 تر ہے قبا لینے میں پنکھ اکوئی جھلاؤ  
 بھاڑ دل و داسے گرد میں زلفوں کی بٹھاؤ  
 لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہی حضور  
 بر بھی لٹکا کے دل پہ خوشامدیہ کیا حضور  
 نیچے میں جا کے ماں کو رضا مند کیجئے  
 تم سے جو سو پسر ہوں تو اس ماہ میں نثار  
 ہاں ماں نہ جانے مے تو مرا کیا ہے اختیار  
 رخصت کا نام سنتے ہی غش اس کو آڑ لگا  
 معلوم ہو گا جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ  
 قدموں پہ کر کے آپ کے ماں ہو گی سدا  
 دو لوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے  
 کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام  
 دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام  
 زینب بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی  
 تم صبح سے گئے تھے اب آئے ہو ماں نثار  
 کھو لو بس اب کمر کہ مراد ل ہے بقصر ار  
 رُخ تنہا گیا ہے مرے آفتاب کا  
 سونم لگئے ہو دھوپ میں راری ہوا میں آؤ  
 گھٹ جانے گا لہو مرا آئینہ تم بہساؤ

مددہ جو دل پہ ہو اُسے کچھ منہ سے کہتے ہیں  
 کیا ہے جو اشک زنگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

لے بہاری ماں اور بھوپھی کے لیے سب سے زیادہ سخت مرحلہ یہ ہے کہ میری شہادت کے بعد ان کو قیدیوں  
 کی صورت میں شہر بہ شہر پھرنا ہو گا۔ لیکن تم کو مرنے کی اجازت دینا بھی ان کے لیے اس مرحلے سے کم نہیں ہے۔

صفرا کی تو دھن سے کچھ آئی نہیں خبرؑ جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر  
 اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر (۳۶) لٹا ہے کوئی آن میں خیر النساء کا مگر  
 ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں بابا گلکٹلے کو میداں میں جاتے ہیں  
 اس وقت کس سے درد دل اپنا کہوں میں کہ تم بھی ہو سدا راہ کچھ بھی بھی ہیں سدا راہ  
 بھائی ہے داں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ (۳۸) اماں مدد کرو کہ کمر بانہ متے یہاں شاہ  
 اب زندگی ہے تلخ بہت دق میں جان سے الفت نے آپ کی ہمیں کھو یا جہان سے  
 دیتے نہیں رضا جو ام لکھ اس اس خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور کچھ بھی کا پاس  
 اب غیر پاس کوئی نہیں ان کے اس پاس (۳۹) نا طاقی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور بیاس  
 کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں پیری میں دل ضعیف ہے ہنسا ضعیف میں  
 عباس جبکہ مر گئے روتے ہیں دم بدم میخ زد رہے کہاں کی طرح ہو گئے ہیں غم  
 جلوں میں تیر جوڑے ہیں داں بانی مستم (۴۰) قرباں ہوں کس طرح پس فاطمہ چہم  
 سب روکتے ہیں ان کی طرف جائیں سطح ماں کو کچھ بھی کو بہنوں کو سمجھائیں کس طرح  
 بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ راضی کچھ بھی ہوں جب توڑا اور زخم کھاؤ  
 مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ (۴۱) یا فاطمہ نہیں علی اکبر کے کام آؤ  
 چلے گئیں نہ تیر شہ مشرقین پر نرغہ ہے ظالموں کا تمہارے حسین پر  
 دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بے تاب بی پس وارث کی بے کسی پہ لگا کا پنے جگر  
 ہاتھوں سے دل کو تمام کے بولی وہ فوجگر (۴۲) دولت پہ فاطمہ کی تصدق تمام گھسے  
 پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں روتے ہو کس لیے نہیں کہنے کئی ہوں میں  
 زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار عابد نثار اصغر کشنہ جگر نثار  
 جا میں ہزار ہوں تو فدا لاکھ مر نثار (۴۳) قربان مگر کینہ تصدق پس نثار  
 کسرائی گو کہ ہوں پہ ہوں علی کی پنا مانگو گے ہمدردی کو کوئی نہی کی ہوں

نے کسرائی ایران کے بادشاہ کی اولاد حضرت خیرا اور ایران کے آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم کی بیٹی تھیں۔

مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش فہمال  
 رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال  
 صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا فونہال (۴۴)  
 رخصت کا صدقہ جاؤں بھیجی سے کرو سوال  
 ہم سب کینز بنست امیر عرب کی ہیں  
 صفر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں  
 کہنے کو یوں ہیں چاہئے والے تمہارے سب  
 لیکن ہے ان کے عشق سے نسبت کسی کو کب  
 دن کو انھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب (۴۵)  
 لیجے انھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب  
 مجھ سے نہ کچھ نہ سید عالی سے پوچھئے  
 روتے ہوئے شئے علی اکبر کبھی سے پاس  
 گر پوچھئے تو بالے والی سے پوچھئے  
 دیکھا کہ غش پڑی ہوزیں پر وہ حق شناس  
 زانو پہ سر لیے ہوئے کبریٰ ہے بے حواس (۴۶)  
 اس حال میں بھی لب پہ یہی ہو کلام پاس  
 اتنا بے طاقت جہد و روح و دل گئی  
 کیوں مہاجور رضا علی اکبر کو مل گئی  
 اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب  
 اتنا نہیں خیال کہ ہے کون حب اس بلب  
 اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلا دی سب (۴۷)  
 نام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب  
 ہیں محزون کے شوق میں خضرت کی دیاں ہیں  
 یا بے جا رہے چین نہ آتا تھا کوئی دم  
 کیا دخل تھا جو دیوڑھی سے باہر کھیں قدم (۴۸)  
 جاگی ہوں میں جو چونکے راتوں کو روئے ہیں  
 ہے کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی  
 نگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی  
 بے ان کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی (۴۹)  
 میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے  
 ہر چند دونوں تھے مرے فرزند حسد و سال  
 راتوں کو جب بیٹے تھے مجھ سے وہ فونہال (۵۰)  
 وہ دونوں عزت والے تو پہلو میں بیٹے تھے  
 پیراں کے آگے ان کا مجھے کچھ نہ تھا خیال  
 میں کہتی تھی مہر علی اکبر ہے میرا دل  
 جیلا گئے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوئے تھے

چھوٹا تو منہ بھی کرتا اتنا راقوں کو بار بار  
 دن رات تھی خوشامد ہم شکل مصطفیٰ (۵۱)  
 پر عوں کی عقل تھا بچنے اسے عندا  
 سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کہا  
 آقا کے نور عین میں عالی مقام ہیں  
 رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرت سسر  
 قرآن پڑھنے بیٹھی تھی جب دم سحر (۵۲)  
 غافل نہ ان کے پیار سے میں کیا کہ تھی  
 میں نے انہیں یہ صدقہ کیے اپنے دونوں لال  
 مانگے تو آ کے مجھ سے بھلا رخصت جداں (۵۳)  
 کیا خوب جینے جی مے جائیں گے مرنے کو  
 بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار  
 بھینگیں میں نمود ہوا سب زہ غدار (۵۴)  
 ثابت ہوا ادھر سے ادھر مرنے جائیں گے  
 باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام  
 سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ زام (۵۵)  
 خادم جدا نہ تھا شہ گردوں سر پر سے  
 کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب  
 روتا ہوں اب کہ صبر کا مجھ کو نہیں ہے تاب (۵۶)  
 ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں  
 پالا ہے مجھ کو مالک و مختار آپ ہیں

لہ لکڑی کی دو تختیوں سے بنی ہوئی ایک چٹنی دار چیز جس پر رکھ کر قرآن پڑھا جاتا ہے۔  
 لہ کوئی چیز جو گلے میں پہنی جائے۔ بھوئی قطع کا قرآن جو اکثر گلے میں ڈالا جاتا ہے یہاں مراد میں  
 حضرت علی اکبر جو بچپن میں ہر وقت حضرت زینب کے گلے کا مدار رہتے تھے۔

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی  
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی (۵۷)  
صدقہ ہے اس قدم کا جو سرتالاک گیا  
مرضی نہ ہو تو دن کو بھی جائے نہ یہ غلام  
مخبر کی مجال نہ اصسار کا مقام (۵۸)  
روٹی میں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے  
یہ کہہ کے بھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار  
پھیلا کے دولوں انھوں کو انھیں بحال زاد (۵۹)  
اٹا یہ دل کہ چشم کے ساغر جھلک پڑے  
لے کر ملائیں بولیں کہ داری خفانہ ہو  
باتیں تمہیں یہ تو پیار کی ساری خفانہ ہو (۶۰)  
آئے بلا حسینؑ پہ جو اس کو رد کرو  
الفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر  
کبریٰ کو روٹے دیکھ کے بولی وہ فوج گر (۶۱)  
میں روکنے نہ پائی کہ داران کا چل گیا  
کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ لونہال  
جس وقت سے شہید آئے دن میں دونوں (۶۲)  
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں  
میں جوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب  
لو جھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب (۶۳)  
اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا غصہ

میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا

میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا مرنے کو جاے یہ گھل بدن راضی ہوئی تھی میں کہ خواں ہو مرا بچن  
 بے خود ہوں جبے دن میں سرھائے شہ زمن<sup>(۶۴)</sup> کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن  
 اتنی خبر نہیں علی اکبر کے پیار میں قابو میں ہو نہ دل نہ زباں اعتقاد میں  
 زندوں میں ہوتی کھڑی کہتی کہ نہ جائیں اس پیاس میں شہید ہوں فاقوں میں خم کھائیں  
 اٹھا دو الہاں برس ہو دہن تو مجھے دکھائیں<sup>(۶۵)</sup> پالا ہونٹوں سے مرادیں مری بر آئیں  
 مری ہوں اشتیاق میں بہا تو دیکھ لوں سہرے کے نیچے چاند سا چہرہ تو دیکھ لوں  
 رخصت کے نام سے مرا بھٹتا ہے اب جگر ایسا نہ ہو کہ بانوے سبکیں کو ہو خبر  
 گوسن یا تو دل میں کہے گی وہ فوجہ گھر<sup>(۶۶)</sup> پیارا ہوا نہ بنت علی کو مرا پسر  
 سمجھی تھیں کیا جو دی اسے رخصت لال کی دینے لائے قدر نہ کی تیسے لال کی  
 سچ ہو کہ اس کی چاہ نہ بنت مجھے کہاں ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہواں  
 آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں<sup>(۶۷)</sup> آنچ آٹما کی ہے وہ قیامت کہ آلا ماں  
 کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خیر ہے ماں ہو زواں ہو خلق میں پھر غیر ہے  
 ماں کی نہ کم تو جی اور نہ کسی کا پیار غصہ ہو یا کہ سخت کچھ دل میں ہے نثار  
 بلبل خدا ہے گل پہ نکایت کوے ہزار<sup>(۶۸)</sup> دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار  
 دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں میرا ہو جب یہ حال پھر اسکی نوجوان ہیں  
 جن مٹنے سے یہ درد سے بانو نے سب کلام آئی قریب حضرت زینب وہ نیک نام  
 کی عرض اٹھ جوڑ کے اسے خواہرا مام<sup>(۶۹)</sup> میں ہوں کینہ آپ کی ادب یہ پسر غلام  
 کس کی مجال ہو جو کہے گا یہ کیا کیا بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

لے مادی محبت کا جوش آتا سنسکرت لفظ ہے اس کے معنی ہیں نفس یا مدح۔ انیس نے اس کو ال کے  
 معنی میں استعمال کیا ہو۔ آٹما کی آنچ سے دل سینے میں پھلی کی طرح تر پڑتا ہو۔ آزاد قصص ہند ۱۹ ص ۳۴،  
 لے کھا را دھیان کدھر ہو، تم جو اس میں ہو، یہ فقرہ عورتوں کی زبان سے مخصوص ہے۔



لوٹدی ہے فاطمہ کی کنیزوں میں بادنا  
 حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا<sup>(۱)</sup>  
 ہو قطع وہ زباں جو کوسے آپ کا گلا  
 مالک ہیں آپ میں کسی کو ہے دخل کیا  
 کچھ جلے گفتگو ہو نہ ماں کو نہ باپ کو  
 عابد کو بھیج دیجئے اصغر کو بھیجئے  
 ہے اختیار دیجئے رخصت نہ دیجئے<sup>(۲)</sup>  
 قرآن جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجئے  
 میں ہر طرح سے تابع حکم جناب ہوں  
 شادی ہو یا کفر ہو شریک تو اب میں  
 گھر میرے لیے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں  
 کسری کی گوشت پوتی ہوں سلطان کی جانی ہوں<sup>(۳)</sup>  
 لوٹدی ہوں آپ کی علی لکڑی دانی ہوں  
 بھانج نہ جانے مجھے ادنیٰ کنیز ہوں  
 صدقہ آپ کا ہو جو شہ کو عزت ہوں  
 آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہو یہ لالی  
 دخل اس معاملے میں کوئی نے یہ کیا مجال  
 چہ عازم جدال ہے اور آپ کا یہ حال<sup>(۴)</sup>  
 آپ اس کو چار سہی ہیں صدقے ہو آپ پر  
 قسمت بری ہے اس میں کسی کا قصور کیا  
 پردا ہمارا ہے نہ خیال ان کو آپ کا  
 عابد ہوں یا کہ یہ بھی آنکھوں کے لیے  
 یہ سن کے کانپنے لگی زینب جسگر نگار  
 الشریہ محبت فرزند اور یہ پیار<sup>(۵)</sup>  
 رخصت نہ لے گی تو اگر اس نورین کو  
 آواز سن کے کانپ گئی بنت مرثعا  
 دارای سدھارہ خیر جو کچھ مرضی خدا<sup>(۶)</sup>  
 ترک دیجئے تم کو اگر جواب نہ دوں رضا  
 بنت نبی تمھاری سفارش کو آئی ہیں  
 یاں والدہ بہت سے تشریف لائی ہیں

تسلیم کر کے خیمے سے وہ سیم برچلا      پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا  
 باؤ پکا دیتی تھی کہ پیارا پسر چلا      چلاتی تھی پچھلی مراحت جگر چلا  
 لٹتے ہیں اہلبیت وہائی امام کی      تصویر گھر سے جاتی ہو خیر الانام کی  
 بھائی کے غم سے عابد بے کس تھے بے قرار      اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار  
 بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا ترے نشا      سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بحال زار  
 اک حشر تھا جبرائیل اکبر جو ہونے لگے      جھولے میں پھوٹ پھوٹتے تھے صبح بلی ڈتے تھے  
 ملتا تھا خیر اندوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی      آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی  
 کوئی ادھر کو کشش تھی کوئی تھی ادھر پڑی      آفت کا دفت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی  
 ماتم تھا یہ حسین کے تازہ جوان کا      جاتا ہو گھر سے جیسے جنازہ جوان کا  
 نکلا حرم سے اسے جودہ نور حق کا نور      خادم لے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور  
 حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جودہ      دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور  
 رخصت ہوں اب جو حکم شہ نامدار ہو      رد کر کہا حسین نے اچھا سوار ہو  
 گھوڑے پہ شانزادہ عالم ہو اسوار      گویا چلے جہاد کو محبوب کو دگار  
 تھا ثانی براق فلک سیرا ہوا      صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار  
 یوں سامنے سے وہ دم جولان نکل گیا      گویا ہوا پہ تختِ تسلیمان نکل گیا  
 حضرت تو یاں زمین پہ گئے تھام کر جگر      جاسوس نے یہ لشکر اعدا کو دی خبر  
 آتا ہے اک جوان حسین غیرت قر      چہرے پہ جس کے نورِ محمد ہے جلوہ گر  
 شان و شکوہ سب سد کبریا کی ہے      کہتے ہیں سب بشر ہنقد رت خدا کی ہے

لے تختِ سلیمان - حضرت سلیمان کا تخت یا باط جس کو ہوا ان کی مرضی کے موافق ہر طرف  
 لے جاتی تھی۔



کچھ حسن بچنے کا تو کچھ آمد شباب وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب  
اپنی جگہ پہ خال کے نقطے ہیں انتخاب <sup>(۸۹)</sup> پتلی کا نور جس کی سیاہی سے بہرہ یاب  
گردن کی ضو میں طور تجلی طوع کے سب عضوتن دھلے ہوئے سانچے میں نور کے  
دل پاک روح پاک نظر پاک جسم پاک طینت میں آب خلد تھا اور کربلا کی خاک  
غزفوں سے جس کے حسن کی حور دیکھو کجھانکناک <sup>(۹۰)</sup> یوسف جو دیکھ لیں تو کہیں روح تسلیم اداک  
نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا سوار پڑھ کے سورہ نور اس پہ دم کیا  
کیا دخل چارہ ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ رکھتی تھی رعب یہ نہ غم نہ عرب کی آنکھ  
لاکھوں تھے اس طرف پھبکی تھی سب آنکھ <sup>(۹۱)</sup> غصہ ستم کا تہر کی جیتوں غضب کی آنکھ  
پانی تھا خوف جہاں سے جگر ہر دلیر کا آہوٹھا کرتے تھے میدان میں شیر کا  
غل تھا رسول پاک کے ثانی کو دیکھنا حسن بہار باغ جو انی کو دیکھنا  
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا <sup>(۹۲)</sup> یہ سب تو ہے یہ غنچہ دہانی کو دیکھنا  
نازک لباس صفت کے حسن طریق کا خاتم پہ جو دیا ہے نگینہ عقیق کا  
کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹھا رواں ہے سال یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال  
قامت ہے یہ کہ سر و گلستان اعتدال <sup>(۹۳)</sup> ماں باپ کھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال  
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوئے گی تبلا دماں کے دل پہ قیامت ہوئے گی  
زخمی جو ہوگی تیرے یہ چاند سی جبین پٹلے گی سر کو خاک پہ بانوے دل حزیں  
تینوں سے جب کہیں گے یہ رخسار ناز نہیں <sup>(۹۴)</sup> پیٹیں گے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہ دیں  
سینہ بھیدے پکر تو کیا دل کو کل پڑے ایوب بھی جو ہوں تو کیلجہ نکل پڑے

لے 'طور' اور 'طور' میں جنس مختلف ہو۔ لے طور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اردو میں اس سے طور سینا  
یعنی کوہ سینا مراد لیتے ہیں۔ جہاں حضرت موسیٰ نے نور ایزدی کی تجلی یعنی روشنی دیکھی تھی۔ اس مناسبت  
سے طور کے ساتھ تجلی کا لفظ اکثر لاتے ہیں۔ لے ہماری روح تم پر نشا۔

ناگاہ فوج کیں سے عمر نے کیا کلام  
 بس ہے یہی بساط شہنشاہ خاص و عام <sup>(۹۵)</sup>  
 یہ وقت کا راز ہے اے ساکنانِ شام  
 مارا گیا یہ شیر تو مرجائیں گے امام  
 لڑو جنابِ فاطمہ زہرا کے باغ کو  
 تصویرِ مصطفیٰ کی مٹائے گا آج جو  
 محبوبِ کبریا کے مشابہ ہے گھر تو ہو  
 ہو اس سے کیا مراد حسین ہو کہ نیک ہو  
 دنیا نہ جائے دین کا گھر تو ہو ضرر  
 تم آبدیدہ ہو لبِ خشکِ لک کے دیکھ کر <sup>(۹۶)</sup>  
 غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو  
 ہاں غازیو نہ اس کی جوانی کا غم کرو  
 برچھے اٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو <sup>(۹۷)</sup>  
 بیاضِ جب ہاؤ کہ مہر جائیں گے حسین  
 پھد جائے گاناں سے جو اس شیر کا جگر  
 ڈیوڑھی سے ماں پکڑے گی ہے مرا پسر <sup>(۹۸)</sup>  
 حضرت تو پیٹتے تھے لاشے پہ آئیں گے  
 یہ گلِ عذارِ دخترِ حمید کی جان ہے  
 بابا کی روح ہے تنِ مادر کی جان ہے <sup>(۹۹)</sup>  
 بے جان کو دے کہ یہ سب گھر کی جان ہے  
 بعد اسکے خاتمہ ہو صغیر و کبیر کا <sup>(۱۰۰)</sup>

لے جوشن ایک طرح کی زورہ۔ آفتوں سے محفوظ رہنے کی ایک دعا۔ بازو پر باندھنے کا ایک زیور۔

لے جوان۔ لے چھوٹا بڑا۔ جوشن صغیر جوشن کبیر دو دعائیں بھی ہیں۔

یہ سن کے فوج کہیں ہوئی آمادہ نہ سرد  
 غل سن کے ہو گیا شہ والا کارنگ زرد  
 (۱۰۱) کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد  
 بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھائی  
 ترنا پھنکی سپاہ میں طبل و غنا بجا  
 پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا  
 (۱۰۲) حضرت پکائے لال پہ اعدائے بیٹے ہیں  
 لڑنے کو اس طرف سے عدد سب کے سب بڑھے  
 چوڑے قدم نہیب نے ٹھک کو یہ جب بڑھے  
 دہشت کے فوج شام کی بدلی سمت گئی  
 ڈھالوں کو رکھ کے پھروں پہ گر گر پڑے حسود  
 (۱۰۳) کھرا گیا تمام جو دوسقروں د  
 عبرت پاہ شام پہ وہ چند ہو گئی  
 جوار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ  
 چمکا اک آئینہ کج ہوئی فوج شام دنگ  
 (۱۰۴) نور خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود  
 باجوں کی فوج کہیں کے صدا بند ہو گئی  
 صفدر نے بڑھ کے فاتحہ لی تیغ شعلہ رنگ  
 (۱۰۵) ادا کھلائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ  
 یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی  
 جاتا ہواؤں کو کے غزالوں پہ جیسے شیر  
 (۱۰۶) کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں سروں کے ڈھیر  
 ثابت نہ یہ ہو اصف اول کدھر گئی  
 باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا  
 (۱۰۷) بس دفعتاً سپاہ کا دفتر الٹ گیا  
 پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے  
 سرد اعلیٰ خوار نہ سرکار ہو گئے

لے فوج کے دفتر میں ہر باہی کا چہرہ یعنی حلیہ لکھ لیا جاتا تھا۔ چہرہ کٹ جانا۔ دفتر سے نام خارج  
 ہو جانا۔ ملے معائنہ جانچ۔ فوج کی حاضری۔

چہرے پہ ایک کے نہ بجائی نظیر پڑی جو صف بھری ہوئی تھی وہ حسالی نظر پڑی  
 سر پر سبھوں کے تیغ ہلائی نظیر پڑی سوئے جنوب فوج شمالی نظیر پڑی  
 غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہو کیونکہ قدم تھیں کر زمین کی جاتی ہو  
 ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے ادھر ادھر پھیلتے تھے ڈار کے برہمچوں والے ادھر ادھر  
 پیش نظر تھے خون کے سھالے ادھر ادھر ابتر تھے دشت کیں میں رسالے ادھر ادھر  
 لٹا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا  
 بڑھ کر کسی نے دار جو روکا سپر کٹی چار آئینہ کٹا زرہ خیمہ سر کٹی  
 نیزے کی ہر گزہ صفت نیشکر کٹی سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی  
 رہوا بھی وہ نیم میان مصاف تھا اس سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا  
 وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اس کی چمک دمک کانپی کھی زمین کھی تھرا گئے فلک  
 شعلے میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ ہلک ہر ضرب میں سہ سے تلاطم تھا تا سمک  
 کونین میں جو اس بجائے نہ ایک کے گاؤں میں کھتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے  
 سیدھی چلی وہ جب صف دشمن الٹ گئی باقی تھی جتنی عمر تہ تیغ کٹ گئی  
 آکر زمین پہ جب سوے گردوں پلٹ گئی بجلی سے رعد رعد سے بجلی لپٹ گئی  
 گرتے تھے جن زمین پہ سٹھ ڈھانڈھانچے ہٹتے تھے جبریل امین کانپ کانچے  
 لٹا نہ تھا صفوں میں علم کا نشان کہیں چلے کہیں تھے شریعت کہیں اور کہاں کہیں  
 نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں جگمگ کہیں کشتہ کہیں برچھیاں کہیں  
 اک اک سیاہ رو کا جگر دراغ دراغ تھا جگل تمام ڈھالوں کے پھولوں کے لنگ تھا

لے شمسٹ - چڑے کا انگشتانہ جو تیر انداز انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں لہ ڈانڈ - بانس یا کسی دوسری  
 موٹی کا ڈنڈا جس پر بھی کاپھل لگا لیتے ہیں سہ سناں - نیزے اور پرچی کا پھل لہ جھمڑ - ایک ہتھیار  
 جو خنجر سے مشابہ ہوتا ہو - شہ کند - وہ کسی جس سے جنگ میں سپاہی اپنے مقابل کو پھانسی لیتے تھے - ہی  
 کے ذریعے سے مکان کی چھت اور تلے کی دیوار پر چڑھ جاتے تھے -

ہنسی گوی اٹھی ادھر آئی ادھر گئی خالی کیے پرے تو صفیں غوں میں بھر گئی  
 کاسٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی <sup>(۱۱۳)</sup> ندی غضب کی تھی کہ چرطی اور ادھر گئی  
 اک شور تھا یہ کیا ہو جو تہر صد نہیں ایسا تو رو دہیل میں بھی جو رو نہیں  
 سرخ و سرود کے چتر گردن سے اڑ گئے ہاتھ آستیں سے اڑ گئے سر تن سے اڑ گئے  
 ڈر ڈر کے سب پرند نین سے اڑ گئے <sup>(۱۱۵)</sup> پانی جوداہ طائر جاں سن سے اڑ گئے  
 تھے قتل عام پر علی اکبر تلے ہوئے بہتے تھے بند زخموں کے کوٹھے کھلے ہوئے  
 اشرے دو زبانی تیغ و دو دم کا کاٹ آفت تھی حکمی ہاتھ قیامت تھا جس کا گھاٹ  
 قتل سے تاب نہ نہر تھا دریائے غوں کا پاٹ <sup>(۱۱۶)</sup> ہر دم تھی اس کو تازہ لبو جانے کی چاٹ  
 سختی کو جوڑ بند کی کبانتی تھی وہ ہر اتھواں کو مغر قلم جانتی تھی وہ  
 آئی حد صرپٹ کے صفوں کو بچھا گئی تن سے اڑا دیا وہیں سر جس کو یا گئی  
 ہراک کوٹھی کو نرم سمجھ کو چسب گئی <sup>(۱۱۷)</sup> فولاو کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی  
 چار آئینے کا کاٹ بھی اس پر حوالہ تھا ذکر اس کا کیا ہو خود تو مسخ کا نوالہ تھا  
 یار افراد کا تھا نہ صورت نہ راک پیدل کی موت تھی تو خوانی سوار کی  
 روئیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی <sup>(۱۱۸)</sup> لکھوٹے تھے دد کے ہاتھ یہ گھائی ٹھنی چار کی  
 آگے بڑھے تو مسخ وہیں کٹ جائے گیو کا بجلی کی تھی کوٹک کو طمانہ تھا دیو کا

لے چنر۔ حلقہ۔

لے زخم کا کوچہ۔ زخم کا شکار یا مسخ۔

لے کلک کے قلم کے ریشے جو بہت نازک ہوتے ہیں اور نہایت آسانی سے کٹ سکتے ہیں۔

لے شیشہ بازی کی ایک مشن جس میں چار معین مقامات پر ضرب لگائی جاتی ہے۔

لے ایران قدیم کا ایک نامی پہلوان۔



اتری زمیں پہ وہ سر دشمن پہ جب چڑھی دم بھر میں آب تیغ کی نری غضب چڑھی  
اک شور تھا صفوں میں کب تری یک جہتی <sup>(۱۱۹)</sup> سب کو بجلا تیغ سے لڑنے کی تب چڑھی  
مقل سے بھاگنے پہ تنک طرف تل گئے کانپے یہ نیزہ باز کر سب کھل گئے  
کچھ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی  
بلے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی <sup>(۱۲۰)</sup> بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی  
خودہ بلے بولتے تھے گھوڑوں کو دابکے بیڑی قدم میں بن گئے سہلے رکاب کے  
قرسقریں کشتہ ضرب سخت تھے بے سرو ہوئے بہت بولڑائی میں جت تھے  
قبضے میں تھا زور نہ بازو درست تھے <sup>(۱۲۱)</sup> کھینچیں کسے کماؤں کے بازو بھی سست تھے  
ہر کھنہاد تیرا جل کا نشانہ تھا شائے صلی تھے قلم یہ نیا شاخا نہ تھا  
تیغوں کو ڈر کے عہدہ جو پھینکنے لگے مغفروں سے مثل سب پھینکنے لگے  
حلقے کہاں کے سب لب جو پھینکنے لگے <sup>(۱۲۲)</sup> ہنکا سمجھ کے تیرے دو پھینکنے لگے  
ترکش بھی اہل ظلم کے آفت رسیدہ تھے چلے بھی کفش میں کہاں سے کتیرے تھے  
کرتے تھے فتح جنگ کو جو ایک آن میں رخصت تھا ان کے ہاتھ میں لکنت زبان میں  
الجاتے تھے کند کیئے کسان میں <sup>(۱۲۳)</sup> ترکش میں تنغیں رکھتے تھے تیروں کو میان میں  
تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھکالیں گے آتی تھی تیغ جب پر پھینک دیتے تھے

۱۔ یہاں 'بجلا' سے حمزہ دشمنی یا غصہ مراد ہے۔ کہ بند بھڑ۔ نیزہ کے داؤں۔ ہڈیوں کے جوڑ۔

۲۔ اس بند میں 'دم' کی تکرار ہے۔ کہ تیغ دو دم۔ دو دھاری تلوار۔

۳۔ کہاں کے بیچ کا حصہ چھوڑ کر دونوں طرف کے باقی تھے اس کے بازو ہیں۔

۴۔ کھینچے ہوئے۔ ناراض۔

۵۔ اس مصرع میں تین لفظ ایسے ہیں جو کان سم سے شروع ہوئے ہیں اور جن میں 'ن' بھی کسی نہ کسی جگہ موجود ہے۔ اس التزام سے کلام میں ایک خاص صنعت پیدا ہو گئی ہے۔

بڑھتے تھے جو پے سے بٹے بول بول کے پہلے انھیں کو مارا یا رول رول کے  
 سلا گیا جو تیغ و دودم تول تول کے <sup>(۱۲۳)</sup> ہتھیار سب نے پھینک دیئے کھول کھول کے  
 اس شان سے کھینچے عجم نہ عرب لڑے دودن کی پیاس میں علی کبر غنٹ لڑے  
 دہشت کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے اس گھاٹ پر جو آئے سران کے اتر گئے  
 رستہ تھا ایک اودھ دہ گئے یا اُدھر گئے <sup>(۱۲۵)</sup> ہر پھر کے ہر طرف سے میان سفر گئے  
 نادانے اشتیاق میں کرب بھی لاگ میں پھینکا ہوا لے پانی میٹانی نے آگ میں  
 دہ حرب دہ شکوہ دہ شان پیری نعرے دہ نہ در شور کے دہ ضرب حیدری  
 دہ تیغ خوش بکلاں دہ جلال غضنفری <sup>(۱۲۶)</sup> راکب جو رشک جو رتور ہوا رہی پر می  
 چالاک ہوان ختن اس قدر نہ تھے اڑ جاتا تھا ہما کی طرح اود پر نہ تھے  
 بلعیک جلد دہ کہ نظر آئے تن کا خوں کند لٹے کو دیکھ کو نہ نہ ہوئے سرنگوں  
 و فقاہ میں دہ سحر کو پروں کو ہو جنوں <sup>(۱۲۷)</sup> غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنونی کو کھیا کہوں  
 قزاق ہزار جاں فرس بے نظیر نہ توفان در دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پڑے  
 کوتاہ و گرد و صاف کنونی کسر کفعل کیا خوش نہ کشا دگی سینہ و بغل  
 سیاب کی طرح نہیں آرام ایک پل <sup>(۱۲۸)</sup> پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل  
 راکبے سانس لی کہ وہ کو سونے نہ تھا تار نفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا

لے گھاٹ دریا کا بھی ہوتا ہے اور تلوار کا بھی ہر لڑنے کے معنی میں سر کٹنا لیکن اترنا، دریا کو عبور کرنے کے معنی میں  
 بھی آتا ہے۔ گھاٹ، اور اتر گئے سے کلام میں ایہام پیدا ہو گیا ہے۔

لے گھوڑے کی گودن کا خم۔

لے گھوڑے کے کان اتنے چھوٹے اور ایسے سیدھے کھڑے ہوئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تیرہ پرورد  
 سو فار چڑھا دیے گئے ہیں۔

لے پہلے تین مضامین بیان کی گئی ہیں۔ پھر ترتیب دار ہر صفت کا موصوف لایا گیا ہے۔ یعنی کوتاہ کنونی  
 محدود۔ صاف کفعل۔ محدود کے معنی گول اور کفعل کے معنی سچا

وہ چیت و غیر و سرعت و چالاکا سمت  
 ستم قرص مہتاب سے روشن ہزار چند<sup>(۱۲۹)</sup>  
 سانچے میں تھے ڈھلے تھے سب کے جوڑ بند  
 تپلی سوار کی زہری تھی کہ مر گئی  
 آہ کی جنت شیر کی آمد پری کی چال  
 سبزہ بیک روی میں قدم کے تلے نہال<sup>(۱۳۰)</sup>  
 جو اٹھا قدم کے تلے گھر و جلو عفا  
 بھلی بھلی بنا کبھی رہا ہوا بن گیا  
 گمہ قطب گاہ گنبد دوار بن گیا<sup>(۱۳۱)</sup>  
 حیران تھے اکی گشت پہ لوگ اس ہجوم  
 جب اس جوی نے قتل کیے پانچ سو جوان  
 جلا یا ابن سعد یہ قلب و سخت جاں<sup>(۱۳۲)</sup>  
 بر بھی کاب ہو کام نہ تلوار چلبے  
 یہ سن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر  
 آتے تھے فوج فوج بہاہ عدد سے تیر<sup>(۱۳۳)</sup>  
 مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نو عین پر  
 سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جوارا ہوار  
 سر خاک پر گرانے لگی تیغ آب داد<sup>(۱۳۴)</sup>  
 سلا کیا تھا جن پہ پنج انکے تو پھر گئے  
 سارے میں تھے ڈھلے تھے سب کے جوڑ بند  
 نازک مزاج و شوخ ویرہ چشم و سر بلند  
 تپلی سوار کی زہری تھی کہ مر گئی  
 بیک روی بھلی دل طاس پامال  
 اک دو قدم میں بھول گئے جو کوئی غوال  
 بھلی بھلی غصہ کی تھی کہ چھلاوا بھی گڑھا  
 آیا عرق تو ابر گہر بار بن گیا  
 نقطہ کبھی بنا کبھی پر کار بن گیا<sup>(۱۳۵)</sup>  
 تھوڑی سی عین پھرتا تھا کیا ہجوم ہجوم  
 ہر صفت ہر پردے سے اٹھا شور آلا مال  
 نکلیں وہ دس ہزار کا انداز ہیں کہاں<sup>(۱۳۶)</sup>  
 اس نوجوان پر تیروں کی بوجھا چاہیے  
 پھر عقب سے پڑنے لگے دو برد سے تیر  
 سب سرخ تھے شبیہ نبی کے ہو سے تیر<sup>(۱۳۷)</sup>  
 پروانے گور رہے تھے چراغ حسین پر  
 بھلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار  
 تیروں کو پھینک پھینک بھاگے خطا شمار<sup>(۱۳۸)</sup>  
 پر یہ لپٹ کے پر بھونٹوں لوں میں مگر گئے

لے خاک میں مل گیا تھا۔

لے پناہ - میدان جنگ میں دشمن سے دم کی درخواست کرتے وقت 'الاماں' 'الاماں' پکارتے تھے۔

یوں آگیا سناؤں میں وہ آسماں جناب ہو جس طرح خطوط شاعری میں آفتاب  
 سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب طاقت بھی فطر ضعیف سے دیئے لگی جواب <sup>(۱۳۵)</sup>  
 آمد ہوئی جو غش کی سرپاک بھک گیا واسع تاکہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا  
 اس حال میں بھی تیغ سے کس بر بھیاں قلم لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزہ ستم  
 زخم جگر سے بہنے لگا خون دمبدم <sup>(۱۳۶)</sup> نکلے ہوئے رکابوں سے کھلتے تھے قدم  
 کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ نکال گیا تھا دو پارہ جو جگر ٹکڑے آئے زناں گیا تھا  
 نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار قربان جو اُت پسر شاہ نامدار  
 زخم سناں تھا سینہ انور کے دار پار <sup>(۱۳۷)</sup> ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغ آب دار  
 پنچوں سے اسکے ہاتھ قلم ہو کے گوڑے لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گوڑے  
 گونا تھا بس کر سر پہ لگا گور زہے ستم یوں بھک گئے کہ ہوتے ہیں بکد میں جیسے خم  
 رکھ دی گئے پٹیشٹ نے شمشیر تیز دم <sup>(۱۳۸)</sup> تلوار اک بڑی کہ ہوئیں پلایاں قلم  
 غل تھا کو رو نہ رہا تن پاش پاش پر دوڑا دو گھوڑے اکبر ہر دو کی لاش پر  
 حضرت کھڑے تھے نیچے کی کپڑے ہوئے طناب سن کو یہ غل رہی نہ دل نا تو اں کو تاب  
 ناگاہ آئی رن سے صد اے فلک جناب <sup>(۱۳۹)</sup> بیٹا جہاں سے جاتا ہوا آب آئے شباب  
 لاشے پہ ظلم وجود بد اعمال کون تے ہیں گھوڑے سے اہل کنیں ہیں پامال کون تے ہیں

لے اسی مفہوم کو انیس نے ایک دوسری بیت میں یوں ادا کیا ہے

یوں بر بھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے  
 جیسے کون نکلتی ہے گورد آفتاب کے

اس تشبیہ کے ذریعے سے انیس نے ایک یکجہی اور بیجا رگی کی حالت میں عظمت اور شان

پسید اکرو دی ہے۔

لے یزیدی فوج کا ایک نامی سیاہی۔

سُن کو یہ استغاثۂ فرزند خوش خصال      سید نے آہ کی کہ ہلا سرش ذوالجلال  
 کھولے جناب فاطمہ کی سیٹیوں نے بال <sup>(۱۴۰)</sup>      بانو پکاریا خیر تو ہے اے علی کے لال  
 ہے ہے پیر سے کون سی مادرِ بچہ لگئی      صاحب بتا دیکھا میری بیٹی ابو لگئی  
 نیز سے کس کے لال کا زخمی ہوا جسکے      کو تے ہیں کس کی لاش کو پامال اہل شہر  
 کھتا ہو کون رن میں تڑپ کو پدر پدر <sup>(۱۴۱)</sup>      اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہو ہو مر پسر  
 پڑ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں      آداز یہ اسی کی جو پہچانتی ہوں میں  
 بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہ نامدار      وہ بیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطراب  
 دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بے قرار <sup>(۱۴۲)</sup>      اٹھتے تھے اور زین پہ گرتے تھے بار بار  
 چلاتے تھے شبیہ پیر ہم آتے ہیں      گھبراؤ نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں  
 بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے      لے نور عین جسم کی طاقت میں فرق ہے  
 تم یہ نہ جانو کہ محبت میں فرق ہے <sup>(۱۴۳)</sup>      زخمی ہو قلب روح کی راحت میں فرق ہے  
 داغ جگر ہیں ملا گودی میں پال کے      کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے  
 آؤں کہ دھر کو اے علی اکبر جواب دو      جلا رہا ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو  
 اکبر برائے خالق اکبر جواب دو <sup>(۱۴۴)</sup>      بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو  
 محبت میں ہم تو اک باتوں سے کام لو      بیٹا ضعیف باکے بازو کو مقام لو  
 کچھ سوچتا نہیں میں کہ دھر جاؤں کیا کروں      اے کوڑھیم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں  
 مضطرب ہو جان دل کسے سمجھاؤں کیا کروں <sup>(۱۴۵)</sup>      کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے میں لاؤں کیا کروں  
 پایا تھا مدتوں میں جسے خاک مچان کے      وہ لعل ہم نے کھو دیا بھگل میں ان کے

لے مرد کے لیے پکارنا۔

لے سردار۔ مراد امام حسین۔

لے آنکھوں کا نور مجازاً بیٹا۔ یہاں دونوں تہی مراد ہیں۔ صنعت ادا ماح کی ایک مثال ہے۔

بس اب خبر حسین کی لے جلد اے اجل لے جسم زار نہایت کا باقی نہیں محسوس  
 لے جان نا تو اں تن مجرد سے نکل (۱۴۶) ہاں لے نفس پھری کی طرح سے گلے پہ چل  
 پھوٹنے اسکا ساتھ جویری کی آس ہو لاشہ بھی لاشہ علی اکبر کے پاس ہو  
 جنگل سے پے لے واس پھرے نہر پر گئے داں بھی جو وہ گہر نہ ملا سوتے برگئے  
 دوڑے کسی طرف تو کئی جا بٹھہر گئے (۱۴۷) مٹھالے لے ہو کے برابر جدھر گئے  
 ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا ابو ملا لیکن کہیں نہ وہ سپر راہ رو ملا  
 جا کو صفوں کے پاس پکائے، باشک آہ ہے کس طرف مرے علی اکبر کی قتل گاہ  
 لے ظالمو یہ شب سے کو دن ہو گھسیا سیاہ (۱۴۸) کس ابر میں بچا ہے مرا جو دھویں کا ماہ  
 بتلاؤ جان ہو کہ نہیں جسم زار میں زخمی پڑا ہے شیر مر کس کچھار میں  
 لاش بسر کو ڈھونڈتے تھے شاہ بھر دو بر سر پٹنی کے جا ہے کہ سنہتے تھے اہل شر  
 کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر (۱۴۹) کس کو حضور ڈھونڈتے ہیں مر گیا پسر  
 خود ڈھونڈھ لیجیے جد پاش پاش کو بتلا میں گئے نہ ہم علی اکبر کی لاش کو  
 یہ سن کے کھینچ لی شہ والائے ذوالفقار چمکی جو برقی تیغ تو بھاگے ستم شعار  
 شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار (۱۵۰) چلا اے اے عقاب کدھر ہے تدا سوار  
 دکھلائے مجھ کو لاش کے نور حسین کی کس دشت میں پڑی ہو فیض اوستین کی  
 لٹنے پڑے ان رکابوں کے حلقوں سے چشم نم ہے اسی میں تھے مے فرزند کے قدم  
 بوسے تری لگام کے لوں میں اعنیں (۱۵۱) اکبر کے ہاتھ میں تھی ہی باگ ہے ستم  
 ہے وہ ہاتھ پاؤں کے آفتاب کے قرباں تری لگام کے صدمے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے لئے دشت کی نظر  
 پاملتھا آگے آگے وہ تازی چشم تر <sup>(۱۵۲)</sup> گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بکروبر  
 جنگ میں لاش سپر نو جواں ملا  
 وہ ملقا ملا تو مگر نیم جاں ملا  
 دیکھی عجیب حالت فرزند نو جواں  
 پکیاں گلے میں ہونٹوں پہ پھلی ہوئی زباں  
 تن پر جواحت تبر و خنجر و سناں <sup>(۱۵۳)</sup> گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں  
 ٹاپوں سے مرکوں کی جواحت پچھے ہوئے  
 چہرہ سفید خاک میں گیسو لٹے ہوئے  
 اچکی کے ساتھ کہتے ہیں داکر کے چشم تر  
 لے جان جسم زار میں اور ایک دم ٹھہر  
 لے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کو <sup>(۱۵۴)</sup> لے در و تھم زدا کہ پھٹا جاتا ہے جسگر  
 پھر ایک بار سید والا کو دیکھ لوں  
 مہلت بس اتنی لے کہ میں بابا کو دیکھ لوں  
 دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے  
 حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ لے لے  
 زندہ ہے یہ پیر جواں یوں جہاں سے <sup>(۱۵۵)</sup> لے لال تین روز کے فاتے میں زخم کھائے  
 شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو  
 زخمی تھادی بھاتی یہ بابا نثار ہو  
 کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو لے میرے گل عذار  
 کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار  
 آنکھیں تو کھول دو کہ مراد مل ہے بے قرار <sup>(۱۵۶)</sup> بیٹا تھادی ماں کو تھارا ہے انتظار  
 بہنیں کھڑی ہیں پہ بڑے اشتیاق میں  
 اکبر تھادی ماں جیے گی فراق میں  
 غش میں سنا جو ہیں علی اکبر نے ماں کا نام  
 کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام  
 سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام <sup>(۱۵۷)</sup> شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہو کلام  
 اب اور کوئی دم کا سپر مہمان ہے  
 امداد یا حسین کہ پانی میں جان ہے  
 فرمایا شہ نے علی اکبر میں کیا کردوں  
 پانی بہنیں ہو مجھ کو میسر میں کیا کردوں  
 گھیرے ہیں نہر کو یہ ستم گو میں کیا کردوں <sup>(۱۵۸)</sup> کچھ بس نہیں مرے دلبر میں کیا کردوں  
 اعدائے دیں گے بوند اگر لاکھ کہ کریں  
 بیٹا تھادی سانی کو تر مدد کریں

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر اتنی زباں ہلی کہ خدا کا قضا ہے پسر  
 بچکی جو آئی تمام لیا ہاتھ سے جسگر<sup>(۱۵۹)</sup> انکوائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پر سر  
 آباد گھر نا شہ والا کے سامنے بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے  
 لکھا ہے ایک رادی غمگین و پر ملال یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال  
 نکلی حرم سے ایک زن فاطمہ جمال<sup>(۱۶۰)</sup> گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال  
 تھی اس طرح سے رخ پر ضیا اس جناجے حلقہ ہو جیسے نور کا گروہ آفتاب کے  
 چلاتی تھی اسے مرا پیادہ ہے کس طرف اے آسماں وہ عرش کا تارا ہے کس طرف  
 اے ہر شام چاند ہمارا ہے کس طرف<sup>(۱۶۱)</sup> اے ارض کو بلا وہ سدھا ہے کس طرف  
 ہے ہے سناں سے جان گئی یہاں کی میت کہ صر کو جو مے ٹوٹیں جو ان کی  
 اے میرے بچے کیسوؤں والے کہہ رہے تو ہے مے غریبی کے پالے کہہ رہے تو  
 واری کہاں لگے تھے بھالے کہہ رہے تو<sup>(۱۶۲)</sup> کیونکہ کچھ بھی جگر کو سنہالے کہہ رہے تو  
 اٹھا رواں برس تھا کہ موت آگئی تھی لے نور عین کس کی نظر کھا گئی تھی  
 ہے ہے مے سعید و شید و میتیں جو اں خوش رو جو ان غریب جو ان مزہ جیں جو ان  
 صفدر جو ان شکیل جو ان نازیں جو ان<sup>(۱۶۳)</sup> کس نے تھے مڑو لیا اے حسیں جو اں  
 آغاز تھیں میں ابھی ایسے سن نہ تھے بچے کے ابھی تھے گز کے دن نہ تھے  
 یہ بین کوئی جاتی تھی وہ سوختہ جسگر سیدانیوں کا غول تھا تھچھے برہنہ سر  
 جاتی تھی بے حواس ادھر سے وہ فوج گرو<sup>(۱۶۴)</sup> آئے ادھر سے لاش لے شاہ بحر و بر  
 دیکھا ابو رواں بوتن پاش پاش سے سب بیبیاں پیٹ گئیں لکڑی لاش سے  
 ہاں شاہ دیں کے تعزیہ دار و بکا کرد ہاں لے خدا کے دوست کے پیادہ بکا کرد  
 نام میں ہاتھ بیٹے پہ مارو بکا کرد<sup>(۱۶۵)</sup> اکبر جہاں سے اٹھ گئے یار و بکا کرد  
 سمجھو شریک بزم شہ مشرقین کو لے لو جو ان بیٹے کا پڑسا حین کو



ہے حسین آپ کا دلبر بچر مگیا      فریاد ہے شبیہ سمیٹا بچر مگیا  
 و احیف داد ریخ دلاور بچر مگیا<sup>(۱۶۶)</sup>      درد او حسرتا علی اکبر بچر مگیا  
 مظلومیت پرشند وانی پرہیزیں گے      جب تک جنیں گے اکی جوانی پرہیزیں گے  
 آقا انیس ہندیں کب تک پھرے تباہ      گھٹتی ہے عمر بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ  
 ضعف اس برس بہتے اجل آنے جلے آہ<sup>(۱۶۷)</sup>      بلوائے غلام کو اس میرے بادشاہ  
 قرب مراد شاہ دو عالم نصیب ہو  
 بس کو بلائیں اب کی محرم نصیب ہو



زر کے لیے حق نے کیمیا پیدا کی      جو درد دیا اس کی دوا پیدا کی  
 عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج      اس کے لیے یہ خاک شفا پیدا کی

راحت کیا حاسدوں سے حاصل ہوتی      لذت دنیا کی زہر فاتی ہوتی  
 اس وقت میں گو محضر و میٹھا ہوتے      دو چار گھڑی بھی ذمیت مشکل ہوتی

مضمون گو ہر ہیں اور صدق سینا ہے      ہے صاف تو یہ کہ قلب بے کینا ہے  
 آئینہ سار و دشمن ہے کلام اپنا انیس      ہم اس کو نظر آئیں گے جو بینا ہے

ناقدری احباب سے حیراں ہوں میں      آئینہ فروش شہر کو راں ہوں میں  
 ہے اک نظر لطف ہمداری قیمت      بینا ہو خریدار تو ازاں ہوں میں

## مرثیہ (۵)

جب نوجواں پیر شدہ دیں سے جدا ہوا      روشن قمر سپہریں سے جدا ہوا  
 نور نظر امام مہیں سے جدا ہوا      <sup>(۱)</sup> سخت جگر حسین حزیں سے جدا ہوا  
 دل داغ ہو گیا دل و جان بتول کا      گھر بے چراغ ہو گیا سبط رسول کا  
 بر بھی سے ٹکڑے ہو گیا سخت جگر کا دل      خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پیر کا دل  
 ہوتا ہے آگینے سے نازک لبشر کا دل      <sup>(۲)</sup> پتھر کا دل نہیں ہے یل ہو پردہ کا دل  
 ایوب بھی لگے ہوں تو دم بھرنے کل ٹٹے      آنسو تھمیں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے  
 پیری میں آفت عسم اولاد الاماں      دل اور زخم خنجر بیداد الاماں  
 وہ اضطراب خاطر ناشاد الاماں      <sup>(۳)</sup> وہ اشک شور اور وہ فریاد الاماں  
 بیٹا نہ ہو تو زینت کا پھر کیا مزار ہا      جب گھر بڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا  
 بسل کے لٹنے کی کسی دل کو کیا خبر      عزت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر  
 کشتی کے ڈوب جانے کی سہل کو کیا خبر      <sup>(۴)</sup> کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر  
 خاموش سے پوچھیے کسی گل سے پوچھیے      صدمہ چمن کے لٹنے کا بلبل سے پوچھیے  
 پھر ادا لال جن کا گوارا نہ تھا فراق      فراتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اب عراق  
 لے موت جلد اگر بس اب زندگی ہے شاق      <sup>(۵)</sup> خنجر کی آرزو ہے شہادت کا اشتیاق  
 برباد اس طبع کوئی آباد گھر نہ ہو      کیا زندگی کا لطف جب بیا پیر نہ ہو  
 پھڑپھڑے پر سے اکبر و ہزار حیف      اب رو ہے سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف  
 کیا خوشنا تھے دوش پہ گئیو ہزار حیف      <sup>(۶)</sup> وہ بھینی بھینی جسم کی خوشبو ہزار حیف  
 وہ زلف و رخ وہ پیار کی باتیں گھٹیں      وہ دن کہاں ہیں آہ و آتش گھٹیں

لے 'اب رو' اور 'ابر و' میں تجلیں تام مرکب ہے۔

سب چاہیں جس کی زینت وہ شیریں لڑکیاں کر  
 پیدا تو کس جگہ ہوئے اکو کہاں مر <sup>(۸)</sup>  
 اس عمر میں جہاں سنگ کو لے کے دن نہ تھے  
 کہتا، خود شبا بکے لے کے دن نہ تھے  
 پھولے پھلے نہ وہ چین روزگار میں  
 دکھا کبھی نہ ایک گل ایسا ہزار میں <sup>(۹)</sup>  
 بے بس تھے وہ کسا تھے پردہ کو نہ لے گئے  
 روتے ہوئے حرم میں گئے قبلہ انا م  
 سج زرد دل میں درد بدن سر قشہ کام  
 یہ درد تھا بکاس میں دل ٹکڑے ہوتے تھے  
 پیارے نہ تھے حسین علیہ السلام کے  
 تھرا رہے تھے پاؤں شہ قشہ کام کے <sup>(۱۰)</sup>  
 فرات تھے بہن علی اکبر گور گئے  
 پُرسا تمھیں شہیدوں کا دینے کو آئے ہیں  
 پیٹے ہیں خاک اڑائی ہو آنسو بہائے ہیں <sup>(۱۱)</sup>  
 سر تھا حسین مکیں و تنہا کی گود میں  
 سر بارودوش ہے ہیں رخصت کو دہن  
 مرنے پڑے ہوئے ہیں عز یزدوں کے کھن <sup>(۱۲)</sup>  
 محبوب ہم ہیں قاسم بے پر کی روح سے  
 شرمندگی نہ ہو علی اکبر کی روح سے  
 افسوس نیم جاں جیے جان جہاں مرے  
 قدرت خدا کی پر جیے نو جواں مرے  
 بھونکا چلا ہوا سہ خزاں کا بہار میں  
 کیا زور ہے امانت پروردگار میں  
 جس دم طلبی تو اکیلے چلے گئے  
 تڑپتی ہوئے سخت جگر کے قبا تمام  
 طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں ہو کا نام <sup>(۹)</sup>  
 یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے  
 لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھکا م کے  
 سر دوش پر تھا زینب عالی مقام کے <sup>(۱۰)</sup>  
 ہم ایسے سخت جاں میں کہ اب تک نہ گئے  
 کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں  
 یہ ہم تھا مے لال کے خوں میں نہلے ہیں <sup>(۱۱)</sup>  
 بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں  
 اب عنقریب خیمہ عصمت ہیں تیغ زن  
 پامال ہونے لاشہ فرزند صف شکن <sup>(۱۲)</sup>  
 شرمندگی نہ ہو علی اکبر کی روح سے

لے خوف ناک غفہ دور۔ لے اس مصرع کے درمیان میں تین لفظ ہم قافیہ آئے ہیں۔ 'درد' 'دور'۔  
 سرور۔ اس سے صفت تعظیم المراد ورج پیدا ہو گئی ہے۔

یہ سن کے بنیوں کے جگر پر پھری چلی      زینب زمیں پہ گو کے پکاری کو یا علی  
 سرخنی جہاں کے ہیں سب آپ پر چلی <sup>(۱۳)</sup>      جاتا ہو ظالموں میں یہ کونین کا دلی  
 بیگس کو آسرا ہو سپر کا نہ بھائی کا      آقا ہی تو دقت ہو مشکل کشائی کا  
 صدقہ گمنی پسر کے بچانے میں کد کرو      فرزند فاطمہ کی بلاؤں کو رد کرو  
 دریا کو چھین لو حق تو ہر اسند کرو <sup>(۱۴)</sup>      یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو  
 پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ ہر میں      حصہ سپر کیا نہیں مادر کے ہر میں  
 یا مصطفیٰ بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال      یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال  
 یا فاطمہ میں لٹتی ہوں بکھر اوسر کے بال <sup>(۱۵)</sup>      یارب الٹ دے آج یہ سب عرصہ قتال  
 پھر کسی سے کام ہو سب سے جدا ہوں      بھائی کو اپنے لے کے میں جگہ میں جا رہوں  
 فرمایا شرنے صبر بہن چاہیے تمھیں      خالق کی یاد رکھو علن چاہیے تمھیں  
 لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھیں <sup>(۱۶)</sup>      جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھیں  
 ہر بار پچھتے تھے سبب آہ سرد کا      شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا  
 ہیں مورد بلا و مصیبت ازل سے ہم      اس نعل کے میں چین سے گزرا نہ ایک دم  
 غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں براے غم <sup>(۱۷)</sup>      سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم  
 اب آخری بہن یہ سوادہی ہماری ہے      بعد ان بزرگواروں کے بازی ہماری ہے

۱۷ اشارہ ہے اس عقیدے کی طرف کہ پیغمبر عہد حضرت محمد کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا عقد  
 خداوند عالم کی تجویز سے حضرت علی کے ساتھ ہوا اور خدا نے روئے زمین کے کل دریا، نہریں اور چٹنے ان  
 کے ہر میں دیے۔ ۱۸ پوشیدہ اور ظاہر، خفیہ اور علانیہ۔

۱۹ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت علی کے گھر پر  
 چڑھائی کر دی۔ درود نہ بند تھا اس کو گواہیاں سے حضرت فاطمہ کے پہلو میں چوٹ آئی۔

سچ ہے کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن  
 کیا کچھ ناگوار یہ فرقت ہے اسے بہن  
 پیارے تمہارے بھائی کی نصرت ہے اے بہن<sup>(۱۸)</sup>  
 دنیا مقامِ نبیؐ و مصیبت ہے اسے بہن  
 بھولے نہ یاد حق کبھی گو حالِ غیر ہو  
 اس کی طرف ہے خاتمہ جس کا بغیر ہو  
 کیا کرتیں تم بہن اہل آفت و وطن میں گو  
 اب آرزو یہ ہے کہ کٹے تن سے جلد سر<sup>(۱۹)</sup>  
 درپیش ہے سفر میں ہیں خلق سے سفر  
 میرا نہیں یہ سر تو امانتِ خدا کی ہے  
 ہر دکھ میں خوش ہیں ہمیں بھیشتِ الفت کی ہے  
 دیکھایہ کہہ کے بانی سکینہ کو یا اس سے  
 طاقت نہ سختی کلام کی ہر چند پیاس سے<sup>(۲۰)</sup>  
 کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہو  
 فرمایا شرف نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے  
 اب آرزو ہے قربِ خداے قدیر ہے  
 طے ہو یہ مرحلہ جو عنایتِ خدا رکھے  
 سن کو مصیبت پھر سبکس و حسدیں<sup>(۲۱)</sup>  
 نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امام دیں  
 صد تے گئی مدینے چلو یا خوفِ چلو  
 شہ نے کہا کہ بسند ہیں راہیں پدِ نشاں  
 پیدل نکلنے پاتا ہے ناگوں سے نہ سوار<sup>(۲۲)</sup>  
 قاصد جو بیتے نام کا خط لیکے آتے ہیں  
 بولی بلائیں باپ کی لے کر وہ مرہ جمیں  
 آفتِ اسوا حضور کے میرا کوئی نہیں<sup>(۲۳)</sup>  
 اللہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو  
 پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوجِ نابکار  
 اس شہت کس میں قید ہے احمد کا یار و کار<sup>(۲۴)</sup>  
 سر کاٹ کر درختوں میں لٹکے جاتے ہیں

سلمہ بغیر اسلام حضرت محمدؐ کا ایک نام احمد بھی ہے۔ ان کے یادگار سے  
 امام حسینؑ مراد ہیں۔

غمِ تمھارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بلب      بی بی قدم پہ گھر کے ہیں کون رو کے اب  
 تلواریں چل گئیں بنے قاسم پہ بے سبب <sup>(۲۴)</sup>      مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب  
 تھی حسن سے زندگی کی حلاوت نہ بھٹکتی      دو تین گھر بھر ہوئے اکدم میں لٹکتے  
 ہر چند صبح و شام ہے جاری یہ شاہراہ      پر کوئی قافلہ نہ ہوا ہو گایوں ستباہ  
 پایا تھا عمر کھوکھلیں ہم نے آہ آہ <sup>(۲۵)</sup>      ڈھونڈھا کہاں کہاں نہیں ملے وہ رشک باہ  
 کیا ہو گا لاکھ روٹینگے یا خاک اڑائینگے      نہ مراب پھونگی نہ وہ دست آئیگے  
 بی بی یہاں سے اہل وطن ہیں قریب تر      پر میری بیکسی کی نہیں ایک کو خبر  
 نیچے ہیں دوستان میں نے بھی نامہ بر <sup>(۲۶)</sup>      لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گور  
 قریوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا      لشکر بنی اسد کا قریب آ کے پھر گیا  
 گھیرا ہے اس لیے مجھے اس بن میں بے گناہ      تا مجھ تک آ سکے نہ کوئی میرا خیر خواہ  
 نہ دوست نہ عزیز نہ غم خواہ نہ سپاہ <sup>(۲۷)</sup>      ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر ستباہ  
 مجھ سا بھی کوئی بیکس بے پریش نہ ہو      مر کو نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو  
 جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہو ادھر      ضد کمر کے روٹیوں نہ ہیں چاہتی ہو گم  
 پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر <sup>(۲۸)</sup>      سو رہی ہوں ماں کی چھاتی پہ غریب سے لکھ کے سر  
 راحت کے دن گزر گئے یہ فصل اور ہے      اب یوں بسر کرو جو میتوں کا طور ہے  
 نسخے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام      بتلایے مجھے کویتی ہے کس کا نام  
 آنکھوں سے نوں بہا کے یہ کہنے لگے امام <sup>(۲۹)</sup>      کھل جائے گا یہ دردِ عالم تم پہ تا بہ شام  
 بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبتِ عظیم ہے      مرجے جکا باپ وہ بچہ یتیم ہے

لے تمھارے چچا۔ یعنی حضرت عباس۔ علیہ السلام کی اولاد۔ عجب کے ایک قبیلے کا نام۔ اس قبیلے  
 کے لوگوں نے امام حسین اور ان کے ساتھ شہید ہونے والوں کو دفن کیا تھا۔

بندے اسار و طوق بڑھاؤ پد زشار  
 چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار <sup>(۳۰)</sup>  
 دامن ہمارے نام کا ہے شمرنا بکار  
 لوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں  
 سو نیا تھیں خدا دہی کی پناہ میں  
 یہ کہہ کے پیاد ہی بیٹھی سے دیکھا ادھر ادھر  
 فتنہ نے عرض کی کہ ادھر پستی ہیں سر <sup>(۳۱)</sup>  
 نصرت کی بھی حضور کی ان کو نہیں خبر  
 لب پمگھی گھڑی علی اکبر کا نام ہے  
 چلے ذرا کہ کام اب ان کا تمام ہے  
 دکھی تھی لاکے لاش پیر آپ نے جہاں  
 مخز اس زیں پستی ہیں اودھے بولہ جہاں  
 کوئی ہیں اٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسماں <sup>(۳۲)</sup>  
 نعرہ یہ ہے کہ ہائے مرا شیراز جواں  
 داری گئے نہ قبر میں اماں کو گارٹ کے  
 جگل بادیا مری سبتی اجاڑ کے  
 روتے ہوئے گئے جو داں شاہ خوش خصال  
 دیکھا کغش ہیں خاک پہ بکھرے ہیں بال  
 شیر بیٹھ کو یہ پکارے بھد مال <sup>(۳۳)</sup>  
 اے شہر باؤ ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال  
 شجر ہونکے تم کو بڑے دکھائے ہیں  
 صاحب ٹھوہم آخری نصرت کو آئے ہیں  
 سن کر صد احسین کی چونکی وہ نوحہ گو  
 کی عرض سر جھکا کے قدم پر بہ چشم تر  
 تنہا حضور آئے ہیں باز دھڑے ہوئے کمر <sup>(۳۴)</sup>  
 صاحب کہاں ہے محتوں والا مرا پیر  
 ایسے نہیں دکھ میں جدا ہوں باپ سے  
 اپنے مرا دوں والے کو لگی میں آپ سے  
 لے جان فاطمہ مرا پیارا کہہ گیا  
 اماں کی زندگی کا سہارا کہہ گیا  
 وہ تین دن کی پیاس کا مارا کہہ گیا <sup>(۳۵)</sup>  
 سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کہہ گیا  
 مرنے ہوں اپنے سر پہی قد کو دیکھ لوں  
 اک بار پھر شبیرہ محمد کو دیکھ لوں

لے ایمان کے آخری سہاسی بادشاہ یردو دسوم کی بیٹی۔ امام حسین کی بیوی 'امام زین العابدین کی ماں 'قیم'  
 کتابوں میں ان کا نام شہر باؤ یہ بھی لکھا ہے۔ حضور نے ان کا نام شاہ زمان بتایا ہے۔ مرنے والوں میں  
 زیادہ تر صرف باؤ نکھا جاتا ہے۔

۱۰ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائیں پھر  
 لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر  
 ۳۶) خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جھگی بایں پھر  
 میں نکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دوسے  
 بے خود تھی میں جب آئے تھے میاں سے وہ دھر  
 کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر  
 سنبھلا جودل ذرا تو پھر کٹنے لگا جسگر ۳۷)  
 آئے تو پھر کچھ آئے گئے بے لے ہوئے  
 گز ہیں خفا تو آئیں میں اٹھ کر نثار ہوں  
 باتیں نہ پیار کی ہوں نہ کچھ گلے ہوئے  
 دانی ہوں ان کی آپ کی خدمت گوار ہوں ۳۸)  
 تکلیف کو چہ ہوگی شر مشرقین کو  
 اب رحم کیجئے کہ بہت شرمسار ہوں  
 لے آئیے مناکے مے نور عین کو  
 باتیں یس کے کہنے لگے شاہ بحر و بر  
 یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جو اس پیر  
 بانو کے بلاؤں کہاں ہے وہ سیم بر ۳۹)  
 ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں  
 جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہو وہ لالہ نام  
 جاگے ہوئے تھے رات کے تیند آگئی انھیں  
 سنا کو یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام ۴۰)  
 غصہ بہت کیا پا اچل پا گئی انھیں  
 زبہ: ہو گا لال اگر مر بھی جاؤ گی  
 جئے دد جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام  
 سن کو یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام ۴۱)  
 غصہ بہت کیا پا اچل پا گئی انھیں  
 زبہ: ہو گا لال اگر مر بھی جاؤ گی  
 جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہو وہ لالہ نام  
 سنا کو یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام ۴۲)  
 غصہ بہت کیا پا اچل پا گئی انھیں  
 زبہ: ہو گا لال اگر مر بھی جاؤ گی



دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل نگار  
 بعد آپ کے جو لٹنے آئیں ستم شعار <sup>(۴۲)</sup>  
 لے ابن فاطمہ یہ کنیز آپ کے نشانہ  
 بیٹھے کہاں یہ بیگیں و غم گین و سو گوار  
 کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جاتیے  
 ہماحب کوئی جگہ مجھے تبتلا کے جاتیے  
 فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال  
 زہرا کی بیٹیوں کی رہو تم شریک حال  
 زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال <sup>(۴۳)</sup>  
 ہماحب تھکے ساتھ ہی عابدہ سا خوش خصال  
 بے وارثوں کا وارث و دالی آکر ہو  
 لوالہ دارع لاش پہ اب آ کے روئیو  
 زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے روئیو <sup>(۴۴)</sup>  
 قبر رسول پاک پہاں جا کے روئیو  
 لئے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے  
 رونا بشر کو خوف الہی میں چاہیے  
 یہ سن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے  
 سیدائیاں لپٹ گئیں زہرا کے ماہ سے  
 ٹھہرا گیا نہ پھر شہ عالم پناہ سے <sup>(۴۵)</sup>  
 نکلتے حسین روتے ہوئے خیمہ گاہ سے  
 پو تھا فلک ضیاء جلوت خانہ بن گیا  
 خورشید شمع حسن کا پروانہ بن گیا  
 مل کو حرم سے در پہ جو شاہ غیور آئے  
 اک غل ہوا حضور کرامت ظہور آئے  
 لاؤ زس کو دیوڑھی پہ جلدی حضور آئے <sup>(۴۶)</sup>  
 اعلیٰ بھی ہو تو آنکھ کی پستلی میں نور آئے  
 پھرتا تھا سر پہ چتر سلیمان جابکے  
 سایہ تھا ایک بیچ میں دوتا شجکے

لے حضرت فاطمہ کا چاند۔ مراد امام حسین۔

لے محل کے سامنے کا وسیع حصہ جہاں شاہی سواری کا جلوس ترتیب دیا جاتا تھا۔ لے اعلیٰ ماندھا۔  
 لے جب بادشاہ کی سواری نکلتی تھی تو ایک خادم اس کے سوبر چتر لگائے رہتا تھا اور کبھی کبھی اسکو گردش  
 دیتا جاتا تھا۔ ۴۵ ایک آفتاب اصلی جو آسمان پر ہے دوسرا آفتاب امام حسین کا توراتی پتھر۔  
 ان دو آفتابوں کے بیچ میں چتر کا سایہ تھا۔

نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمت جلال      تاباں ہے یہ نیر اقبال بے زوال  
شوکت کی یہ دعا تھی کہ لے فاطمہ کے لال<sup>(۴۷)</sup>      سر سبز تیرے دوست حد تیرے پائمال

یاد بفا خلق سے امن ماں ہے      جب تک زمیں ہے یہ امام زماں ہے  
بیانا تھا کوئی نہ برادر ادھر ادھر      پر قد سیوں کی صفت تھی برابر ادھر ادھر  
مر مڑ کے دیکھتے تھے جو سرور ادھر ادھر<sup>(۴۸)</sup>      گوتی تھی برق حسن چمک کر ادھر ادھر

جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی      اک چاندنی کچی ہوئی تھی دھوپ ڈنکی  
غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہے دیکھ لو      ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہے دیکھ لو  
جو بن آج دن کا بھی ڈھلتا ہے دیکھ لو<sup>(۴۹)</sup>      قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہے دیکھ لو

نقش اس قدم کے چاند سورجوں نچند ہیں      مجھ سے آسماں تو تارے سپند ہیں  
آندرس کی تھی دہن آتی ہے جس طرح      تھم تھم کے نہکت چمن آتی ہے جس طرح  
تصویر آہوے ختن آتی ہے جس طرح<sup>(۵۰)</sup>      یا شمع سوئے انجن آتی ہے جس طرح  
باسم طہور کہتے تھے کبک دُری ہے یہ      گھوڑے چراغ پا تھے کو بیشکئی ہوتے

لے قدسی۔ عالم بالا کی مقدس ہینیاں۔ فرشتے۔ لے اس کے دو معنی ہیں ایک روشنی اور سایہ دوسرے  
ایک ریشمی کپڑا جو دو رنگ کے تاروں سے بنا جاتا ہے۔ لے رشک یا حسد کو تا ہے لے روشنی  
حسن۔ شباب۔ لے اسپند یا کالا دانہ نظر بد کا اثر دور کرنے کے لیے کسی پر سے اتار کر آگ میں ڈالا جاتا ہے  
اس بیت کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام حسین کے قدوں کے فنان اس قدر روشن تھے کہ تارے ان  
کے مقابلے میں کالا دانہ معلوم ہوتے تھے جو ان پر سے اتار کر آسمان کی انگلیٹھی میں ڈال دیئے گئے تھے۔  
لے چراغ یا ہونا۔ بھڑکنا۔ کہتے ہیں کہ گھوڑے ہوائی مخلوق یعنی جن، پری وغیرہ کو دیکھ سکتے ہیں اور  
ان کو دیکھ کر بھڑکتے ہیں، اس مصرع کا مطلب یہ ہے کہ امام حسین کا گھوڑا اتنا خوبصورت اور ایسا  
نوش و رفتار تھا کہ دوسرے گھوڑے اس کو پری سمجھ کر بھڑکنے لگے۔

آیا عجب شکوہ سے اس پر رکا ہے      تھکے تھی فتح زین کا دامن ظفر رکاب  
 چٹک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب      (۵۱) حلقہ تھا نور ہر کا جلوہ گر رکاب  
 فترا لکے تھے کو کھولے ہوئے تھا عقاب      زین پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر  
 اختر نجل ہیں زین جو اہر نگار سے      ذروں نے جن لیے ہیں تلک غبار سے  
 تھمتا ہے کب سوار فراغت شعار سے      (۵۲) گردن میں ہاتھ باگنے ڈالے ہیں پیار سے  
 نازاں ہو خود رکاب کے پائے کو دیکھ کر      بل کر رہا خاک پہ سائے کو دیکھ کر  
 قربان اس تنگ و در ضیغم شکار کے      پامال کو دے شیر کو ٹاپوں سے مار کے  
 شائستگی کو پوچھے دل سے سوار کے      (۵۳) چاہے تو ایک طفل چڑھے باگ اتار کے  
 رکھنے قدم تو رنگ میل ہو پھول کا      پیارا فرس ہو رکاب دوش رسول کا  
 چادوں سوں سے بدر نجل نعل سے ہلال      کھیلیں شکار شیر یہ آنکھیں ہیں وہ غزال  
 کچھے نہ یاں حور نے بکھرا دیئے ہیں بال      (۵۴) بکھرنے پہ بھوم بھوم کے صد تے پری کی جال  
 رستے ہیں یاد گند نیلی رداق کے      دلدل کی تیز بان میں طرائے براق کے  
 سینہ کشادہ تنگ کر چمت جوڑ بند      گردن میں خم ہلال کا اور اس پہ سر بلند  
 جاندار بردبار و عدد کش ظفر پسند      (۵۵) بجلی کسی جگہ کہیں آہو کہیں پر نر  
 سرعت ہو ابر کی تو لطافت ہو اکی ہے      اتنے ہنر فرس میں یہ قدرت خدا کی ہے

دین

لے جس کی رکابیں چاند تھیں۔ یعنی چاند کی طرح چمک رہی تھیں۔ لے زین کے دونوں طرف کے تھے شکار بند  
 لے یعنی ہیں آفتاب کی طرح چمک رہا تھا۔ اس پر گرد پوش جو بڑا ہوا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ  
 آفتاب پر ابر آگیا ہے۔

لے فراست۔ گھوڑوں کے بارے میں ہر طرح کی واقفیت۔ شہسوار ہی۔  
 لے تیز رفتار گھوڑا۔ لے شیر کو شکار کرنے والا۔ لے طرادہ۔ جت۔ جو کڑی چھلانگ۔

لو اب سواد ہوتا ہے زہرا کا یا دگار  
 رو کو فرس سے کہتے تھے شبیر نام دار <sup>(۵۷)</sup>  
 سب پر میں ابن علی سے جدا ہوئے  
 سب دست بے مثال تھے روؤں کے کسے  
 حیدر کے پانچ لال تھے روؤں کے کسے <sup>(۵۸)</sup>  
 جب کو خیر پیاس میں مرنے کے ہوینگے  
 مرتا ہوا ایک دوست کسی شخص کا اگر  
 اک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر کا گھر <sup>(۵۸)</sup>  
 اس گھر میں جتنے گھر ہیں سب چرغ ہیں  
 پیاسے کے ہیں تھ جو میرے وہ تشنہ کام  
 جاری سبیل تک رکھیں گے رستوں پہ خاص عام <sup>(۵۹)</sup>  
 بھولو نہ تشنگی کو شہ تشنہ کام کی  
 ایسے کے ملے ہیں رفیقانِ باد و فنا  
 ہوتے جہاں میں آج جو پیغمبر خدا <sup>(۶۰)</sup>  
 شاذ بتول بالوں میں کوئی نہ عمر بھر  
 یہ سن کے ذوالجناح تو دوتا تھا زار زار  
 صاحب اٹھو ترائی سے میں آپ کے نشا ر <sup>(۶۱)</sup>  
 یاں آکے ساتھ جاؤ امام عیود کے  
 تھائے رکاب کون نہ یاورد غم گھار  
 لے ذوالجناح دیکھ یہ نیزنگ رو زگار <sup>(۵۷)</sup>  
 جو تکے گرد رہتے تھے وہ دوست کیا ہوئے  
 خوش رو تھے باکمال تھے روؤں کے کسے  
 سات آٹھ خرد سال تھے روؤں کے کسے <sup>(۵۸)</sup>  
 سب میسے دوست میسے عوض انکو روینگے  
 وہ شخص اس کے ہجر میں دوتا ہے عمر بھر  
 کیا دھو ہے جو م کے ٹپلی سیدھی نہ ہو کر <sup>(۵۸)</sup>  
 میسے نواک کیلچے یہ اٹھا آدہ داغ ہیں  
 گھر گھر میں ان کی نذر کے ہو دیں گے اہتمام  
 چلائیں گے یہ پانی کے بھر بھر کے سر و جام <sup>(۵۹)</sup>  
 پیاسو سبیل ہو یہ شہیدوں کے نام کی  
 پیش خدا جلیل ہے ان سب کام ستا  
 کو تے ہر اک شہید کا ماتم جدا جدا <sup>(۶۰)</sup>  
 چادریا کسم اترتی نہ عمر بھر  
 چلاتی تھی یہ زو جبر عباس نامدار  
 آقا سواد ہوتے ہیں آیا ہے راہوار <sup>(۶۱)</sup>  
 سایہ کو رو کہ دھوپ سر پر حضور کے

۱۷۳ زہرا کا یا دگار اور ابن علی ان دونوں فقروں سے مراد امام حسین ہیں۔

۱۷۴ امام حسین کے بھائی بیٹے، بھتیجے، بھانجے جو کو بلا میں شہید ہوئے ان کی تعداد اٹھارہ تھی۔  
 ۱۷۵ سبیل۔ راہ گیروں کو پانی پلانے کا سامان۔

بانو بکارتی تھی کہ اکبر کدھسہ ہوا تم بیٹا پدر کے کوچ کے دن بے خبر ہو تم  
 تھا مورکاب باپ کے پیادے سپر ہو تم (۶۲) اماں کا گھرا جڑنا ہے دادی کے گھر ہو تم  
 بازو کو تھا موہا تھا میں حضرت کے ہاتھ دو بیٹا ضعیفی وقت میں بابا کا ساتھ دو  
 لکھا ہوا بیاں بجام فرس پر تھا دست شاہ فریاد و احیٰ سے لہتی تھی قتل گاہ  
 نیسے سے نکلی اک زن بالابلند آہ (۶۳) رخ پر نقاب پاؤں میں موز عبا سیاہ  
 حسن بتوں شان علی کا ظہور تھا گویا لباس کعبہ میں خالق کا نور تھا  
 پردہ نظائر تھکی ہوئی آئی وہ دل کباب تھا می لرزے ہاتھوں سے رہوار کی رکاب  
 گھوٹے یہ جلوہ گو ہوئے شاہ فلک جناب (۶۴) بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثل آفتاب  
 جس کا یہ ذکر ہو وہ نواسی نبی کی تھی زینب بہن جین کی بیٹی علی کی تھی  
 رن کو سواری شہ جن و بشر چلی پیچھے تمام فوج ملک نشنگے سر چلی  
 گھوڑے کے ساتھ فاطمہ تھاکے جگر چلی (۶۵) شب بیدار کیا چلا کہ نیم سحر چلی  
 طبقہ تمام نور سواری سے عرش تھا سونے کی تھی زمیں تو تاروں کا فرش تھا  
 ذروں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی سر ہز تھے درخت زمیں لالہ زار تھی  
 ماتم میں اک سماں تھا خزاں میں بہار تھی (۶۶) جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی  
 غل تھا نہ دور دور چلو نہ بہم چلو ہاں خادمواد کے قدم با قدم چلو

لے بڑی کا گھر۔ مراد امام حسین کا نیمہ۔ اجرام فلکی کی بلند ترین منزل کو بھی بیت الشرف کہتے ہیں۔

یہاں آفتاب کی مناسبت اس لفظ کا استعمال نہایت بر محل ہے۔

سے جنوں اور انسانوں کا بادشاہ۔ مراد امام حسین۔

سے پیادہ رنگ کا گھوڑا۔ ابھی نسل کا گھوڑا۔ ایران کے بادشاہ خسرو پرورد کے ایک گھوڑے کا نام۔

وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی      اللہ رمی ضو بھیکتی ہے آنکھ آفتاب کی  
تصویر ہے جناب رسالت مآب کی      پیری دکھا رہی ہے لطافت شباب کی  
بریں نبی کا جامہ عنبر شامہ ہے      رنگت تو پھول سی ہو گلانی عمامہ ہے  
غل تحافزس پہ سیلہ دالا کو دیکھ لو      ہاں برق و شرع طور تجسلا کو دیکھ لو  
پڑھ کر درد و صورت مولا کو دیکھ لو      بالائے رحل مصحف زہرا کو دیکھ لو  
پایہ کسی بشر نے یہ پایا ہے خلق میں      قرآن انھیں کے واسطے آیا ہو خلق میں  
حوریں ہیں گرد ساغر کوثر لیے ہوئے      قدسی جلو میں ہیں طبق زر لیے ہوئے  
جبریل ہیں نجات کا دفتر لیے ہوئے      بھولی میں ہے نسیم گل تر لیے ہوئے  
لٹے ہیں پھول داوی عنبر شریعت میں      دو لہا برات لے کے جلا ہو بہشت میں  
دہ روے دلفردوزہ زلفوں کا بیج دناں      گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب  
ابر دکی ذوالفقار سے زہر عدد کا آب      آنکھیں وہ جن سے زرخس فردوس کو حجاب  
پتلی کا رعب سب عیاں ہو خدائی میں      بیٹھا ہو شیر پنجوں کو ٹیکے ترانی میں  
پہنچا جو اس شکوہ سے خیرا توڑا کا لال      کانپے جبل لرزے لگا عرصہ قتال  
ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ بد خصال      بھاگو کو آئے شیر الہی پیے جدال  
دیکھا جو رعب قبلہ عالی مقام کو      علموں نے جھاکے ہاتھ بڑھائے سلام کو

لے بلند مرتبہ سردار۔ مراد امام حسین۔ لے 'بوق' کے معنی تاسے کا کلنا، اشرق کے معنی سورج کا کلنا، ان لفظوں کے معنی چمکانا اور دکھانا بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ لے روشنی والا پہاڑ، کوہ سینا، جہاں حضرت موسیٰ نے نوایزدی کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ لے حضرت فاطمہ کی نقاب۔ رسول کی وفات کے بعد ان کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا کے پاس فرشتے جو خدائی احکام لاتے تھے ان کا مجموعہ۔ یہاں امام حسین مراد ہیں۔ لے آبادی کی بنا پر آنکھ کا استعارہ ترائی سے اور رعب و ہیبت کی بنا پر پتلی کا استعارہ شیر سے کیا ہو لے سب اچھا انسان مراد حضرت محمد۔

بڑھ کر صد اہمیب نے دی رو برو نگاہ دشمن تھے ذلیل معاذ ترے سب باہ  
آواز دی ظفر نے کہ اس معدلت پناہ (۶۲) تاباں رہے ستارہٴ اقبال و عروج جاہ

زہرہ سعد کا آب کیلجہ ہو رہے ہر معرکے میں تیغ علی سرخرو رہے  
نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یک بیک مابھی سے دب کے گاؤں میں نے کہا سرک  
شاید قیامت آئی زمیں پر گوا فلک (۶۳) بس یا حفیظ کہہ کے لرز نے لگی سسکٹ  
غل تھا الٹ چلے میں حسین آستین کو یا بوزائے آکے بچا لوز میں کو

دب دیکھے مورچوں سے ادھر پہلو اں ہٹے شکر ہٹا نشان صلاحت نشاں ہٹے  
سر کی زمیں مگر نہ امام زمان ہٹے (۶۴) سچ ہے کہ قطب دائرہ دیں کہاں ہٹے  
سر بھی کٹے اگر تو نہ پیچھے قدم ہٹیں کعبہ کھلی ہٹا ہو نوشاہ کلمہ ہٹیں

لوگوں جتا ہے شیر رجز خواں ہیں شاہ دیں نعرہ یہ ہے کہ ہیں ہیں پشت دینا دیں  
روشن ہمارے نور سے ہے شاہراہ دیں (۶۵) دنیا میں ہم ہیں تاج سر عروج جاہ دیں  
سجدے تبوں کو کرتے تھے راکن کشتی کے ہم نے یقیں بنادیتے رستے بہشت کے

خالی کیا علی نے بتوں سے خدا کا گھر عروسی کہاں ہو لائے دیشل آج ہیں کدھر  
غل تھا علی ہیں دو شش محمدؐ پہ جلوہ گو (۶۶) مصحف پیمصفت آج ہے اور نور پر  
سب سے علی کا مرتبہ اعلا ہے دیکھو شیر خدا کی شان دوبالا ہے دیکھو لو

لے بھلی۔ ایک عقیدہ ہو کہ زمین ایک گائے کے سینگوں پر قائم ہو اور وہ گائے ایک بھلی پر کھڑی ہوتی ہے۔  
یہاں وہی بھلی مراد ہے۔ کہے بو تراب (ابو تراب) زمین یا مٹی کے مالک۔ ایک دن حضرت علی کو زمین پر  
لیٹا ہوا دیکھ کر رسول نے انھیں ابو تراب کہہ کر مخاطب کیا۔ اس دن سے یہ بھی آپ کا ایک خطاب ہو گیا۔  
کہ وہ دھڑا جس کے گرد دین کا حلقہ گھومتا ہو۔ یعنی وہ ذات جس پر دین کا دار و مدار ہے۔ پیسے کا دھڑ اپنی  
جگہ پر قائم رہتا ہے۔ قطب ایک ستارہ بھی ہے جس کے گرد اور ستارے گردش کرتے ہیں مگر وہ اپنی جگہ سے  
نہیں ہٹتا۔ کہہ اتوں یعنی قوموں اور قبیلوں کا بادشاہ۔ مراد امام حسینؑ ہے جس کے قدیم تبوں کے نام  
جو اسلام سے پہلے پوجے جاتے تھے۔

نہ تاد گودوں پہ تمھاری سوار تھی      شرک جلی یہ تھا کہ پرستش میں نار تھی  
اسلام کے چین میں کبھی یہ بہار تھی      "۷۷" حق حق کی مسجدوں میں یہ کس دین بکار تھی  
ہر چاہتا کفر و فسق و فجور و گناہ کا      یہ شوکب تھا آئندہ ان لا الہ کا

کچھ میں ہمنے پہلے ازاں دی بشت و دم      دریائے رحمت صدی میں ہمارے جد  
ہم پر ازل سے ہے کرم مفضل احد      "۷۸" سب ہم پہ منکشف ہو جو کچھ ہو گاتا ابد  
تم لوگ جس طریق سے پھرتے ہو فرش پر      ہم یوں پلک بھیکے میں جاتے ہیں شہ پر  
گھر میں ہائے وحی خدا لائے جبرئیل      جب آئے عابدوں کی طرح آئے جبرئیل  
مشہور ہم ہیں خلق میں آقا ہے جبرئیل      "۷۹" اس گھر کی خادمی ہے تمنا ہے جبرئیل  
شاگردی علی سے سرفراز جب ہے      جبرئیل تب مقرب درگاہ ہے

کیوں ظالمو رسول کا پیارا نہیں ہوں میں      کیوں عرش کبریا کا تارا نہیں ہوں میں  
کیوں سقح لطف و مدارا نہیں ہوں میں      "۸۰" کیوں جاہلوا امام تمھارا نہیں ہوں میں  
سید یہ ظلم کون سی یہ رسم و راہ ہے      کیا یہاں کو پانی کا دینا گناہ ہے  
وہ نہر جس کو خلق میں جاری کوے آہ      روکی ہے تم نے ظلم کی تیغوں سے اس کی راہ  
پانی پہ جنگ پیاسوں سے آیا ہے بغض و اہ      "۸۱" یہ کس ولی کا گھر تھا جسے کو دیا تباہ  
یراب مگر حق شیر ہوائی دھبے خرپیں      اولاد فاطمہ نہ پئے جانور پئیں

کھنچ کھنچ کے جائے ساری ذراعتیں کی بنہر      محروم ابن سائی کوثر یہ کیا ہے قبر  
اس میں یہ نہر بھی ہو جو فاطمہ کا ہر      "۸۲" شہرہ ہے تازیوں کی تواضع کا شہر شہر  
امت نبی کی آہ یہ سفاک ہو گئی      بس آج آبرے خاک ہو گئی

۷۷ اس کے بعد اللہ عز و جل نے ہے، اس عربی جملے کے یہ معنی ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کو یقیناً مقرر  
کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ یہ جملہ اذان میں دومرتبہ کہا جاتا ہے۔ لے عربوں۔



کرتا ہے پاس داری تھاں ہر اک بشر  
 عابرو بھی لاکے سامنے رکھتا ہے ماحضر<sup>(۸۳)</sup>  
 بتانِ فاطمہ میں ہوا یہ بری چلے  
 سن کو بیان شاہ فیصحوں نے سر ہکھکائے  
 اکثر صفوں میں شور یہ اٹھا کہ ہائے ہائے<sup>(۸۴)</sup>  
 خم کو کہے گرد نیس عمر و شمر مل گئے  
 فوکل سے بیڑہ کے یہ پسر سعد لے کہا  
 ہو سب صفوں میں نالہ شنہا کا غل بسا<sup>(۸۵)</sup>  
 مظلومی حسین پل مٹھڑے ہوتے ہیں  
 ناگربے جلاجل و قرنا و طبل و دف  
 چیلوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جو صف<sup>(۸۶)</sup>  
 بھاگو ہو پوچھو یہ صدا دی سیاہ نے  
 تیغ دوسر کو ردک کے حشر کئے یہ کہا  
 آو عرب کی طرح جو ہے قصد جنگ کا<sup>(۸۷)</sup>  
 دنیا سے وقت عصر گزرنا ہو ہر طرح  
 سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جاں سمجھتے ہیں  
 مشکل ہزار ہو اسے آساں سمجھتے ہیں<sup>(۸۸)</sup>  
 اس معرکے میں کھیت پٹے ہیں اسی طرح  
 بچے بہا کے تم سے لڑے ہیں اسی طرح

دو لالے دی صدا

۱۔ جو کچھ حاضر ہے بے تکلف کھانا۔ ۲۔ فولاد اور پتھر سے تنگ دل اور بے رحم لوگ مراد ہیں۔

۳۔ یزیدی فوج کا ایک سردار۔ ۴۔ سامنے کے رہنے کا سوراخ۔

۵۔ کھیت پڑنا۔ جنگ ہونا۔ کھیت سے مراد جنگ کا میدان۔

لڑتا ماحل کے ایک کے گھر ایک نام دار  
 نکلا ادھر سے ایک ادھر سے بڑے ہزار (۸۹)  
 بے دین ساتھ نے کے قیمت کو کھو دیا  
 یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اس سپاہ سے  
 پھر ضبط ہو سکا نہ شہ دلش پناہ سے  
 چکی علی کی تیغ جو دشتِ مہا میں  
 کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغ دوسرے جدا  
 نفرت کا آئینہ تھا جدا اور گھر جدا  
 تیغ کشیدہ دست شہِ بحر و بریں ہے  
 شفیعی چلی کو سیفِ شہِ لافتا چلی  
 بن میں سوم قمر و عتابِ خدا چلی  
 آوازِ الا ماں کی سپہ بریں پہ تھی  
 پہنچے جو مثل شیر بھٹ کر ادھر ادھر  
 ایک لکڑی جس جو سمٹ کر ادھر ادھر (۹۰)  
 بارود تھی کو سیفِ میانِ مہا تھی  
 ملتی تھی جگہ امن نہ زیرِ فلک کہیں  
 جنات بے حواس کہیں تھے ملک کہیں  
 پانی سے جل بھا تھا کوئی کوئی نہ سے  
 برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار  
 اس پر بھی الا ماں کا غل اٹھتا تھا بار بار  
 تم نے تو آج نامِ عرب کا ڈبو دیا  
 گیتی کو زلزلہ ہوا ہرا کی آہ سے  
 بجلی گوی صفوں پہ غضب کی نگاہ سے (۹۱)  
 پریاں پھینچیں یوں میں سرِ مرغِ قاف میں  
 جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جدا  
 محلِ جدا تھا لیلی فتح و ظفر جدا (۹۲)  
 طولِ مارا تھا میں ہر لفاظہ کر میں ہے  
 گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منہ بلا چلی  
 بھونکوں سے جکے اڑتے ہیں سرودہ ہوا چلی (۹۳)  
 بڑھ کر جو یوں کھپے صفِ اولِ زمیں تھی  
 سرگرم پڑے حرام سے کٹ کر ادھر ادھر  
 ڈھالوں کا ابرو گیا پھٹ کر ادھر ادھر (۹۴)  
 دریا کی راہ حملہ اول میں صاف تھی  
 غل تھا کل زجائیں سدا دسمک کہیں  
 سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں (۹۵)  
 گوئی تھیں تین بجلیاں اک ذوالفقار سے

یہ شعر کبھی کبھی لکھا ہے

کبھی

لے وہ بادشاہ جس کی سرکار میں دینِ پناہ لے۔ مراد امام حسینؑ، یزیدی حکومت میں دین کو امام حسینؑ کے پاس  
 پناہ ملی تھی۔ لے کاغذ کی بڑی لمبی ٹیٹی جس پر لکھتے جاتے تھے اور پٹیتے جاتے تھے۔  
 لے تلوار اس کی چمک اور اس کا سایہ دو بکھو اس بند کا جو تھا مصرع،

غل شش بہت میں تھا کہ اس سے دو چار ہو  
 کون اس کے منہ پہ جا کے اجل کا شکار ہو  
 بھاگیں کہ ان صفوں کو ہم آواز نہ کریں  
 جب سن سے فوج شام پہ وہ فعلہ نچلی  
 بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر غسلہ باد ہو  
 جو ایک ہو دو ہو جو دو ہو وہ چار ہو  
 ہلت جو تنہی تو دم آواز نہ کریں  
 بن سر کے بھل سقر میں سپاہ عدد چلی  
 آنی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی  
 تیزی پہنیں زبان میں سخن کو چاہیے  
 اب تم نہ لہجہ یہ اہل اس سے کہہ گئی  
 کافی زمرہ کوئی بھی بڑی جو وہ سہ گئی  
 غصے میں مثل برق قرار اس نے کم لیا  
 پھل اس کا نہ سپر پہ نہ جوشن پہ رہ گیا  
 دو ٹکڑے ہو کے سر نہ فقط تن پہ رہ گیا  
 دم میں وہ غرور نہ وہ خود مری رہی  
 بیکتابش میں جو ہر ذاتی میں ستار میں  
 تیزی وہی تھی منہ کی اس آشوب عدد میں  
 کھینچے ہوئے کرے نیا دنگ ڈھنگ تھا  
 مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی  
 چکی اس حد میں خبر و خندق میں بدر میں  
 چل کر سپر سے سر میں گئی سر سے منکر میں  
 راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا  
 بیٹے پہ باپ باپ پہ مر کو پسر گوا  
 پر کالے اڑ گئے وہ سپر کے وہ سر گوا  
 کیوں دیدیا تھا ہاتھ کو بگائے ہاتھ میں  
 انند برق تیغ کا سایہ جدھر گوا  
 یہ ہاتھ اس طرف تو وہ بازو ادھر گوا  
 قبضے میں اب ہو تیغ نہ تالے ہاتھ میں

لے دم لیں۔ سانس ٹھیک کریں۔ لے 'زمرہ' اور 'کوئی' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

لے اس مصرع میں ان مقامات میں سے چند کا ذکر کیا گیا، جو جہاں حضرت علیؑ نے جہاد کیا تھا اور ان کی تلوار کے جوہر کھلے تھے۔ لے سینہ۔ لے ٹکڑے۔ لے وہ اضمیر نہیں بلکہ اسم اشارہ ہے۔

سرخش ہوا پہ جو تھے وہ سب گرد ہو گئے      سرخی رخوں سے اڑ گئی مٹھزد ہو گئے  
 دعو اے مردی تھا پہ نامرد ہو گئے<sup>(۱۱)</sup>      ہنگامہ جن سے گوم تھا وہ سرد ہو گئے  
 مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش جلائی گئی      ابلدیوں کو آتش دوزخ جلائی گئی  
 عاری تھے تنغ شاہ حجازی سے نیزہ باز      پیہم الٹ کے گھومتے تھے نازی سے نیزہ باز  
 روکے تھے ہاتھ دست درازی سے نیزہ باز<sup>(۱۲)</sup>      باز آئے اپنی شعبدہ بازی سے نیزہ باز  
 یہں چٹ کھول دی تھی نیسے کے بند کو      آتش پہ ڈال دے کوئی جیسے سپند کو  
 غل تھا کہ وہ جکتی ہوئی آئی یہ گوی      بر بھی سے اڑ گئی وہ سناں یہ گوی  
 ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گوی<sup>(۱۳)</sup>      یہ سرگواہ خود گواہ یہ زہ گوی  
 آتی ہو لشکر دہ پہ تباہی اسی طرح      گوتی ہو برق قمر اہی اسی طرح  
 وہ شام و دم کے قدر اندازے نظیر      سہواً نہ چوکتا تھا نشانے سے جن کا تیر  
 ہر صفت میں شہم سہم کے ہوتے تھے گوشتہ گیر<sup>(۱۴)</sup>      جلاکتے تھے کو موت کے حلقے میں ہیں اسیر  
 یلچے قسم آخر کھسی لشکر کشی کوں      سر کاٹ ڈالے گا جواب بہر کشی کوں  
 مشاق ساٹھ ساٹھ برس کے دہ نیز دست      چلا نہ سو بھتا تھا اٹھیں آٹھ سے شہ دست  
 بے سر تھے وہ بھی بادہ نوت سے تھے جو مت<sup>(۱۵)</sup>      غارت تھے مثل تیر ہوا آئی ہوا پرست  
 ترکش دو نیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے      چلہ نہو کماں پہ تو پھر تیر کیا کرے

۱۔ نیزہ بازی کے داؤں۔ ۲۔ سہم کے معنی تیر بھی ہیں اور گوشہ، چلہ اور حلقہ کمان میں ہوتا ہے۔  
 اس طرح ان لفظوں سے ایہام تناسب کی صنعت پیدا ہو گئی ہے۔  
 ۳۔ وہ تیر جو بغیر نشانہ باندھے ہوتے چلا یا چلے۔ ۲۔ ایک طرح کی آتش بازی جسے مرن ٹھٹھائی  
 بھی کہتے ہیں۔ ۱۔ مغرور۔ ۲۔ نفس پرست۔ ۳۔ بجا امیدیں باندھنے والا۔  
 ۴۔ انگشتانہ جو تیر انداز اپنے انگوٹھے میں بہن لیتے ہیں کہ وہ کمان کے چلے سے کٹ نہ جائے۔  
 ۵۔ بالعموم بڑی کا بنا ہوا ہوتا ہے۔

وہ شہسوار دوش محمد کی ران باگ      کیا ہٹھکے دھوپ میں کدہ سیانے یگ  
 تلوار کیا فرس کو بھی تھی شامیوں لاگ      ایک ایک کو پکارا ہاتھا کہ بھاگ بھاگ<sup>(۱۰۶)</sup>  
 زور اس سے چل سکے کاہ رستم نہ گھو کا      اس پلٹن کی ٹاپ طانچہ ہے دیو کا  
 پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے      سرعت بلا میں لپکتی تھی صف جھوم جھوم کے  
 پامال تھے پرے پرے شام دروم کے      غل تھا یہ غول میں پسر سعد شوم کے<sup>(۱۰۷)</sup>  
 خوش آیا روم دے میں نہیں شام میں نہیں      یہ شوخیاں تو ابلق ایام میں نہیں  
 چار آئینے سے یوں بھل آتی تھی ذوالفقار      عینک کے پار ہوتا ہے جیسے نظر کا تار  
 چار آئینے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا دو چار      ہر دم تھا استنراج عناصر کی انتشار<sup>(۱۰۸)</sup>  
 اے جہاں دنیا اگواک گھڑی پٹے      کیا ہوزرہ سے ضرب جب لمبی گھڑی پڑے  
 خود وزرہ وہ دام سے آزاد یہ اسیر      تیر و کمان سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر  
 شمشیر جاں تان و سان و کند و تیر      بے آب و سر بریدہ و ذوالسیدہ و حقیر<sup>(۱۰۹)</sup>  
 بے برگ و بار دشمن آل رسول ہیں      اب بھلیوں کھل میں ڈھالو میچل میں  
 اس تیغ کے وقار سے کہ گواں سبک      ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابرستے نکلمے  
 یہ آگ اور نادیوں کے دست و پاخنک      چلنے میں بس ہیتم و دعویٰ کہ اب نہ رک<sup>(۱۱۰)</sup>  
 مقفل کے ہر تیش کو لاشوں پٹا ہے      پر جبریل کے بھی سپر ہوں کاٹ ہے

لے اس بند کے ابتدائی چار مصرعوں میں تین جگہ لفظ دشمن مرتب کی صنعت ہے۔

(۱) خود وزرہ اور آزاد و اسیر میں۔ (۲) تیر و کمان اور بے پر و گوشہ گیر میں۔ (۳) شمشیر و سان و کند و تیر اور بے آب و سر بریدہ و ذوالسیدہ و حقیر میں۔

۴ بار یک، نازک، کمزور۔

جب اٹھ کے تیغ صفد قدسی شرف گری      گویا کہ برق سطوت شاہ نجف گری  
 آیا اُدھ خدا کا غضب جس طرف گری      <sup>(۱۱۱)</sup> گھٹ کو گوا پرے پہ پر اصف پہ صف گری  
 شیفی چلی کہ سیف صف کا ہزار پر      گھوٹے گرے پیادوں پہ سیدل ہو پر  
 انشوری شانِ دہائے سلع جناب کے      خاک اڑ گئی جدھر گئے گھوڑے کو دابکے  
 دکھلا دیے دغا میں چلن بو تراب کے      <sup>(۱۱۲)</sup> فتراک تھے کو پر فرس لا جواب کے  
 پتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مٹ گیا      اترا برق بن کے پری ہموک اڑ گیا  
 جم کو صفوں سے یوں فرس تند خواڑا      گویا ہمارے اوج شرف چار سواڑا  
 تلوار جب سبلی سر بر سر عد داڑا      <sup>(۱۱۳)</sup> ٹکلا دم اور نہ زخم سے مطلق لہواڑا  
 ہر برش برش بر ہی گھاٹ لگا نام ہے      اس کو صفائی کہتے ہیں ٹاسکا نام ہے  
 باطل کو حق سے خیر کو شر سے جدا کیا      ظلمت کو دن سے شب کو سر سے جدا کیا  
 یوں کفر دیں کو تیغ دوسرے جدا کیا      <sup>(۱۱۴)</sup> گویا کھٹ کو روئے قمر سے جدا کیا  
 ٹکڑے اڑائے دم میں سپاہ شریکے      قربان ذوالفقار جانا ہے امیر کے  
 بختا ہو کہہ جانے اصالت کو کیا دتار      <sup>(۱۱۵)</sup> تھی شترنگوں اس انج پہ وہ تیغ آب دلا  
 با آبرو کا جو ہر ذاتی ہے انکسار      داں مدح ذوالفقار کی تھی عرش پر پکار  
 اس اس عروا غلظت پہ زباں بھی رکی رہی      یہ کیا فروتنی ہو کہ گودن بھسکی رہی  
 خالص اگر ہو مشک تو بو آشکار ہے      چمکے گا آپ وہ جو دُر آب داد ہے  
 زرگو کی مدح و قدح کا کیا اعتبار ہے      <sup>(۱۱۶)</sup> کہہ دے گی غورجک کو طلا خوش قرار ہے  
 بد مغز کو کمال کی دولت خدا نے      خالی ہو جو کفر نہ وہ کیونکر صدائے

بد مغز کو کمال کی دولت خدا نے

اے ان فظوں کو سن کو صنعت اشتقاق کا دھوکا ہوتا ہے۔ کہہ داغ۔ بالخصوص چاند کا  
 داغ ہے امیر سے مراد امیر المومنین جناب امیر سے مراد حضرت علی علیہ شرافت۔ اسیل ہونا۔  
 بے بندی ہے کوئی پرکسا ہوا۔ کھرا۔

اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی دست حسین و پنجہ مشکل کشا علیؑ  
 یہ مصطفیٰ کی جان وہ اللہ کا ولیؑ (۱۱۷) دونوں کا سر تیرہ مٹی دو عالم پہ ہے چلی  
 خیز مجاہدیں پیرِ ناطقہ ہوا حیدر سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا  
 ظلمت سے نور سے ظلمت جدا ہوئی وحدت سے ایک ضرب میں کثرت جدا ہوئی  
 دینی میں سے کفر کی بدعت جدا ہوئی (۱۱۸) ایماں کے راستے سے ضلالت جدا ہوئی  
 اس و بد بے سے زیر کیا روم و شام کو حکم جہاد بھرنے ہوا نو امام کو  
 خود سر عدد تھے جناب اس کے سامنے موج زدہ تھی نقش بر آب اس کے سامنے  
 کیا ستم تھکے جو تیغ جواب اس کے سامنے (۱۱۹) بڑھنے کی تھی سپر کو نہ تاب اس کے سامنے  
 اللہ کا غضب یہ جانے ہی تھے سب لے لے گا ذوالفقار کے لہے ہی تھے سب  
 اللہ کے تلاطم افواج و سیاہ ٹکراتے تھے یہ لہے نہ تھی بھاگنے کی راہ  
 غل تھا پناہ ہے ہیں اے آسمان پناہ (۱۲۰) امت رسول پاک کی ہوتی ہو اب تباہ  
 بخشو خطایہ کام ہو مولا ثواب کا صدقہ محمد عربی کی جناب کا  
 اس شور میں سنا جو رسول خدا کا نام پڑھ کر درود آئیے پس روک لی حسام  
 فرمایا خیر تم سے خدا لے گا انتقام (۱۲۱) عاجو نہنیں یہ تنگیں و مظلوم و تشہ کام  
 کیا چیز سر ہو بات پہ جو ادرتے ہیں دیکھو ہم اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں

لے امام حسین بارہ اماموں میں سے تیسرے امام تھے۔ ان کے بعد جو نو امام ہوئے انھوں نے جہاد نہیں  
 کیا۔ باوجودی امام جو اس وقت نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ وہ ظہور کے بعد جہاد کریں گے، مگر اب تک  
 انھوں نے بھی نہیں کیا ہے۔ یہ مصرع اس عقیدے پر مبنی ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی امام جہاد نہیں کرتا۔  
 لے 'لو انما' کے معنی ہیں کسی کی وقت تسلیم کر لینا۔ مرعوب ہو جانا۔ تلوار کے لیے یہ تلوار وہ لٹھی  
 معنی میں آتی ہے۔

چرخ و نجوم و شمس و قمر شہر و دشت و درگاہ  
اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر (۱۳۲) رکن و مقام و باب و منار و برج و حجر  
جن ملک ہیں انس ہیں غلمان خود ہیں کہیں یہ شب کہ ابن علی بے قصور ہیں

میں کیا لڑوں کہ غم سے ہو ہے مرا جگر آنکھوں کے آگے خاک پہ ہے لاشہ پسر  
بادلوں کے غم میں ٹوٹ گئی ہے مری کمر (۱۳۳) سر ہو یہ محلہ جو کٹے تن سے جلد سر  
حسرت یہ ہو کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو جب فوج ہوں تو پہلوئے اکبر میں لاش ہو

بھاگوئے دنیا میں رکھتا ہوں میں حرم مشتاق قرب حق ہو یہ غفلت و تشنہ کام  
دنیا سے کچھ غرض ہو نہ اب زندگی سے کام (۱۳۴) حاضر ہے سرفقیر کا کیا کوچ کیا مقام  
بیٹھے نہیں زمیں میں خزانے کا کارکے موت آئی اٹھ کھڑے ہوئے امن کو بھاڑکے

پلٹے یہ سن کے بھاگے ہوئے رو سیاہ آہ ابرسم میں گھر گیا زہرا کا ماہ آہ  
اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سیاہ آہ (۱۳۵) دو لاکھ حوٹے ایک تن زاد آہ آہ  
سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے خیر سکر تا بہ قدم مجبور ہو گئے

لے داوی۔ درہ۔ پہاڑ کا دامن۔ پہاڑ کی چوٹی۔ ان معنوں میں یہ لفظ تنہا نہیں آتا دشت کے ساتھ  
آتا ہے۔ لے رکن یعنی۔ کہے کے جذباتی گوشے کی دیوار کا وہ حصہ جہاں ایک پتھر نصب ہے جس پر طوفان  
کرتے وقت حاجی ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

۱۔ مقام ابراہیم حرم کہے کے اندر ایک جگہ جہاں وہ پتھر لگا ہوا ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم  
کعبے کی دیوار میں بناتے تھے۔ ۲۔ حرم کہے کا وہ مقدس دروازہ جو باب السلام کہلاتا ہے۔  
۳۔ کہے سے چند میل کے فاصلے پر ایک قریہ ہے جہاں حاجی حج کے بعض اعمال بجالاتے ہیں۔

۴۔ کہے کے قریب ایک کوتوال ہو جس کا پانی بہت پاک اور تبرک سمجھا جاتا ہے اور شفا کے لیے مریضوں  
کو لایا جاتا ہے۔ ۵۔ حجرا سود کا لالہ پتھر جو کہے کے اندر ایک دیوار میں لگا ہوا ہے اور حاجی طواف کرتے  
وقت اس کو چومتے ہیں۔ ۶۔ اس بند میں آلتیس چیزوں کا ذکر اس ترتیب سے کیا گیا ہے کہ ایک ایک  
طرح کی چیزیں ایک ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔ یہ حسن ترتیب کی ایک بے نظیر مثال ہے۔

۷۔ بازدار وقت بازو سے بھائی مراد ہوتا ہے۔



بانٹے تھے چار غول جفا کا دہر جنگ  
 اک صف میں جلتی تھیں اور ایک خندنگ  
 نیروں کے دامن تھے اک صف بے درنگ  
 چلتے تھے اک صف پیارے کلنج و رنگ  
 نہر زربہ ہی تھیں علی انھلے تھے  
 یہ دار سب نبی کیلجے پہ چلتے تھے  
 وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ بن  
 بھیلوں میں شیر پانیتے تھے دشت میں ہرن  
 رونے کی چار سو تھی صدا بولتا تھا رن  
 غل تھا خدایستوں کے لائے ہیں بے کفن  
 آندھی میں غل اُٹتی تھی گھوڑی گشت سے  
 آواز ہے اس کی آتی تھی دشت سے  
 بی بی پکاری تھی کوئی ہائے میرے لال  
 حیدر کا باغ ہوتا ہے جگل میں پامال  
 نہرا کی دونوں میناں کھولے ہوئے تھیں بال  
 دیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے بچوں کا تھا یہ حال  
 بھکتے تھے زین جب شہر دیشاں میں پر  
 غل تھا کہ اسے گوتا ہو قرآن میں پر  
 جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر  
 نکلا تھا گھر سے شوق بخت میں وہ خوش سیر  
 نکلا تھا اک مسافر غربت زدہ ادھر  
 بے خانہاں کو عشق خدا کے ولی کا تھا  
 چھوٹے ہوئے وطن اسے گور انھال سال بھر  
 (۱۲۹) مشتاق وہ زیادت قبر علی کا تھا  
 رخ زد پاؤں سوچے ہوئے جسم پر غبار  
 ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار  
 طاعت گوارانیک عقیدت و فاشعار  
 (۱۳۰) یہ آرزو کو گور کر شرف ملے  
 نہرا حلقہ نہ زاد نہ ہمدن نہ غمگسار  
 بھانوں جہاں کی خاک پر بخت ملے

لے ایک درخت جس کی لکڑی سے تیر بنائے جاتے ہیں۔ جواز تیر۔ لے ڈھیلا۔

لے حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم۔ لے عراق۔ عرب کا ایک شہر جہاں حضرت علی کا مزار

مبارک ہے۔ لے سواہی کا ادب۔ لے سفر کا سامان۔ راستے کا کھانا۔

کہ سفید آب دار پتھر جو بخت کے زوایں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے جگ کی انگوٹھی پہننا برکت کا

باعث سمجھا جاتا ہے۔

سر کو قدم کیے وہ سعید نجیب نے      دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں ط  
 پیادہ زبانی جو قطع مسافت کوئی شے <sup>(۱۳۱)</sup> اس میں تھی اس کو دوری شام و سواق و رے <sup>دوم</sup>  
 ان جنگلوں میں بادیہ سپاہ تھادین کا      گھوڑن گیا تھا راہ خدا کی زمین کا  
 دتی تھی اس کو طاقت رفتار جب جواب      بھک بھک کے دو دنوں پاؤں سے کرتا تھا خطا  
 لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہ نواب <sup>(۱۳۲)</sup> احسان میرے سر پہ تھا راجلو شتاب  
 کیا کیا شرف تھادی بدولت نہیں      گنج گھر میں زیر قدم آبلے نہیں  
 کوتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک داہ      پہنچا دے مجھ کو منزل مقصد پہ یا آ کہ  
 بکھلتے تھے اسے جو مسافر میان راہ <sup>(۱۳۳)</sup> اک دن مقام کو کو تر حال ہے تباہ  
 یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے      کتنا تھا روکے وہ کو بخت کتنی دور ہو  
 پہنچا جو کو بلا میں تو دکھایا یہ اس نے حال      تنہا کھڑا ہے ایک مسافر ہو میں لال  
 فوجیں ستم کی گود میں آمادہ قتال <sup>(۱۳۴)</sup> چلتے ہیں نیز کرتا ہے پانی کا جب ال  
 ازبیک اہل درو تھا بیتاب ہو گیا      پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا  
 ستم کو جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر      دیکھا کوئی ہے شمس کوئی عزت قمر  
 پھر پڑا ہے ایک ستارہ سا خاک پر <sup>(۱۳۵)</sup> کو تا بھی ہنسیاں بھی شلو کا بھی نوں میں تر  
 سرخی ہو سے حلق کے سیب فن میں ہو      ہچکوں میں سب دو دھڑا کو ٹھاد میں تڑپا  
 برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار      آتی ہے پیٹنے کی صدا اس سے بار بار  
 چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی ٹنگسار <sup>(۱۳۶)</sup> صدقے میں تیرے لے کے بابا کے یادگار  
 کا نہا کیلچہ ختم کے مناجب دہائی کو      سمجھا کہ رو رہی ہو ہیں اپنے بھائی کو

چلا

لے سر کے بھل چلنا سے مراد ہے منزل کے انتہائی احترام کے ساتھ طے کرنا۔ ملے مبارک قدم  
 ملے سعی کے دو معنی میں کو شش اور چلنا۔ یہاں یہ دو دن معنی لیے جاسکتے ہیں۔  
 ملے ذوق۔ ٹھڈی سرخ و سفید پر گوشت ٹھڈی کو سیب سے تشبیہ دیتے ہیں۔

ولادہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا لاکے کہاں نصیب تجھے دامصیبتا  
 بیکس پہ یہ ستم یہ تبدیلی ہے یہ جفا (۱۳۶) یارب ہوئی ہے اس ترے بندے کی خطا  
 نینوں سے صد رتیوں سے تن چوڑو تو آئی ندلسے غیب کو یہ بے قصود ہو  
 بچنے لگا لرز کے دودی قدر و نیک نام اللہ کس قدر ہے پر آشوب یہ مقام  
 دریا خدا نے خلق کیے بہر فیض عوام (۱۳۸) مڑتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ تشہ کام  
 ان سے بشر ڈے جھین خوف خدا نہیں جلدی نکل چلو یہ ٹھرنے کی جا نہیں  
 دو چار کام بڑھ کے یہ سوچا وہ نام وداشہرہ گزیدہ حق ہے یہ خوش سیر  
 تینوں میں اس کے پاس چلو خود اکو (۱۳۹) کو لیجے اتنا اس دعا ہاتھ بانڈھ کر  
 باتیں یہ کہ کے دل سے بڑھا وہ اسیر غم لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دم بدم  
 باتیں نے دی صدا کہ سمجھ کر اٹھا قدم (۱۴۰) رتے میں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم  
 آنکھیں ملک پھلتے ہیں اس راض پاکتے یہ سب دوق ہیں مصحف ناطق کے خاکتے  
 آیا جو کا پنتا ہوا وہ شاہ دیں کے پاس کی عرض السلام علیک اے فلک اساس  
 مولا جواب دے کے یہ بولے بہ درد و یاس (۱۴۱) آنا ہوا کہ دھر سے ترا اے حسد شناس  
 عرض اس نے کی غلام شرف و الفقار ہوں بیکس توں بے نوا ہوں عزیز لدیار ہوں  
 طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں شراہ بچے کہیں تباہ ہیں خادام کہیں تباہ  
 اب تک ہو دور مجھ سے در ضعیف آکر (۱۴۲) مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پر گناہ  
 غارت یہیں ہوئی ہو بضاعت غلام کی لوٹا ہو راہ میں تجھے فوج و خاشام کی

لے ہاتھ ملنا انتہائی افسوس کی علامت ہے۔ لے ہاتھ جوڑ کر نہایت عاجزی سے۔  
 لے عالم غیب نے آواز دینے والا، جس کی آواز سنائی دیتی ہے، مگر وہ خود دکھائی نہیں دیتا۔  
 لکھ بولتا ہوا قرآن۔ مراد حضرت علی۔ مصحف ناطق کے دوق سے حضرت علی کی اولاد مراد ہو۔  
 شہ خدا کا شہر۔ حضرت علی، جہنم کا ایک خطاب اللہ بھی ہے۔

میں دو پہنے فوج ستم میں رہا اسیر  
 ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر<sup>(۱۳۳)</sup> تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر  
 سر پہی کلاہ ہی اک لباس ہے  
 پر ہوں غنی کہ دولت میں نیسے پاس ہے  
 دو صاحبوں کے شوق میں پھوڑا ہوں گھر  
 حسرت یہ ہو نصیب کرے یاوری اگر  
 پہلے تو ہوں بخف کی زیارت سے بہرہ ور<sup>(۱۳۴)</sup> منظور پھر دہاں سے مدینے کا ہے سفر  
 جاؤں گا دولتیں میں اگر سرفروشت میں  
 رستے میں موت آئی تو پہنچا بہشت میں  
 فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام  
 عرض اس نے کی وہی تو ہو دنیا میں اک مقام  
 اس سرزمین پہ ہے مرا آقا مر امام<sup>(۱۳۵)</sup> برسوں سے جس کے عشق میں رہتا ہوں صبح و شام  
 حیدر کے جان دل میں شہ شریفین میں  
 صدر تے میں اس جگہ کے دیں تو حسین ہیں  
 کیا دن سعید ہو گا میں اس روز کے نثار  
 جس روز ان کے گرد پھر دل گامیں ساتھ  
 جو موم گاد دنوں ہاتھ بصر عروہ افتخار<sup>(۱۳۶)</sup> آنکھیں قدم پہ بھک کے لموں کا بہ انکسار  
 دنیا ہوا در فاطمہ کا نور عین ہو  
 دیکھو انہیں صحیح سلامت تو حسین ہو  
 دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم  
 اُمت دعا کرے کہہیں مجھ کو ہے یہ علم  
 اب تجھ تئیں ہو تو انہیں کا ہے ایک دم<sup>(۱۳۷)</sup> دولت گویں ہے قربی پر وہ ذی ششم  
 زندہ ہیں کہ حسین تو زندہ ہیں ردم  
 یا رب اس ایک دم کو عطا کر ہزار دم

لے 'مولاً' (مولیٰ) کے معنی ہیں آقا۔ مالک پیشوایان دین کو اکثر اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔ لیکن یہاں  
 یہ لفظ خطاب کے لیے نہیں آیا ہے۔ بلکہ 'علی' کی صفت واقع ہوا ہے۔

۲۔ اس مصرع کا مطلب یہ ہو کہ امام حسین کی ذات کے سوا مجھے دنیا کی کوئی چیز مطلوب نہیں۔ انتہائی  
 عقیدت اور محبت کا اظہار ہے۔

۳۔ پانچ بزرگ یعنی حضرت محمد علی و فاطمہ و حسن و حسین۔

۴۔ یعنی حضرات محمد علی و فاطمہ و حسن جن کا اس وقت انتقال ہو چکا تھا۔

اک میرا شاہزادہ ہے ہم شکل مصطفیٰ شہر ہے جس کی شکل و شمال کا جابجا  
 ماں کا مرادوں والا سپر ہے وہ ملقا <sup>(۱۲۹)</sup> سائے میں شہ کے اس کو سلامت لکھے خدا  
 اس شک گل نے مدخاں کی بلا ہے یارب حن حسین کا بھولا بھلا ہے  
 یہ سن کے آپ آئے مسافر کے متصل پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آگے تو مل  
 ہاں بھائی سچ ہو صد مہ غرت ہو جاں گسل <sup>(۱۳۹)</sup> اس دم پہل گیا ترے آنے سے میرا دل  
 طاقت کلام کی نہیں باتا یہ ضعف ہے جہاں نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے  
 ہاں مدتوں سے ہے یہی نیزنگ روزگار ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں کین نہ بہا  
 ہم دو دو ہم بھی ہیں ترے اے یار غمگار <sup>(۱۵۰)</sup> تیری طرح لے ہیں یہیں چھوڑ کو دیار  
 شکر خدا مسافر راہ ثواب ہیں اب یو کوچ میں نہیں پادری کا ب ہیں  
 کس سے کہیں کو ہم پہ جو صد مہ گزر گیا خالی ہوا غریبوں سے گھر دشت بھر گیا  
 دنیا سے دو پہر میں مرا گھر کا گھر گیا <sup>(۱۵۱)</sup> بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا  
 بنتی نہیں جب آتی ہو قنمت بگاڑ پر ٹکڑے ہو گڑ پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر  
 میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں جنگل میں موت آتی ہو بستی سے دور ہوں  
 اک خاکسار بندہ رب غفور ہوں <sup>(۱۵۲)</sup> عالم ہو اس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں  
 کچھ میناں آتی ہو یہ کچھ گلا نہیں دن تیسرا ہو آج کہ پانی ملا نہیں  
 مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولادہ دل کباب لے آؤں دوڑ کو مرے شریعے میں ہو کچھ آب  
 کھجے زبان خشک کو تر بہر بوزاب <sup>(۱۵۳)</sup> بولے ہلاکے سر کو شہ آسماں جناب  
 اب انتظار موت کا ہو کیا جیوں گل میں سب سے مرگے ہیں پانی پیوں گل میں

لے ایک طرح کا درد رکھنے والے۔ جو تھا اور پانچواں مصرع اس لفظ کی شرح کو تا ہے۔  
 لے شریہ۔ صراحتی۔

درکار جو تھے ہو وہ لے بھر کو دگار پیدل اگر ہے تو تو یہ حاضر ہے راہوار  
 ناقد بھی لے ترا تو ہے آتا وہ نامدار (۱۵۴) سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی تھا  
 حاضر ہو جان دمال کہ ہے یہاں تو بھائی ہمارے گھر کو گھرا پنا جان تو  
 اسباب بھی ہواں بھی ہو سیم و زر بھی ہے موجود راحلہ بھی ہے زاد سفر بھی ہے  
 مغفرت بھی ہو زہر بھی ہو تیغ و سپر بھی ہے (۱۵۵) گو تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے  
 بیکس چوں گو کہ آج پہ عالی مقام ہوں شہزاد تو کہ میں بھی علی کا غلام ہوں  
 آقا جو ہے ترا وہی آتا مرا بھی ہے تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے  
 جو ہے دلی حق وہی مولا مرا بھی ہے (۱۵۶) بھائی علی کے سچے میں حصہ مرا بھی ہے  
 ہاں ل غیر کف میں تفرق نہ چاہیے آپس میں دستوں کو تکلف نہ چاہیے  
 دیکھی جو یہ عنایت سلطان بھر دبر رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر  
 دل سے کہا خدا کا دلی ہے یہ خوش سیر (۱۵۷) اس حال میں غریب نوازی ہے کس قدر  
 دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں اب تک ہیں اس طرح کے بھی بنے خدائی میں

لے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی سفر میں تھے کہ ایک سائل نے آپسے روٹی مانگی۔ آپ نے  
 اپنے غلام قنبر سے کہا کہ اس کو روٹی دے دو۔ قنبر نے عرض کیا روٹی دسترخوان میں ہے۔ حکم دیا ج  
 دسترخوان دے دو۔ قنبر نے عرض کیا دسترخوان اونٹ پر ہے۔ فرمایا اونٹ سمیت دے دو قنبر نے  
 پھر عرض کیا اونٹ قطار میں ہے، فرمایا قطار دے دو۔ قنبر نے ساری قطار سائل کے حوالے کر دی۔  
 ان دو معجزوں میں اس روایت کی طرٹ اشارہ ہے۔

لے اس جملے میں یہ اشارہ ہے کہ میں حضرت علی کا بیٹا وارث اور جانشین ہوں۔

لے جو اپنی برادری، خاندان و قوم، قبیلے یا طبقے کا نہ ہو۔ عربی لفظ ”دکوہ“ اردو میں  
 ”دکھ“ ہو گیا۔

عرض اس نے کی حضور سے بس ہے یہ التجا کیجے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا  
پہنچا دے مجھ کو قبر علی پر مرا خدا (۱۵۸) مولائے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا  
حکو نہیں زوالِ دولت نصیب ہو یا رب لے علی کی زیارت نصیب ہو

قلیم اس نے کی تو یہ بولے شدہ انا م قبر علی پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام  
آتے ہیں آپ دردِ مصیبت میں سب کے کام (۱۵۹) میں نہیں غریب بھی ہوں آپ کا غلام  
تہا ہوں دشمنوں میں خبر آئے لیجئے ہنگامِ ذبح گو میں سر آ کے لیجئے  
سن کریاں شاہ رہی ضبط کی نہ تاب آنسو بہا کے سر کو جھکا یا بصدِ حجاب  
دل سے کہا کہ ہے لب بام اب یہ آفتاب (۱۶۰) بکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہو ثواب  
احسان کا یہ عوض ہو کہ احسان کیجئے اب سر علی کے نام پہ قربان کیجئے

حضرت عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام بس جی چکے بہت ہی مرنے کا ہے مقام  
اب دیکھئے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حوام (۱۶۱) وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام  
دیندار ہوں ترکِ نفاق کو زندگیاں اب کے شریعت کی زیارت کرونگا میں  
زخمِ رجن کا ہوں میں انھیں کی مجھے قسم سر بھی گئے گا اب تو نہ بھوڑوں گا یہ قدم  
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشنِ ارم (۱۶۲) حوریں پکارتی ہیں کہ آمنتظر ہیں ہم  
پر دے لکھے ہیں میں نظر دور جاتی ہو گردوں سے مر جا کی صدا اٹھ کو آتی ہو

لے وہ مسافر حضرت علی کے روضۂ اقدس کی زیارت کرنا چاہتا تھا، مگر امام حسینؑ نے خود حضرت علی  
کی زیارت کی دعا دی اور یہ دعا مقبول ہوئی (دیکھو بند ۱۷۷)

علیہ رحمۃ اللہ ہے کہ جب کوئی مومن مرتا ہے تو حضرت علیؑ اس کی قبر میں تشریف لاتے ہیں۔  
تکذیبِ زور کی گنج ہے۔ مگر داعی کے معنی میں بھی متصل ہے کسی مقدس مقام کی زیارت کو نہوا  
ما زیارت کی غرض سے سفر کرنے والا۔

گھر کے بولے شاہ کہ اس ہاں قسم نہ کھا رستہ ہے یاں سے رات بے کا بخت کو جا  
 بچنا مرا حال ہے گرجان دی تو کھیا<sup>(۱۹۳)</sup> اے بھائی تو ہے صاحب دختر نے رضا  
 دامن کو آنسو دل بھگوتی ہورات دن بیٹی تری تھے لیے روتی ہورات دن  
 نصرت کے وقت وہ جو بھکتی تھی دم بہ دم وعدہ کیا تھا تو نے کو آئیں گے جلد ہم  
 مرقی ہے انتظار میں وہ صاحب الم<sup>(۱۹۴)</sup> آوہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیر غم  
 بجاں کشیدہ پنج دہلا دجن میں ہے بیمار ایک میری کھٹی بیٹی وطن میں ہے  
 بیٹی کا ذکر سن کے یہ بولادہ خوش خصال فرمائیے جناجے کس نے کہا یہ حال  
 آگاہ اس سے کوئی نہیں عزیز ذوالجلال<sup>(۱۹۵)</sup> شاید ہے علم غیب میں بھی آپ کو کمال  
 ہر شے کا عالم آپ کو اس سبکی میں ہے یہ توصفت امام میں ہر یا نبی میں ہے  
 بتلایئے براے خدا مجھ کو اپنا نام فرمایا بے نوا وطن آوارہ تشنہ کام  
 بیکس عریز مردہ اسیر سپاہ شام<sup>(۱۹۶)</sup> عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ ہتہام  
 درد و غم دالم مرے حصے میں لے ہیں یہ سب خطاب میں نے ہمارا کہے پائے ہیں  
 قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا دہ دردناک اظہار اسم اقدس دلائل میں کیا ہے باک  
 بتلایئے کو غم سے مراد دل ہو چاک چاک<sup>(۱۹۷)</sup> چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امام پاک  
 فرما سکے نہ کہ شہ شریقین ہوں مولانے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں  
 سر اپنا پیٹ کودہ پکارا بہ شور و شین ہے ہے یہ کیا زباں سے کہا کون صاحب حسین  
 آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نور عین<sup>(۱۹۸)</sup> بیٹا علی کا سبط شہنشاہ شریقین  
 گھر غلطہ کا لٹ گیا سب اس لڑائی میں بساک ہی حسین ہر ساری خاندانی میں

۱۔ کسی کو کسی کام سے فوراً روکنے کے لیے یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ نوا سا۔

۳۔ مشرق اور مغرب کا یعنی ساری دنیا کا بادشاہ۔ مراد حضرت محمد



کھینچی ہو تو نے جس کے لیے رحمتِ سفر  
 لے بے خبر ہیں ہے وہ سلطانِ بحر و بر  
 ویراں ہو شربتِ بخت اسے فردِ خوش سیر<sup>(۱۶۹)</sup>  
 زینبؓ یہ جو دیوِ دھلی پہ جاں اپنی کھوتی ہو  
 اس بے وطن نے جب کہ مفضلِ سنایہ حال  
 اٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بعدِ طلال<sup>(۱۷۰)</sup>  
 کیا تھی خبر کہ آپ اس فتنے بن میں ہیں  
 میں تو یہ جانتا تھا کہ حضورؐ میں ہیں  
 مدد سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو  
 اب دیکھئے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو  
 لشکرِ چشمِ پاک کو پر غم نہ کھجئے  
 شہزادیاں غلام کی ہوتی ہیں بے پدر  
 کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر  
 میں کیا مکان کیا مرا یا شاہِ بحر و بر<sup>(۱۷۱)</sup>  
 گیتی ہو آج درہم دہر ہم تو خوب ہو  
 لٹے تمام دفترِ عالم تو خوب ہو  
 رد کا بہت مگر کہیں رکنا تھا وہ دلیر  
 تلوار لے کے فوج پہ بھٹا مثالِ شیر  
 شیرِ جہاں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر<sup>(۱۷۲)</sup>  
 ایسا لڑا کہ دن میں تھے زنجیوں کے ڈھیر  
 دم بھر ہاتھ عشقِ شہِ مشرقین کے  
 نعرہ تھا دم بدم کہ تصدیقِ حسین کے  
 لنگھا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ  
 بدلتا دل بچے احسین ہیں شمسِ افسحِ اعلیٰ  
 مرشد علیؑ امام علیؑ وہ نہ ساعیؑ<sup>(۱۷۳)</sup>  
 کشتی علیؑ جہاز علیؑ ناسخِ اعلیٰ  
 عازم ہوں سیرِ گلشن دارِ السلام کا  
 دریائے غم سے پار ہو بڑا غلام کا

لے 'سیر' اور 'سیر' میں جنہیں محنت ہے۔

لے اندھیرے کا چاند۔

لے دوہر کا آفتاب۔

اُس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی سب سپاہِ شام  
 ریتی پھلٹے ہوئے گزادہ فلک مقام  
 زنجی تھے خود پہ اس کے سر ہانے گئے امام<sup>(۱۵)</sup>  
 گودی میں لے کے زانو پہ رکھا سرِ غلام  
 دگر پکارتے تھے یہ اس بخش نصیب کو  
 لے بھائی جان بھوڑ چلے اُٹھیں یکے  
 لے میری بیکسی کے مددگار اوداع  
 لے تشنہ لب حسین کے عمر خوار اوداع  
 لے بے وطن کے یار وفادار اوداع<sup>(۱۶)</sup>  
 لے شیرِ ذوالجلال کے زوار اوداع  
 جو خوش نصیب ہیں نئی جنت میں جاتے ہیں  
 گھر ایسے ہم بھی تھے بعد آتے ہیں  
 فرما کے یہ حسین تو روتے تھے زار زار  
 بنتا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہی وقار  
 پوچھا سبب خوشی کا تو بولادہ دل نگار<sup>(۱۷)</sup>  
 لے نور چشم احمدِ مرسل ترے نثار  
 جلوہ خدا کے نور کا ہے میرا سامنے  
 مشاقِ جگر تھا انھیں دیکھا غلام نے  
 بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام  
 دستِ علی میں چشمہ کوثر کے دھو ہیں جام<sup>(۱۸)</sup>  
 فرماتے ہیں کہ پی اسے مگر تو ہے تشنہ کام  
 ناجی ہو دوستِ امام کے نورِ عین کا  
 حصہ تریا یہ ہو تو یہ حصہ حسین کا  
 حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا  
 نام کو قلم نے سکھا عرش پر ترا  
 اب جنتِ انعم میں ہو گا گور ترا<sup>(۱۹)</sup>  
 ہمسایہ رسولِ خدا میں ہے گھر ترا  
 حوریں ہیں باغِ غلغلی میں کچے واسطے  
 آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے  
 بولے لگایہ شاہ سے کہہ کردہ تشنہ لب  
 فرمایا آپ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب  
 کی عرض اس نے اے خلفِ یدِ العرب<sup>(۲۰)</sup>  
 تنہائی کا حضور کی صدمہ ہو دل پہ اب  
 رخصت جوتن سے رُح کی ہو میرا ہوں  
 اہلت جوئے جل تو پھر اٹھ کر نثار ہوں

لے عقیدہ ہے کہ عرش پر ایک لوح یعنی تختی ہے اور ایک سلم ہے جو اس لوح پر خدائی احکام اور شدنی  
 واقعات لکھا رہتا ہے۔ یہاں قلم سے وہی قلم قدرت مراد ہے۔ لے آٹھ بہتوں میں سے ایک کا نام  
 لے عرب کا سردار۔ مراد حضرت محمد۔

مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا  
 منہ ڈھانپ دیجئے شہ عالی اہم مرا  
 کیا وقت کیسی ہو بہا دے حضور پر  
 یہ کہتے کہتے آہ وہ زوار مر گئیا  
 شیداے نام حیدر کرا مر گئیا  
 لاشے سے اٹھ کے جانے کے خیمہ گاہ میں  
 اب کیا کہوں انیس کہ سید پہ کیا ہوا  
 برباد خاندان رسول خدا ہوا  
 پر خون قباے سید لولاک لٹ گئی

اب کوچ جلد ہے سوے لک عدم مرا  
 پڑھئے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا  
 کس سے کہوں کہ لاش کو اے حضور پر  
 بیکس کا بے بطن کا بدو گار مر گئیا  
 شیر روتے رہ گئے غم خوار مر گئیا  
 پھر گھر گئے حسینؑ عدد کی سپاہ میں  
 ترپے حسینؑ خور قیامت بسا ہوا  
 سجدے میں تن سے فرق مبارک جدا ہوا  
 عیاں حسینؑ رہ گئے پوشاک لٹ گئی



دیراں ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے  
 اک عشرت و غم کا ہے مرقع دنیا ہے

راحت سے کوئی اور کوئی فریادی ہے  
 ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

لالے سے عیاں بہا و سر جوشی ہے  
 کیسی یہ گو مگو ہے اے رب کلیم

زر گس کو جو دیکھے تو خاموشی ہے  
 بلبل نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

کس بات میں مکر کس میں تزویر نہیں  
 اس عہد میں رستی کا کیونکہ ہو رواج

جو حرف غلط زباں پہ تقریر نہیں  
 مسطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

لے دم نکلنے میں انسان کو بے حد تکلیف ہوتی ہے لیکن دعا میں پڑھنے سے یہ تکلیف کم ہو جاتی ہے۔  
 لے صدقہ محبت۔ نثار کرے۔

## مرثیہ (۶)

نہکے خوان تکلم ہے فصاحت میری      ناطقہ بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری  
 رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہو بہار میری      شور جس کا ہو وہ دریا ہے طبیعت میری  
 عمر گزری ہو اسی دشت کی سیاحی میں      پانچویں پشت ہو شہر کی مداحی میں  
 ایک قطرے کو جو دوں بھڑو قلزم کو دوں      بحر مواج فصاحت کا سلاطین کو دوں  
 ماہ کو ہر کوں ڈروں کو انجسم کو دوں      گنگ کو ماہر انداز تکلم کو دوں  
 دوسرے ہوتا ہو بے رنگ نہ فریاد کوں      بلبلیں مجھ سے گت الی سب کوں یاد کوں  
 اس ثنا خواں کے بزرگوں میں ہیں کیا کیا مداح      جد اعلیٰ سے نہ ہو گا کوئی اعلا مداح  
 باپ مداح کا مداح ہے دادا مداح      غم ذی قدر ثنا خوانوں میں کچتا مداح  
 جو عنایات اہل سے ہو انیک ہوا      نام بڑھ گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

نہ ہوں گویا میں

د بخوان خوان کو چکر چکر عقیقہ اناج

لے یہ مرثیہ میرا نہیں نے اپنے صاحبزادے میر عسکری رئیس کو کر دیا تھا۔ مگر اس پائے کا مرثیہ رئیس کے منہ پر کیا پھبتا۔ آخر حقیقت کھل گئی اور میرا نہیں نے چہرے کے بندوں کو اپنے حسب حال بنانے کے لیے تمیرے بند کے چوتھے مصرعے اور آٹھویں بند کے پہلے مصرعے میں ضروری ترمیم کر دی، مگر پہلا بند کی بیت جو ہر شخص کی زبان پر چڑھ گئی تھی، اصل حالت میں رہے ہی۔ حالانکہ اس کے دوسرے مصرعے میں بھی ترمیم ضروری تھی، کیونکہ رئیس تک پانچ نہیں چار پشتیں گزری تھیں۔

۱۰ گھنٹہ کے دوسرے خوان کا نہک یعنی جس سے کلام میں مزہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۱ یہ مصرعے رئیس کی زبان سے ہے، پانچویں پشتی یہ ہیں۔ رئیس، انیس، عقیق، حسن۔ ضاحک۔

۱۲ لکھ پر دادا ایا اس سے پہلے کی پشت کا کوئی بزرگ۔ یہاں حیرت نام یا میر ضاحک مراد ہیں۔

۱۳ رئیس کے دونوں چچا میر بخش اور میر انیس بلند پایہ مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے۔

طبع ہر ایک کی موزوں قد زیبا موزوں صورت سرواڑی سے ہیں سراپا موزوں  
 نثر ہے سچ نہیں نظم معلما موزوں (۴) کہیں سکتے نہیں آسکتا کجا ناموزوں  
 قول لے عقل کی میزان میں ہمید ہو بات جو منہ سے نکلتی ہو وہ بخید ہو  
 خلق میں مثل خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب نام لے دھولے زبان کو نثر و تنسیم سے جب  
 بلبل گلشن زہرا د علی عاشق رب (۵) شمع مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سبب  
 ہو اگو طبع میں جوت ہو کہ موزوں ہی اس لحاظ سے جو باہر ہو وہ بیرونی ہو  
 بھائی خوش فکرت و خوش لہو و پاکیزہ خصال جن کا سینہ گہر علم سے ہے مالا مال  
 یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال (۶) سحرہ گجڑہ اسے کہتے تو ہے سحر سحر حال  
 اپنے موقع پر جسے دیکھ لاشانی ہے لطف حشر کا ہو یہ رحمت یزدانی ہو  
 کیوں نہ ہو بندہ موردنی مولا ہوں میں قلم و رحمت مہبود کا نظرا ہوں میں  
 جس میں لاکھوں درد و مہاں پرندہ دریا ہوں میں (۷) روح خوان میر حضرت زہرا ہوں میں  
 وصف جو بکر گردن صفت ذات گردن اپنے کہتے یہ نہ کیوں پ مہبات گردن  
 مستندی ہوں مجھے تو قیر عطا کر یا رب فوق مداحی شبیر عطا کر یا رب  
 سنگ ہو موم و تہ قریر عطا کر یا رب (۸) نظر میں رونے کی تاثیر عطا کر یا رب  
 جد و آبا کے سوا غیر کی تقلید نہ ہو لفظ کھنکھانے ہوں جھلکات ہو تھیندہ ہو

نثر نثر کا ہی جو کلمہ سبب خدا غوی پیدا نہ بانی  
 بھائی وہ نورس نہ تو پرتاوار نہ ملک گوہر ہو

لے نثر میں ایسے دو فقروں یا جملوں کا آنا جس کے آخری لفظ ہم قافیہ ہیں۔

لے ایسا کام جو ادبی دلیوں کے بغیر صرف روحانی طاقت سے کیا جائے اور جس میں دوسرے لوگ عاجز  
 ہوں مذہبی اصطلاح میں سحرہ پیغمبروں کے لیے مخصوص ہے اگر کوئی اور بزرگ ایسا ہی کام کرے تو اس کو  
 کرامت کہتے ہیں جس کی صحیح کلمات اردو میں واحد کی حیثیت سے مستعمل ہے۔ لے جاؤ جادو۔ اسلام کی  
 رد سے جادو ناجائز ہے۔ لیکن اگلی تقریر میں جادو کا اثر رکھتی ہو۔ اس لیے اس کو سحر محال کہا ہے۔ لے امام حسین۔  
 ہے ہر دو کمال۔ لے جس کا بھنا شکل ہو۔ لے جلیق لفظوں کی ترتیب میں خلل پڑے سے یا سلسلہ عبارت  
 میں کسی ٹوٹی کے پھوٹ جانے سے صحیح مطلب سمجھنا مشکل ہو جائے تو ان دونوں صورتوں کو توفیق کہتے  
 ہیں پہلی کو توفیق لفظی اور دوسری کو توفیق معنوی۔

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گواہی شعور  
غل ہو یہ ہے کشش موقلم طسره حور<sup>(۹)</sup>  
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے  
قلم فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ  
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہر اد ہو رنگ  
ازم ایسی ہو کہ دل سب کے چرک جائیں بھی  
روزمرہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی  
سامعین جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی  
لفظ بھی جست ہو مضمون بھی عالی ہوئے  
ہے مکی عیب مگر سخن ہے ابرو کے لیے  
سرمد زیا ہے فقط زنگس جادو کے لیے  
دامد آں کس کہ نصاحت بہ کلام داد  
بزم کا رنگ جدا ازم کا میداں ہو جدا  
نہم کامل ہو تو ہر نامے کا عنوان ہو جدا  
دبیر بھی ہو مصائب بھی ہو توصیف بھی ہو

ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور  
صاف ہر رنگ سے ہو قدرت صانع کا طور  
نقش آفرنگ کو کاواک بکیریں سمجھے  
شمع تصویر یہ گونے لگیں آ آ کے تینگ  
خوں برتا نظر آئے جو دکھاؤں صفت جنگ<sup>(۱۰)</sup>  
جلالیتوں کی نگاہوں میں چمک جائیں بھی  
لب لبو وہی سادہ ہو ستانت ہو وہی  
یعنی مرقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی<sup>(۱۱)</sup>  
مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہوئے  
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے  
زیب ہے خال یہ پھر گل رد کے لیے<sup>(۱۲)</sup>  
ہر سخن مرقع دہر کتبہ مقامے دارد  
یہ چین ادو ہیں زخموں کا گلستاں ہے جدا  
محقر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا<sup>(۱۳)</sup>  
دل بھی مظلوم ہو رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

بنا

لے مثالیں، نونے (کمال مصوری کے)

عام طور پر مشہور ہے کہ مانی چین کا ایک بالکال مصور تھا اور اوزنگ اس کی بنائی ہوئی  
تصویروں کا بے نظیر مرقع۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایران کا باشندہ تھا اور خود کو پیغداد  
اپنی کتاب اوزنگ کو آسمانی صحیفہ کہتا تھا۔

سکے بے ڈول۔ بدتناسب۔ بے ڈھنگی

سکے یعنی تصویر میں شمع ایسی ہے کہ پروانے اس کو اصل شمع سمجھ کر اس پر گونے لگیں۔

ماجر اصرح شہادت کا بیاں کرتا ہوں      تشرہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں  
 (۱۴) جاننا دلوں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں      جن کا ہمتا نہیں ایک ایک مصلح ایسا  
 ایسے بننے نہ کبھی ہونگے نہ صاحب ایسا  
 صبح صادق کا ہوا پر خ پر جس وقت ظہور      مثل نور شید برآمد ہوئے غیمے سے حضور  
 (۱۵) ایک بیک بھیل گیا چار طرفِ شت میں نور      شش بہت میں رخ مولا سے ظہور تھا  
 صبح کا ذکر ہو کیا چاند کا چہرہ فقی تھا  
 دم بدم بھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر      ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیا باں وہ سحر  
 (۱۶) لونی جاتی تھی ہلکے ہوئے سبز پہ نظر      اوس نے فرشِ زمرد پہ بیکھائے تھے گھر  
 صباغیوں کے چہنئے کی صدا آتی تھی      دشت سے بھوم کے جب باد صبا آتی تھی  
 دل کو الھاتے تھے سبل کے وہ پر خرم گیسو      بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو  
 (۱۷) فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کو کو کو      قریاں کہتی تھیں شمشاد پہ یا ہو یا ہو  
 اپنے مہود کی سب حمد ثنا کرتے تھے      وقتِ سبح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے  
 اس طرفِ طبل بجایاں ہوئی لشکر میں اذان      آئے سجادہ طاعت پہ امام دو جہاں  
 (۱۸) وہ نازی کر جویاں کے تن پاک کی جاں      وہ مٹھلی کو زباں جن کی حدیث و قرآن  
 عابدیے تھے کہ سجد کیے تلوا دلوں میں      زامہ ایسے تھے کہ متا نہ تھے ابراہوں میں  
 وجد کرتے تھے ملک سن کے صدائیں ان کی      عرشِ اعظم کو ملائی تھیں دعائیں ان کی  
 (۱۹) حوریں لیتی تھیں بعد شوق بلائیں ان کی      وہ عمامے وہ قبائیں وہ عبائیں ان کی  
 غنچے فردوس کے شادی سے کھل جاتے تھے      ذکر خالق میں لب انکے جو ہل جاتے تھے

لے جاننا۔ وہ دری، چٹائی یا کپڑا جو نماز پڑھنے کے لیے مخصوص ہو۔

لے نماز پڑھنے والا۔

کیا جو انسان خوش اطوار تھے سبحان اللہ  
 صفدر و غازی و جزار تھے سبحان اللہ<sup>(۲۰)</sup>  
 زن فرزند سے فرقت ہوئی مسکن چھوڑا  
 اللہ اللہ عجب فوج عجب غازی تھے  
 لائق مدح و سزا دار سرفرازی تھے  
 پیاسی سی تھی کہ آگ لگی جاں ہونٹوں  
 رہد میں حضرت سلمانؑ کے برابر کوئی  
 صدق گفتار میں عمامہ کا ہنسر کوئی<sup>(۲۱)</sup>  
 ہونگے ایسے ہی محمدؐ کے جوشید ہونگے  
 گو محبت میں تلاطم میں تباہی میں رہے  
 یوں سرفراز وہ سب لشکر شاہی میں رہے  
 اس محبت میں یا ابھی شاکی ان کو  
 دہشت دہ تضرع وہ قشیام اور وہ تعویذ  
 یاد حق دل میں تو سوکھے تھے ہونٹوں پہ درود<sup>(۲۲)</sup>  
 یوں نہیں ہم کہ نازل اور نازلادہ ہے  
 کیا رفیقان وفا دار تھے سبحان اللہ  
 زائد دعا بد و ابرار تھے سبحان اللہ<sup>(۲۰)</sup>  
 مگر احمد کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا  
 عجب اسوار تھے بے مثل عجب تازی تھے  
 گو بہت کم تھے پہ آمادہ جانبازی تھے<sup>(۲۱)</sup>  
 صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زبان ہونٹوں  
 دولت فقر و قناعت میں ابو ذرؓ کوئی  
 حمزہ عصر کوئی مالک اشتر کوئی<sup>(۲۲)</sup>  
 پھر جہاد ایمان ہو گا نہ وہ پیدا ہونگے  
 سر کٹے پاؤں گمراہ آہی میں رہے  
 جس طرح تیغ و دودم دست پاسبی میں رہے<sup>(۲۳)</sup>  
 آبر و ساقی کو شریف عطا کی ان کو  
 وہ تذل و دعا میں وہ رو کا اور وہ سجود  
 یہ دعا خالی اکبر سے کہ اسے رب دود  
 مگر احمد کے نواسے کا گھر آباد رہے<sup>(۲۴)</sup>

لے دلتے دلتے دلتے رسول کے خاص صحابیوں کے نام۔ ان میں مالک اشتر بڑے بہادر  
 پاسبان تھے ہمہ رسول کے حجاز۔ یہ غن جنگ کے بڑے ماہر تھے۔  
 لے۔ کہے دلتے خود کو حقیر سمجھنا۔ عاجزی انکسار۔

۱۰ کھڑے ہونا  
 ۹ بٹھانا  
 ۸ بھگنا  
 ۷ دعا۔ تعریف۔ شکر۔ رحمت۔ برکت۔ ایک  
 عربی جملہ جس کے معنی ہیں خداوند احمد والی محمدؐ پر رحمت  
 نازل کر۔

۱۱ محبت اور شفقت کرنے والا۔



موم فولاد ہو آذول میں وہ سوز و گداز اپنے معبود سے سجدوں میں عجب مانہ نیاز  
 سر تو سجادوں پہ تھے عرشِ معلیٰ پہ نماز (۲۵) خیر دل نقب دہر و حید و مستان  
 چاند شرمندہ ہو چہ متعلیٰ ایسے نہ امام آیا ہوا پھر نہ معلیٰ ایسے  
 جب فریضے کو ادا کر چکے وہ خوش کردار کس کے کردوں کو بعد شوق لگائے ہتھیار  
 جلوہ فرما ہو گھوڑے پہ شہ عرش و قار (۲۶) علم فوج کو عباس نے کھولا اک بار  
 دشت میں نہت فروس بریں آئے گی خوش کشت اسکے پھوس کی ہوا جانے لگی  
 لہرہ بزر پھوس کی وہ پنجے کی جھمک شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا نور شید فلک  
 کہتے تھے صل علیٰ جرج پہ اٹھ اٹھ کے ملک (۲۷) دنگ تھے سب وہ سما سے تھا سماں تابہ سمک  
 کہیے پستی اسے جواد جہاں دیکھا وہ سماں پھونکھی ارض و سماں دیکھا  
 اس طرح جب علم و لبر زہر اجماع کس سے پھر معرکہ رزم میں ٹھہرا جائے  
 سانپ دشمن کی نیکیوں بھاتی پہ لہر اجماع (۲۸) لہر میں تابہ فلک جس کا پھر ہر اجماع  
 رخ شر کو علم خیر بشر آیا تھا سورہ نصر پہ فتح و ظفر آیا تھا  
 وہ علم دار کہ جو شیر الہی کا خلف گو ہر بحر و فانیروں دیر و نصف  
 فرحمہ سے نمودار کہ جعفر کا شرف (۲۹) کس طرح چاند کہوں چاند میں ہر حیب کلف  
 کس نے پایادہ جو تھا جاہ و شہم انکے لیے یہ علم کے لیے تھے اور علم ان کے لیے

۱۰  
 بکری

لے ناز پڑھتے وقت وہ دنیا داری سے اس قدر بلند ہو جاتے تھے اور ان میں اتنی روحانی رفعت  
 آجاتی تھی کہ گویا وہ عرش پر پہنچ جاتے تھے۔ رسول کی ایک حدیث ہے الصلوٰۃ معراج المؤمن  
 یعنی نماز مومن کی معراج ہے۔

لے بھاتی پر سانپ لہرانا۔ حد کو نا جلتا اصل میں محاورہ ہے بھاتی پر سانپ لٹنا۔  
 سہ قرآن کا ایک سورہ جو فتح مکہ کے وقت نازل ہوا تھا یہاں علم کو نشان فتح ہونے کی بنا پر  
 سورہ نصر کہا ہے۔

سر و شہدائے قدس طرح کا قامت ایسی      اندر اندر کی تصویر تھے صورت ایسی  
 شیر نغوس سے دلہا جاتے تھے صورت ایسی<sup>(۳۰)</sup>      جاتے پانی نہ پیا نہ میں ہمت ایسی  
 جان جہانم تھی طاعت میں کجائی کی      تھے علم دار مگر بچوں کی سقائی کی  
 وہ ہشتی نے کیا جس کو وفا کہتے ہیں      سب انھیں عاشق شاہ شہد کہتے ہیں  
 ان کو قبلہ تو انھیں قبلہ نہ کہتے ہیں<sup>(۳۱)</sup>      جو بہادر ہیں وہ شیر حسن کہتے ہیں  
 عشق سرور و علم دار کا افانہ ہو      وہ چراغ رہ دیں ہیں تو یہ پروانہ ہو  
 اک طرف اکبر ہر دبا جو ان ناماب      کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمد آ نام شباب  
 روشنی چہرے پہ ایسی کہ نخل ہو جتا ب<sup>(۳۲)</sup>      آنکھیں ایسی کہ رہا نہ گسشتا کو حجاب  
 جس نے ان گیسوؤں میں رخ کی دنیا کو کچھا      شب معراج میں محبوب خدا کو دکھا  
 لے خوشا حسن رخ و سفت کنگان حسن      راحت روح حسین ابن علی جان حسن  
 جسم میں رو رہی طبع میں احسان حسن<sup>(۳۳)</sup>      ہر تن خلق حسن حسن شان حسن  
 تن پہ کوئی تھی نہ زکامے کوانی پوشا      کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہنائی پوشا  
 اندر اندر اسد حق کے نواسوں کا جلال      چاند سے چہرہ پہ بل کھائے تھے دلفوں کے بال  
 نیچے کا ندھے پہ رکھے ہوئے مانند ہلالی<sup>(۳۴)</sup>      محو چہ بچپن تھا یہ رستم کو کچھ تھے وہ زال  
 صفحہ گھوڑوں کو بڑھا کر جو پڑ جاتے تھے      مورچے فکر کھا کے ہٹ جاتے تھے

لے وجہ۔ دیدہ بہیمیت۔

لے تین دن کی پیاس میں دریا سے پیسا مائل آنے کے لیے شکل سے شکل کام کو ڈالنے سے کجا زیادہ  
 ہمت در کا ہے۔

لے عمر سے نیلا رنگ کی رنگیں۔

لے امام حسن کے حسین و جمیل صاحبزادے حضرت قاسم۔ کنگان۔ لک شام کا ایک صوبہ موجودہ  
 فلسطین کا ایک حصہ۔ حضرت ابراہیم کا وطن۔

لے شاد لکے کچھڑے جو بالعموم سرخ رنگ کے ہوتے ہیں۔

آستینوں کو پٹھائے ہے آمادہ جنگ      وہی سارا اسد اشکر کا نقشہ وہی ڈھنگ  
 سچ چہرے تھے کہ شیر دل سی ہوتا ہو رنگ <sup>(۳۵)</sup>      دلوں صفت کے اٹنے کا لڑائی کی انگ  
 جسم پر تیر چلیں نیزہ خو غوار چلے      شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے  
 بیک بیک طبل بجا فوج میں گرے بادل      کوہ تھکائے زمیں ہل گئی گونجنا جنگل  
 پھول ڈھالوں کے چکنے لگے تلوار دھج پھل <sup>(۳۶)</sup>      مرے دالوں کو نظر آنے لگی شکل اجل  
 داں کے چادوش بڑھانے لگے دل لشکر کا      فوج اسلام میں نعرہ ہوا باحیدر کا  
 شور میدانوں میں تھا کہ ولسر و نکلو      نیزہ بازی کرد رہا روں کو پھیر و نکلو  
 ہنر قابو میں ہے اب پیاسوں کو گھیر و نکلو <sup>(۳۷)</sup>      غازیو صفت سے بڑھو غول سے شیر و نکلو  
 رستم و داد و خداد کو یہ دن داد کا ہے      سامنا حیدر کو رار کی اولاد کا ہے  
 شور سادات میں تھا یا شہ مرداں مدے      کعبہ دیں مدد سے قبلہ ایماں مدے  
 قوت بازو سے پیغمبر ذی شاں مدے <sup>(۳۸)</sup>      دم تائید ہے اسے فخر سیماں مدے  
 تیسرا فائدہ ہے طاقت میں کمی ہو مولا      طلب قوت ثابت قدمی ہو مولا  
 پیاس میں حرف نہ شکوے کا زبان لا میں      دم نہ دم سینوں پہ فاقوں میں سانیں کھایاں  
 دل نہ تڑپے جو دم نزع نہ پانی پائیں <sup>(۳۹)</sup>      تیرے فرزند کی تائید کو میں مرجائیں  
 لاشیں قتل میں ہوں لاش نہ لکیر کیمیا تھ      سر ہوں نیزوں پر سر حقیر شیر کیمیا تھ  
 سامنے بڑھ کے یکایک صفت کفار آئی      بھوم کو تیرہ گھٹا تاروں یہ اک باد آئی  
 روز روشن کے پھیانے کو شب تار آئی <sup>(۴۰)</sup>      تشہ کاموں کی طرف تیروں کی بوجھا آئی  
 سنس کے منہ بھائی کا شاہ شہزادے کھا      اپنے آقا کو بہ حیرت رنقائے دکھا

چنانچہ

لے 'پھول' اور 'چھل' میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

لے نقیب جو میدان جنگ میں سپاہیوں کو جوش دلانے والی باتیں بلند آواز سے کہتے ہیں۔

عرض عباس نے کی جوش ہے جوادوں کو تیر سب کھاتے ہیں تھے ہوئے تلواروں کو  
 بہانوں کا نہیں پاس ستر گاروں کو<sup>(۴۱)</sup> مصلحت ہو تو رخصا بجے غم خواروں کو  
 دویا ہوں کو ہٹا دیں کہ بڑھے آتے ہیں ہم جو خاموش ہیں مٹھ پر چپے آتے ہیں  
 شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور نہ لڑائی کی ہوس ہے نہ شجاعت کا غرور  
 جنگ منظور نہ تھی ان سے یہ اب ہوں مجبور<sup>(۴۲)</sup> غیر لڑو کہ تانے میں یہ بے جرم و قصور  
 ذبح کرنے کے لیے لشکر ناری آئے کہیں جلدی کے سر دینے کی باری آئے  
 حکم پانا تھا کہ شیروں نے اڑائے تازگی مثل شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی  
 داہری حرب خوشا ضرب نہ ہوا جاں بازی<sup>(۴۳)</sup> اڑ گئے ہاتھ بڑھا جو بے دست اندازی  
 بٹتے دن میں سر و جسم نظر آتے تھے ایک محل میں قدم فرج کے اٹھ جاتے تھے  
 جس پہ غصے میں گئے عید پر شہباز گوا یہ کہاں کٹ کے گری وہ قدر انداز گوا  
 جب گوا خاک پہ گھوڑے سے تو متاڑ گوا<sup>(۴۴)</sup> نہ اٹھا کھیر کھی جو تفسر تہ پرداز گوا  
 ہاتھ نہ کٹ گئے نہ لڑ گئے جی پھیر گئے مورچے ہو گئے پامال پے ٹوٹ گئے  
 بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزم سبزد سر کو نہنورا کے بھرا سبط نبی نے دم سرد  
 ہو کر اٹھتی تھی کبھی سینے میں دل میں کبھی درد<sup>(۴۵)</sup> سرخ ہونا تھا کبھی جاندا سا چہرہ کبھی زرد  
 کوئی گل رد تو کوئی سرو سہی بالا تھا دہ بچھڑنے لگے گوئی میں ٹھہیں بالا تھا  
 زلفوں والا تھا کوئی کوئی مرادوں والا کوئی بھائی کا پیر کوئی بہن کا پالا  
 چاند سا منہ جو کسی کا تھا تو گمبھو ہالا<sup>(۴۶)</sup> کوئی قامت میں بہت کم کوئی قد میں بالا  
 نوجوان کون سا خوش و خوش انداز تھا کتنے ایسے تھے کہ سبز اٹھی آغاز تھا

نہ جو کہ ان سر تھے تمام ان کے اٹھ نہ کبھی منظور نہ تھی جنگ

۱۔ جواد کے لغوی معنی ہیں کھینچنے والا۔ اردو میں بہاد کے معنی میں استعمال ہے۔

۲۔ دار کوڑنے پر آمادہ۔

۳۔ عربی گھوڑا۔

۴۔ ہمت پست ہو گئی۔ خوف زدہ ہو گئے۔

ہاتھ وہ بچوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں  
 آب ہو شیر کا نہ ہر وہ اگر لٹکاریں (۴۷) بجلیاں کو نہ رہا ہیں کسے نیزہ ماریں  
 کس بنائے بزاروں پیر کرتے ہیں بچے کتے ہیں کہ پھر بچے شیر آتے ہیں  
 یہی ہنگام رہا صبح سے تا وقتِ زوال لاش پر لاش گوی بھر گیا میدانِ قتال  
 مورچے سب تہہ دہا لکھتے تھے سب پامال (۴۸) سوخ و خلع سے اٹھے اسد انتر کے لال  
 کھیت ایسے بھی کسی جنگ میں کم پتے ہیں جو لڑا سب ہی کھجے کھل لڑتے ہیں  
 قاسم و اکبر و عباس کا انشورے بہاد غل ہر اک ضرب پہ تھا اب ہوئی دنیا برباد  
 الاماں کا تھا کہیں شور کہیں تھی فریاد (۴۹) دے گئے خلع میں مردانگی و حرب کی دلد  
 گودہ دنیا میں نہیں عرش مقام کم کا ہو آج تک عالم ایجاد میں نام ان کا ہے  
 دو پہر میں وہ چین بادِ غزاں نے لوٹا پتا پتا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا  
 باپ بیٹے سے بھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا (۵۰) ابنِ زہرا کی کر بھک گئی باز د ٹوٹا  
 پھر نہ یاد نہ وہ جانبا ز نہ وہ شیر آئے نلر کہ وقتِ حسین ابن علی تنہا تھے  
 ساکھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے سامنے سوتے تھے رہتی یہ سانیں کھائے  
 دھوپ میں بیاس سے شل گل تر مر بھائے (۵۱) مر گئے پر نہ غریبوں نے خفن تک پائے  
 دھوپ پڑتی تھی دین چرخ لے دکھلایا تھا نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ نہ سایا تھا  
 صاحبِ فوج پہ طاری تھا عجبِ نچ و مال دروختا رنگ آکھیں تھیں ہو رونے سے لال  
 کبھی بھائی کا الم تھا کبھی بیٹے کا خیال (۵۲) کبھی دھوکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں میں پامال  
 کبھی روٹنے تھے دغا کو کبھی بس جانتے تھے سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی بھک جاتے تھے

بڑھ کے چلا تے تھے بیدار کہ اب آپ آئیں جو ہر تیغ شہنشاہ نجف دکھلائیں  
 مرنے والے نہیں جیتے جو نائنیں کھائیں ۵۳۳ کھاٹ لیں آپ کا سترن سے تو فرصت پائیں  
 پیر سعد سے وعدہ ہو صلہ لینے کا حکم ہو خیمہ اقدس کے جلا دینے کا  
 شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں نہ تو لڑنے میں نہ مرجانے میں قاصر ہوں میں  
 فوج بھی اب ہمیں بے یار و ناصر ہوں میں ۵۳۴ شہر و صحر اچھی تمھارا ہے مسافر ہوں میں  
 لوٹ لو بھونکنا تاراج کر دو بہتر ہے کلمہ گو یہ تمھارے ہی نبی کا گھر ہے  
 کئی سیدانیاں نیچے میں ہیں پردے والی جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر حالی  
 اب نہ وارث ہو کوئی سر پہ نہ کوئی دالی ۵۵۱ ان کو دیو بھوکوئی رہ جائے جو خیمہ خالی  
 یہ نبی زادیاں بے پردہ نہ ہوں جس میں ایک شہ ہو کہ سب بیٹھ کے دو تہ ہیں  
 شکی ان باتوں کا اعدا نہ دیا جو کہ جواب گو تھوں اسکو تو ہو جائے جگر تنگ کا آب  
 قلب تھرا گیا ہر گز نہ رہی ضبط کی تاب ۵۵۲ دیکھ کر رہ گئے گودوں کو شہ عرش جناب  
 اشک خالی اسے کہتے ہیں جو دل بھرائے آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے  
 تھم کے چلائے کہ اسے زینب دام کلثوم تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسین مظلوم  
 اب مجھے قتل کے در پہ ہے یہ سب کمر شوم ۵۵۳ ہاں جگا دو اسے غش ہو جو سکینہ معصوم  
 نہیں ملتا جو زلف سے گزر جاتا ہو کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پڑ جاتا ہو  
 یہ خدا سن کے حرم خیمے سے مضطرب دڑے شہ کی آواز پہ سب بکیں دبے پردہ دڑے  
 گچ پڑیں سسر و دائیں تو کھلے سر دڑے ۵۵۴ نیچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دڑے  
 رو کے چلائی سکینہ شہ والا آؤ میں ٹھیں صوفی تھی دیر بابا آؤ

لے کلمہ پڑھنے والے مسلمانو۔

لے ظاہر

آدھے مرے بابا میں تھا دے داری      دیکھو تم بن ہیں گلے تک مے آنسو جاری  
 آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری      (۵۹) ہاتھ پھیلا کے کہو آمری بیٹی سیاری  
 منہ پھپھانے کی ہو کیا وجہ نہ شر و دم      اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی چلے اُنتم  
 دیکھ کر پردے سے یہ کہنے لگی زینب زار      ابن زہرا تری مظلومی کے ہمیشہ نثار  
 آؤ چادر سے کووں پاک میں چہرے کا غبار      (۶۰) شہ نے فرمایا بہن مر گئے سب بوس و دیار  
 تم نے بالہا تھا جسے ہم اسے دے آئے ہیں      علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں  
 منہ دکھائیں گے سبے ہر ندامت زینب      گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو ہلکت زینب  
 بچھن لائی ہے سکینہ کی محبت زینب      (۶۱) بھائی جاتا ہو دکھا دو ہمیں صورت زینب  
 نہ تو سر کھولو نہ منہ پیٹو نہ فریاد کرو      بھول جاؤ ہمیں اللہ کو اب یاد کرو  
 صبر سے خوش ہو خدائے مری عزم خوار بہن      سہل ہو جاتا ہو جو امر ہو دشوار بہن  
 اپنی ماں کا ہو طریقہ تھیں درکار بہن      (۶۲) پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن  
 ناز پر در ہے مرے بعد الم اس پہ ہو      بندے کا لڑے تار و کرتم اس پہ نہ ہو  
 کیوں عابد سے یہ پیغام مرا بعد سلام      غش تھے تم پھر گئے درد اڑے تلک کے لام  
 قید میں پھنس کے نہ گھبراؤ اے گل اندام      (۶۳) کماٹیو صبر و رضا سے سفر کو نہ دشام  
 ناد بھدار میں ہو شود تلام جاؤ      ناخدا جاتا ہو گھر جانے اب اور تم جاؤ  
 کہہ کے یہ باگ پھر اپنی طرف لشکر شام      پڑ گیا خیمہ ناموس نبی میں کھرام  
 رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے لے جو ام      (۶۴) عرب سے فوج کے دل ہل گئے کانپے اندام  
 سر جھکانے جو کامل تھے زباں دانی میں      اڑ گئے ہوش نصیوں کے رجز خوانی میں  
 بٹھایہ نعرہ کہ خستہ کا فو اسامیوں میں      مجھ کو بچاؤ کہ خالق کہ شناسامیوں میں  
 زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراسامیوں میں      (۶۵) تیسرا دن ہو یہ گری میں کہ پیاسا ہوں میں  
 چین کیا چیز ہو آرام کسے کہتے ہیں      اس پہ شکوہ نہیں کچھ صبر سے کہتے ہیں

اس کا پیارا ہوں جو ہے ساقی حوض کوثر اس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتح باب نمبر  
 اس کا فرزند ہوں کی جس نے ہم بدو کی سر<sup>(۶۶)</sup> اس کا دلبر ہوں میں دی جس کو نبی نے دختر  
 صاحب تخت مجھے تیغ ملی تاج ملا دوش احمد پہ انھیں رتبہ معراج ملا  
 بے وطن ہوں نہ مسافر کو سستا دلشہر قتل کیوں کرتے ہو تم کون سا میرا ہر گناہ  
 اب نہ یاد رہو کوئی ساتھ نہ لشکر نہ سپاہ<sup>(۶۷)</sup> تم کو لازم ہے عزیز ہوں پہ ترجم کی نگاہ  
 ہاتھ آئے گا نہ انعام نہ زرباؤ گے یاد رکھو مرا سر کاٹ کے پھینکاؤ گے  
 نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر حجت اللہ کے فرزند پہ چلنے لگے تیر  
 جوم کر تیغ کے قبضے کو پکارے شبیر<sup>(۶۸)</sup> لو خبر دار چلتی ہے عسلی کی شمشیر  
 پیر فاج صفتیں دھنیں آتا ہے و صفیں باندھ کے رو کو حسین آتا ہے  
 لو کھینچی تیغ دوسر فوج پہ آفت آئی<sup>(۶۹)</sup> لو ہلا تائمہ عرش قیامت آئی  
 فتح تسلیم کو آداب کو نصرت آئی<sup>(۷۰)</sup> فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی  
 جوم لوں پاؤں حلال اس ننگ دویا ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا  
 آپ سیدھے جو ہوئے رخس نے بدلے تیور دونوں آنکھیں ابل آئیں کر ڈٹے بانی شر  
 تھو تھنی مل گئی سینے سے کیا دم کو چنور<sup>(۷۱)</sup> مش طاؤس اڑا گاہ ادھر گاہ ادھر  
 دم بدم گردنیم سحر ی پھرتی تھی بھوم کو پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی  
 ابرو ڈھالوں کا اٹھا تیغ دو پہیہ کر چمکی برقی پھلتی ہے یہ چمکی تو برابر چمکی  
 سوے پستی کبھی کو نڈی کبھی سر پر چمکی<sup>(۷۲)</sup> کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی  
 جس طرف آئی وہاں گن اسے ڈستے دکھا مینہ ہنوں کا صف میں برستے دکھا

ملے اشارہ ہے اس واقعے کی طرف کو حضرت علی نے حضرت محمد کے کا ندھ پر کھڑے ہو کر کبے کے کُتے  
 گرائے تھے ۔

ملے خدا کا ثبوت ۔ مراد حضرت علی ۔ اودھ ان مقاموں میں حضرت علی نے بڑے معرکے کا جہاد  
 کیا تھا ۔ ملے عرش کا پایہ ۔ ملے دوہرے پھل والی تلوار ۔



دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کٹا رہا جیسے  
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارہ جیسے <sup>(۶۲)</sup> روشنی وہ کہ گئے ٹوٹ کے تارا جیسے  
کوئندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا کبھی ایسا تو نہ دم خم مدھن میں دیکھا  
اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار نہ پایا وہ کوئی بجتا تھا سلامت نہ سوار  
برق گونجتی تھی کہ جلتی تھی صفوں پر تلوار <sup>(۶۳)</sup> غضب اٹھ علیہ کے عیاں تھے آثار  
موت ہر غول کو برباد کیے جاتی تھی آگ گھیرے ہوئے دل میں یہ جاتی تھی  
تغیس آری ہو میں ڈھاؤں کے اڑے پڑے بند سب بھول گئے خون سے نیروں والے  
جو بڑھا ہاتھ سرد دست قلم کو ڈالے <sup>(۶۴)</sup> تیغ کہتی تھی یہ سب میں مے دیکھے بھالے  
صف پہ صف باندھ کے بزدل اور غول ہیں ایسے عقدے مئے ناخن نے بہت کھولے ہیں  
جب کبھی جائزہ فوج ستم لیتی ہوں موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں  
دور بانوں سے سدا کا ر قلم لیتی ہوں <sup>(۶۵)</sup> پھر سے کٹ چکے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں  
برطوت ہو کے عدم کے سفر کی ہوتے ہیں طبیق لکٹی ہیں چہ نظری ہوتے ہیں  
دہ برش وہ چمک اسکی وہ صفائی اس کی کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اس کی  
اس کا بازو جو اڑا یا تو کلائی اس کی <sup>(۶۶)</sup> مل گئی جس کے گلے سے اجل آئی اس کی  
صورت مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا سر پہ چمکی تو کر سے اسے جاتے دیکھا

۱۔ ان پر خدا کا غضب نازل ہو۔ یہ قرآن کے سورہ فتح کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ اس میں  
ان کا اشارہ منافقوں اور مشرکوں کی طرف ہے۔

۲۔ حاضری لینا۔ معائنہ کرنا۔ جانچ کرنا۔

۳۔ طبیق۔ کاغذوں کا ٹکڑا۔ مسل۔ فائل۔ فوج کے دفتر میں ہر سپاہی کی ایک مسل یا فائل رہتی ہوگی  
اور جب کسی سپاہی کا نام خارج کیا جاتا ہوگا تو اس کی مسل چاک کو ڈالی جاتی ہوگی۔  
۴۔ چہرے کٹے ہیں۔ فوج کے دفتر سے نام خارج ہوتے ہیں۔

کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پہ  
 کبھی ترکش پہ رکھا منہ کبھی سونواروں پہ  
 گم کے اس غول سے لگی تو اس ہنر میں تھی  
 کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پسیر کا ٹا  
 کبھی مغر کبھی جو حسن کبھی بکیر کا ٹا  
 برش تیغ کا غل قاتل سے با قاتل ہا  
 نہ کی خود پہ وہ اور نہ سپر پہ بھٹسری  
 نہ جبین پر نہ گلے پر نہ جگر پہ بھٹسری  
 جان گھر کے تن دشمن دیں سے نکلی  
 کٹ گئی تیغ تلے جب صف دشمن آئی  
 بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی  
 غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام بھٹنے کا نہیں  
 وہ چمک اس کی سردوں کا وہ برنا ہر سو  
 آب میں صورت آتش تھی جلا دینے کی خو  
 کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کا ٹا  
 تن تنہا نہ دیں لاکھ سواروں سے لڑے  
 صورت شیر خدا ظلم شعاروں سے لڑے  
 مگر جو غالب ہزاروں پہ وہی غالب ہو

پیدلوں پر کبھی آئی کبھی اسواروں پر  
 کبھی سر کاٹ کے آپہنچی کیا غاروں پر  
 کبھی دریا میں کبھی بریں کبھی کوہ میں تھی  
 کبھی در آئی جگر میں تو کبھی سر کا ٹا  
 طول میں راکب و مرکب کو برابر کا ٹا  
 پی گئی خون ہزاروں کا پہ منہ صابر ہا  
 نہ کسی تیغ پہ دم بھرنے سپر پہ بھٹسری  
 کاٹ کو زین کو گھوڑے کی کمر پہ بھٹسری  
 ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمین سے نکلی  
 یک بیک نفل فراق سر و گردن آئی  
 تیغ کیا آئی کہ اڑتی ہوئی ناگن آئی  
 زہر اسکا جو چڑھے گا تو اتر لے گا نہیں  
 گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لب جو  
 اور دم بڑھتا تھا پتی تھی جو اعدا کا لہو  
 جب چلی ضربت بت سے زیادہ کا ٹا  
 بے سپر بر پھیول والوں کی نظاروں سے لڑے  
 دوسے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے  
 جو دل و جان علی ابن ابی طالب ہو

میں

تیسرے فلقے میں یہ جنگ یہ حملہ یہ جدال  
دھوپ دہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ ہوا (۸۳)  
سنگ یزوں میں سے تباہ تھی لگاؤ کی  
خیر سے تھے کبھی جنگ میں ترائی میں کبھی  
تین حیدر نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی (۸۴)  
کسی ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا  
آنکھ دہ آنکھ کہ شیروں کی جملالت جس میں  
تین دہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں (۸۵)  
روکے دار جگر کیا کسی بے پیر کا ہے  
جنگ میں پیاس کا صدر نہ دسے پوچھو  
زور دشت پر آفت کا زمیں سے پوچھو (۸۶)  
بابا اس فوج میں تنہا پیر اس لشکر میں  
اسد اللہ کے صدقے شد والا کے نشانہ  
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیر کا حصار (۸۷)  
کیوں نہ ہوا احمد مل کے ذوالے تھے سین  
ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا  
الان خوب سزا جنگ کی پائی مولا (۸۸)  
اتھ ہم باندھے ہیں پھینک کے شیر ذکو  
پیاں دہ پیاس کہ نیلیم تھے سر سر لب لال  
لوں دہ لوں جس کی حور تک پہنچے تھے جبال  
سر پہ یاد دھوپ تھی پچھاؤ تھی تلوار  
ڈھال کو چہرے یہ دکانہ لڑائی میں کبھی  
فرق آیا نہ سرد تن کی جدائی میں کبھی (۸۹)  
جس پہ اک بار علی اسکو دوبارہ دیکھا  
رخش دہ رخس کہ سبقت کی سرعت جس میں  
ہاتھ دہ ہاتھ دید اللہ کی طاقت جس میں (۹۰)  
زور دہ جس میں اثر غافل کے شیر کا ہے  
تن تنہا کی دغا لشکر کیس سے پوچھو  
ضرب بشیر دوسر روح امیں سے پوچھو (۹۱)  
کو بلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیر میں  
دہی ملے تھے دہی زور دہی تھی تلوار  
مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار (۹۲)  
فرق اتنا تھا کہ دور دراز کے پیسے تھے سین  
ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی مولا  
آپ کہتے ہیں بروں سے بھی بھلائی مولا (۹۳)  
بخشے امت نا اہل کی تصدیق کو

بہشتی

لے 'لال' فارسی۔ اردو لفظ 'لال' کا مترادف۔

لے تمیز اور گرمی۔ بہت شدت کی گرمی۔

لے دھوپ کی تکلیف اگر درد ہوتی تھی تو تلواروں کی چھانوں سے جو دھوپ بھی زیادہ رنج فرماتی تھی۔

لے امانت دار فرشتہ مہاجرین جو خدائی رازوں کے امین ہیں۔

آئی الفت کی یہ آواز کہ اس عرش مقام  
 لے محمدؐ کے جگر بند امام ابن امام <sup>(۸۹)</sup> لوح محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترانام  
 اب نہیں حکم عینوں سے دغا کر نیکا  
 ہاں اسی وقت ہو دغا کے دغا کر نیکا  
 آج ہے آنکھوں بہنوں کی نئی تیاری  
 نخل سرسبز ہیں فردوس میں نہر میں جاری  
 شبے حوریں ہیں مکمل بجا اہر ساری  
 خانہ دوست میں ہو دوست کی ہمانداری  
 پیشوائی کو رسولِ تعالین آتے ہیں  
 عرش تک شور ہی ہو کہ حسین آتے ہیں  
 قلم گئے سن کے یہ آواز شہ جن و بشر  
 روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر  
 عید ہو جلد اگر ذبح کریں بانی شہ <sup>(۹۱)</sup> شمرِ ظلم ہے کدھر بھینچ کے آتے خنجر  
 ہو وہ عاشق جو خدا ہونے کو موجود رہا  
 بس تری تلخ ہی ہو کہ وہ خوشنود رہا  
 کہہ کے یہ میان میں مولانے بھی تیغ دو دم  
 ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے کو کہ قلم  
 رہ گیا سر کو تھلا کر فرس تیز قدم <sup>(۹۲)</sup> چار جانبے مسافر پہ بھٹکا اہل ستم  
 نیزے یوں گودتے جیسے گل تر خاک  
 گھر گئے سب ظلم کی تلواروں میں  
 پہلے تیروں سے کہاں ادوں نے بھاتی بھاتی  
 سر پہ تلواریں چلیں زخمی ہوئی پیشانی <sup>(۹۳)</sup> انہوں سے تر ہو گیا حضرت کا رخ نورانی  
 جسم سب رتھا پرے تھے زہرہ جانے کے  
 چپ کٹ کٹ کے کھیلے جاتے تھے عمامے کے

دغا کار بیکار

لے عرش پر ایک تختی ہے جس پر ایک قلمِ خدائی احکام اور شدنی واقعات لکھ دیا کرتا ہے۔  
 لے یہ مصرع اس روایت پر مبنی ہے کہ امام حسینؑ نے بچپن میں اپنے نانا حضرت محمدؐ کی رسالت کی  
 تکمیل کے لیے اپنی شہادت منظور کی تھی۔  
 لے آراستہ۔ جو اہرات سے آراستہ۔  
 لے امام حسینؑ نے خدا کی راہ پر بیگ کی تھی۔ یزیدی فوج کو شکست دینا ان کا مقصد نہ تھا۔  
 لے زہرہ کے بچے پہنے کا لباس۔

بر چھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے  
 ایک ہزار دو گنی سوز خم تھے تن پر گرے  
 کس طرف چلے کہاں تیغوں میں بیکیں ٹھہرے  
 دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے  
 جزدہرک تن شبیر کا سی پار لٹھا  
 غش میں سیدھے کھجی ہوئے تھے فرس پر کھجی خم  
 (۹۵) کوئی بجس کا مددگار نہ تھا اسے ستم  
 گوششیں ہوتی تھیں کہے کے گواہی کی  
 مارے تلوار دیکھتے تھی دم لینے کی  
 دشت سے آتی تھی زہرا کی صدا اسے حسین  
 در سے چلاتی تھی زینب مے ماں جاتے حسین  
 فاطمہ رو رہی ہیں انھوں سے پہلو تھالے  
 ہائے سید ترا تن اور ستم کے بھالے  
 اس پہ یہ ظلم دکھوں سے جسے زہرا ہالے  
 (۹۶) کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے  
 کون بڑا دے بسے بے سرو سامانوں کی  
 یوں تو سبھی نہیں کوئی مسلمانوں کی  
 زہرا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یا را  
 غش سے کچھ دیر میں اٹھا جو علی کا پیا را  
 (۹۷) نیزہ سینے پہ نہان ابن انس نے مارا  
 داں تو زینب کی انی بیشے باہر نکلی  
 یوں ہن خیمے کی ڈوڑھی سے کھلے سر نکلی  
 کھنچ کر سینے سے نیزہ جو پہلو دشمن دیں  
 بھکے بھگتے تھے خاک پہ سجد میں جسیں  
 تیز کو تا ہوا عجز کو بڑھا شمر لعیں  
 (۹۹) آسمان ہل گئے تھو گئی مقل کی زمیں  
 کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا  
 پاؤں قرآن پہ رکھا حق پہ منور رکھا

بلکہ میں ٹکٹ۔ قرآن میں حقوں میں تقسیم کو دیا گیا ہے۔ ہر حصہ ایک پیادہ نکلا تا ہے۔

تھے یزید و فوج کا ایک سردار۔

تھے مسلم جن کے سینے کو قرآن سے استفادہ کیا ہے۔

ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنت علی چلائی  
 ضرب ادل تھی کہ تجیر کی آواز آئی (۹۹)  
 سر اٹھایا تو سر شہ کو سنا پڑ بکھا  
 فوج اعدا میں تھے قتل کی ہو دھوم حسین  
 ہاے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین (۱۰۰)  
 ننگے سر لہو اعدا میں کھڑی بن بکھائی  
 قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ تھی اور لاش حسین  
 گھر جلا قید ہوئی آل رسول ام شعلین (۱۰۱)  
 لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہو  
 کتنے گھر شاہ کے مرجانے سے بردہ ہو



پردائیں زباں کو بچنے کی نہیں  
 عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں  
 مضمون انیس کا نہ چربا اتر ا  
 نقاش نے سو طرح سے خفت کھینچی  
 اتر ا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اتر ا  
 تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اتر ا  
 ملو در معنی سے مرا سینہ ہے  
 جب قتل دہن کھلا جو اہر نکلتے  
 دل میں یہ صفائی ہے کہ آمینہ ہے  
 گویا کہ زباں کلید گنجینہ ہے

۱۔ جن و انس کے یعنی تمام مخلوقات کے رسول

## رُباعیات

اندیشے میں دن تمام ہو جاتا ہے      زنداں گھر وقت شام ہو جاتا ہے  
 زردار سے پوچھ حفظ زر کی تکلیف      شب کا سونا حرام ہو جاتا ہے  
 دولت نہ عطا کر نہ جہاں میں زردے      جو باعث آبرو ہے وہ گوہر دے  
 شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل      یارب تجھے نان خشک و چشم تر دے  
 برباد کیا ہے طبع آوارہ نے      تر پا رکھا ہے قلب صد پارہ نے  
 شیطان کی کچھ خطا نہ قسمت کا قصور      مارا تجھے آہ نفس آمارہ نے  
 گھمٹے مضامین کو کہاں بند کروں      خوشبو نہیں چھینے کی جہاں بند کروں  
 میں باعث نغمہ سنجی بلبل ہوں      کھولے نہ کبھی مسخ جو زباں بند کروں  
 وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے      اک نعرہ آفرین دغیں ہو جائے  
 بھڑتے ہیں دہن سے پھول لفظوں کے عوض      یاں آئے سخن چیں بھی تو چلیں ہو جائے  
 زیرِ پا ہے وقار بادشاہی کے لیے      جرات واجب ہے کج کلاہی کے لیے  
 لازم ہو کہ ہواہل سخن تیز زباں      تلوار ضرور ہے سپاہی کے لیے  
 الفت ہے نہ پاس ربط دیرینہ ہے      سمجھ پر تو ہیں صاف قلب میں کلینہ ہے  
 گر کیجئے امتحان تو ظلمی کھل جائے      یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے  
 ہر وقت زمانے کا ستم بہتے ہیں      حاسد جو برا کچھ تو چپ رہتے ہیں  
 جو نیک ہیں وہ بدوں کو بھی کہتے ہیں نیک      جو بد ہیں وہ اچھوں کو برا کہتے ہیں  
 دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے      آتا نہیں پھر کے جو نفس جاتا ہے  
 جب سال گرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا      یاں اود گرہ سے اک برس جاتا ہے

## مرثیہ (۷)

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے جلوہ کیا سحر کے رنج بے حجاب نے  
 دیکھا سوے فلک شہ گردوں کا بے <sup>(۱)</sup> مرط کو صدارت نقیوں کو دی اس جناب نے  
 آخر ہر رات حمد و ثناء خدا کو د اٹھو فریضہ سحری کو ادا کرو  
 ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا یاں خوں پہ گھا آج محمد کی آل کا  
 چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا <sup>(۲)</sup> گزری شب فراق دن آیا وصال کا  
 ہم وہ ہیں غم کو جیلے لک جن کے واسطے راتیں تڑپ کے کافی ہیں سن کے واسطے  
 یہ صبح ہو وہ صبح مبارک ہو جس کی شام یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے غلہ میں مقام  
 کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام <sup>(۳)</sup> نکھے خدا نماز گزاردوں میں سب کے نام  
 سب ہیں وحید عصر بغل چار سو اٹھے دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے  
 یہ سن کے بستر دں سے اٹھے وہ خدا شناس اک اک نے زیب جسم کیا فاخرہ لباس  
 شام نے محاسنوں میں کیے سنبے بے ہراس <sup>(۴)</sup> باندھے عمامے آئے امام زمان کے پاس  
 رنگیں عبا میں کشیں پکریں کسے ہوئے مشک زبا د و عطر میں کیڑے بے ہوئے  
 سوکھے لبوں پہ حمد اکہی رنوں پہ نور خوف و ہراس درخ و کندورت دلوں سے دور  
 فیاض و حق شناس و اولو العزم باذی شعور <sup>(۵)</sup> غوش فکر و نذر لسنج و ہنر پرورد و غنیور  
 کاؤں کو حسن صوت کے حظ بر ملائے باتوں میں وہ نمک کے دلوں کو مزلائے

لے یہ مصرع اس قدیم خیال پر مبنی ہے کہ آفتاب زمین کے گرد گھومتا ہے اور شام کو نگاہوں سے اوجھل ہو کر رات بھر گردش کرنے کے بعد صبح کو پھر نکلتا ہے۔

سے صبح کی نماز۔ سے گنگمیاں۔

سے ڈاڑھی موچیں۔ سے ایک خوشبو۔



سادوشت بر و بار فلک مرتبت دلیر  
 گردان دہران کی زبردستیوں سے زیر  
 دنیا کو بیچ و پوچ سراپا کھتے تھے  
 تقریر میں وہ دمزدکنیہ کو لا جواب  
 گویا وہ کتاب بلاغت کا ایک باب  
 اہوں پہ شاعران عرب کئے مئے  
 لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو  
 پر ہیز گار و زاہر و ابراہ و نیک خو  
 پتھر میں ایسے لعل صدف میں گھر نہیں  
 پانی نہ تھا و نہ جو کرے وہ فلک جناب  
 باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب  
 ہتاب سے رنوں کی صفا اور ہو گئی  
 عالی منش بٹیا میں سلیمان و غیا میں شیر  
 فاقوں میں دل بھی چشم بھی اونٹیں بھی سیر  
 دریا دل سے بک کو قطر اکٹھے تھے  
 محنت بھی محنت سے گھر کوئی نکلا تو انتخاب  
 سوکھی زبانیں شہد فصاحت کا میاب  
 پتے لہو لک کے وہ جو نہ کما بھڑے ہوئے  
 پیدا تنوں سے بیر، سچ یوسفی کی بو  
 غلاماش کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو  
 حوروں کا قول تھا یہ ملک ہیں بشر نہیں  
 پر گئی رنوں پہ خاک تیسم سے طرہ آب  
 ہوتے ہیں خاکسار غلام ابو تراب  
 مٹی سے آئینوں پہ جلا اور ہو گئی

لے بڑے جہاد۔

لے انجن۔ محفل۔ اصل میں یہ ہندی لفظ 'سبھا' ہے، ایک ملک کا نام بھی ہے، جہاں کی مکہ بلقیس  
 پر حضرت سلیمان عاشق ہو گئے تھے یہاں اس لفظ میں صنعت ایہام ہے۔

لے اضافت تشبیہی ہے۔ خود لب مراد ہیں۔

مکہ حضرت یوسف کا کوہا جس کی خوشبو سے حضرت یعقوب کی آنکھوں میں روشنی آگئی تھی۔

ہے (طرک)۔ نوجوان آدمی۔ نوکر چاکر۔ بہشت کے خوبصورت باشندے یہ غلام کی عربی جمع ہے،  
 مگر اس معنی میں فارسی اور اردو میں واحد کی حیثیت سے مستعمل ہے۔

نیچے سے نکلے شہ کے عزیزان خوش خصال  
 قاسم سا گلبدن علی اکبر سا خوش جمال <sup>(۱۰)</sup>  
 سب کے رخوں کا نور سپہریں پہ تھا  
 اٹھارہ آفتابوں کا پنچہ زمین پہ تھا  
 وہ صبح اور وہ چھاؤں تاروں کی اور وہ نور  
 پیدا اگلوں سے قدرت اللہ کا ظہور <sup>(۱۱)</sup>  
 گلشن نخل تھے دادی مینو آساس سے  
 جگہ تھا سب بہا ہوا پھولوں کی باس  
 ٹھنڈی ہوا میں سبزہ صحرای کی وہ لہک  
 شرائے جس سے اطلس زنگار می فلک <sup>(۱۲)</sup>  
 وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ ہمک  
 ہر برگ گل پہ قطرہ شبنم کی وہ بھلک  
 بیتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے  
 قربان صنعت قلم آنسہ بیدگار  
 شہی بر در قی سے صنعت قلم صبیح آشکار <sup>(۱۳)</sup>  
 عاجز ہے فکر سے شکر اے سبز شعور  
 ان صنعتوں کو پائے کہاں عقل سادہ کار  
 عالم تھا محو قدرت رب عباد پر  
 مینا کیا تھا دادی مینو سلاطین پر  
 وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ نضا  
 در آج دیکھتے دیکھتے وہاں اس کی صدا <sup>(۱۴)</sup>  
 وہ جوش گل وہ نالہ مرغان خوش نوا  
 سردی جگر کو بخش تھی صبح کی ہوا  
 پھولوں سے سبز سبز سرخ پوش تھے  
 تھا لے بھی نخل کے تہہ گل فروش تھے

لے حضرت علی کے ایک بھائی کا نام ہے حضرت عقیل کے فرزند امام حسین کے چچا زاد بھائی۔

لے عون و محمد کے دادا۔ ایک جہادیں ان کے بازو کٹ گئے تھے تو شہادت کے بعد خدا نے ان کو جہارت کے  
 پر عطا کیے۔ اس بنا پر وہ جعفر طیار کہلاتے ہیں۔ طیار کے معنی اڑنے والا ہے امام حسین کے اٹھارہ عزیز بہشت  
 لے کہ وہ طوہر کی بلند پر اڑتی کہنے والا حضرت موسیٰ جو کہ طوہر پر جا کر نبی اونی کہاتے کہتے تھے جس کی اصل  
 بہشت ہے جو یعنی جہشت کا مگر معلوم ہوتی ہو۔ شہ و شہو نے درخت کا پتہ لے کر صبح کے معنی ہیں جو جہارت پر  
 عبادت میں جو یہ نغمہ یا جگایا لے جائیں کہ ایک کے الفاظ ترتیب اور دوسرے کے لفظوں کے ہم وزن و قافیہ ہوں  
 اس میں جو صبح کی صفت ہوتی ہو جو عبادت اس صنعت کے لکھی جائے اسے صبح کہتے ہیں لے بغیر جگہ اور سادہ دیور نہ لے  
 والا جگہ اور دیور نہ لے والے کو صبح سانہ کہتے ہیں اب سلطان سار سادہ کار (سادے کار) کہلاتا ہے۔

لے سونے چاندی کی چیزوں پر نگین نقش و نگار لے بہشت کے نغمے کا لے تیسرے جگہ لے بریلے کو لے۔

وہ دشت وہ نسیم کے بھونکے وہ سبزہ زار  
 اٹھنا وہ بھوم بھوم کے شاخوں کا بار بار <sup>(۱۵)</sup>  
 خواہاں تھے نکل گشتن زہر جو آب کے  
 وہ قریوں کا چار طرہ سر د کے بھوم  
 سُبْحَانَ رَبَّنَا کی صدا تھی علی العموم  
 کچھ گلِ خطا نہ کرتے تھے ربِّ عِلا کی حمد  
 چیونٹی بھی اُتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار  
 یا حی ویا قذیر کی تھی ہر طرف پکار  
 طائر ہوا میں تھوہرن سبزہ زار میں  
 کانٹوں میں اک طرف تھے ریا میں نبی کے چوہل <sup>(۱۶)</sup>  
 دنیا کی زیب زینت کا شانہ شو شخص  
 ماہِ عرا کے عشرہ اول میں کٹ گیا  
 الشدرے خواں کے دن اس باغ کی بہار  
 دو لہا میں ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا بار <sup>(۱۷)</sup>  
 راہ میں تمام جسم کی خوشبو سے پس گئیں  
 بھولوں پہ جا بجا وہ گہرا تے آبِ داد  
 بالائے نعل ایک جو بلبل تو گل ہزار <sup>(۱۸)</sup>  
 شبنم نے بھو دیئے تھے کٹوئے گلاب کے  
 کو کو کا شیر نازِ حق سستہ کی دھوم  
 جاری تھے وہ جوان کی عبادت کے تھے رسوم <sup>(۱۹)</sup>  
 ہر خاد کو بھی نوکِ مال تھی خدا کی حمد  
 لے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار  
 تہلیل تھی کہیں کہیں تیشہ کو دگار <sup>(۲۰)</sup>  
 جنگل کے شیر ہونک ہے تھے چھار میں  
 خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرضِ طول  
 وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسول <sup>(۲۱)</sup>  
 وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں کٹ گیا  
 بھولے سماتے تھے نہ محمد کے گلِ عذار  
 جاگے وہ ساری رات کے وہ منید کا شمار <sup>(۲۲)</sup>  
 جب مسکراے بھولوں کی لیلیاں کس گئیں

لے ہزار بلبل کو بھی کہتے ہیں۔ گل اور ہزار میں ایہام تناسب ہے۔

لے دوبرائی کا لفظ ہے۔ بھولوں بالخصوص زور و رنگ کے بھول یہ لفظ احوال و جمع دونوں کے معنی دیتا ہے۔ نہ ہر اور نہ ہر میں تھیں زاید و ناقص ہے۔

لے اس کا رازِ حق ہے۔ قری کی آواز۔

کہہ کیا اچھا ہے ہمارا رب۔ رب کے معنی پالنے والا۔

شے خوب یاد تھی۔ زبان پر جاری تھی۔ لے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا۔ یہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا۔

شے ایسی راہ کی جو عبادت کے شوق میں خانہ داری کی طرف مائل نہ ہو۔ مراد حضرت فاطمہؑ سے کھل گئیں۔

وہ دشت اور وہ غیمہ زنگارگوں کی نشان  
 بے چوڑ سپہر بریں جس کا سامان<sup>(۲۰)</sup> بیت العقیق دین کا مدینہ جہاں کی جان  
 اللہ کے حبیب کے پیائے اسی میں تھے  
 سب شیں کہ پاک تارے اسی میں تھے  
 گودوں پہ تازہ کرتی تھی اس دشت کی زمیں  
 کہتا تھا آسمان دہم چرخ ہفتیں  
 پردے تھے رشک پر وہ چٹان حوریں<sup>(۲۱)</sup> تاروں سے تھا فلک اسی خون کا خوشہ ہیں  
 دیکھا جو نور شمشیر کیواں جناب پر  
 کیا کیا ہنسی ہر صبح گل آفتاب پر  
 ناگاہ چرخ پر خط انبیس ہوا عیاں  
 تشریف جانا زاپہ لئے شہ زماں  
 بجادے کچھ گئے معقب شاہ انس جہاں<sup>(۲۲)</sup> صوت حسن سے اکبر ہونے دی اذان  
 ہراک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبائی  
 گویا صد رسول کی کانوں میں آگئی  
 چپے پیور بھوستے تھے وجد میں شجر  
 تسبیح خواں تھے برگ گل و عنبر و مثر  
 محو شش کلوخ و نباتات دشت و در<sup>(۲۳)</sup> پانی سے مٹھ نکالے تھے دریا کے جانور  
 اعجاز تھا کہ ولبر شہیر کی صدا  
 ہر رشک ترے آتی تھی تکبیر کی صدا

لے بغیر چوبوں کا خیمہ - لے قدیم مکان - مراد خانہ کعبہ ایک روایت ہو کہ طوفان نوح میں خانہ کعبہ کے  
 سوا ساری دنیا غرق ہو گئی تھی - لے شہر - عرب کا ایک شہور شہر جو پیغمبر اسلام کا سکنا و مدفن ہونے کی وجہ  
 سے مسلمانوں کی نہایت مقدس زیارت گاہ ہے لکھ آسمان سات ہیں - ان کی اوپر آٹھویں کو کسی  
 اور اس کے اوپر نوں موش ہو جو سب سے زیادہ بلند ہے امام حسین کے خیمہ کا تر تہ موش سے بھی بلند ہو آئی لے  
 سا توان آسمان اس کو موش سے بالاتر ایک اور آسمان بھتا ہے -

ہے شمشیر - کیواں - زحل - جناب - چوکھٹ - شمشیر کیواں جناب کے معنی ہیں تانا و پانچا کھس  
 جس کی چوکھٹ یعنی نیچے کا حصہ زحل کے برابر ہے - زحل بہت بلند تارہ ساتویں آسمان پر ہو -  
 لے اضافت تشبیہی - مراد خود آفتاب - سورج کھلی کے پھول کو بھی کہتے ہیں -  
 لے سفید لکیر - یہ صبح صادق کی علامت ہو - جو ناز صبح کا وقت ہے -

ناموس شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار چکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار  
 زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار صدقے نازیوں کے موزوں کے میں نثار  
 کرتے ہیں یوں دھفت و داجلال کی لوگو اذال سنو مرے دوسعت حال کی  
 یہ حسن صوت اذیہ قرائت ہے یہ شہد و حقا کہ افصح الفصحا ہے اٹھیں کا جہل  
 گویا ہے سخن حضرت داؤد باخرو (۲۵) یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد  
 شیعہ خدا میں پکڑ پال جیسے پھول میں بلبل چمک رہا ہر ریاض رشول میں  
 میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے عین اٹھال سے کچھ بچے خدا بچائے  
 وہ کوئی بھی کہ جس کی ملاقات ملے لوں کو بھائے (۲۶) دودن میں ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے  
 غربت میں پڑ گئی ہو مصیبت حسین پر فاقہ یہ تیسرا ہر مرے نور عین پر  
 صف میں ہو ابو نعرۃ قد قامت الصلوۃ قائم ہوئی نماز اسٹھے شاہ کائنات  
 وہ نور کی صفیں وہ مصل ملک صفات قدموں سے جس کے لمبی تھیں نکھیں ہجرات  
 جلوہ تھا تابہ عرش معلّا حسین کا مصحف کی لوح تھی کہ مصلّا حسین کا

خدا آواز کیا کہ جس وہ قرات کی شہد و حقا کہ افصح الفصحا ہے اٹھیں کا جہل  
 یہ حسن صوت اذیہ قرائت ہے یہ شہد و حقا کہ افصح الفصحا ہے اٹھیں کا جہل  
 گویا ہے سخن حضرت داؤد باخرو (۲۵) یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد  
 شیعہ خدا میں پکڑ پال جیسے پھول میں بلبل چمک رہا ہر ریاض رشول میں  
 میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے عین اٹھال سے کچھ بچے خدا بچائے  
 وہ کوئی بھی کہ جس کی ملاقات ملے لوں کو بھائے (۲۶) دودن میں ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے  
 غربت میں پڑ گئی ہو مصیبت حسین پر فاقہ یہ تیسرا ہر مرے نور عین پر  
 صف میں ہو ابو نعرۃ قد قامت الصلوۃ قائم ہوئی نماز اسٹھے شاہ کائنات  
 وہ نور کی صفیں وہ مصل ملک صفات قدموں سے جس کے لمبی تھیں نکھیں ہجرات  
 جلوہ تھا تابہ عرش معلّا حسین کا مصحف کی لوح تھی کہ مصلّا حسین کا

لے پڑھنا۔ بالخصوص قرآن کو صحیح تلفظ اور صحیح لہجے سے پڑھنا۔ لے آواز کا پڑھاؤ اور کھچاؤ۔  
 لے حضرت علی اکبر کے دادا حضرت علی خوش بیانی اور ملاقات میں بے نظیر تھے۔  
 لے حضرت داؤد پیغمبر ایسے خوش الحان تھے کہ آپ کی آواز سن کر وحشی جانور اور چڑیاں تک آپ کے  
 حمد جمع ہو جاتی تھیں۔ شے شافیں۔ صدا کے شعبوں سے مختلف مراد ہیں۔  
 لے آواز کے اتار چڑھاؤ میں ایسا دلکش تناسب ہو جیسا پھول کی پنکھڑیوں میں ہوتا ہے۔  
 لے نظرب۔ شے خوش تقریر۔ بزرگ۔ حاضر جواب۔ شے خوش بیانی۔  
 لے نماز قائم ہو گئی ہے۔ نماز سے پہلے اذال دی جاتی ہے جس کو سن کر مسجد میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔  
 اس کے بعد اقامت کہی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب نماز شروع ہوتی ہے۔ اقامت میں جو  
 فرقے کھج جاتے ہیں۔ ان میں قد قامت الصلوۃ بھی ہے۔  
 لے کتاب کے پہلے صفحے کی پیشانی جس پر طلائی اور رنگین نقش و نگار ہوں۔

قرآن کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز      بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھے شہ حجاز  
 سطریں تھیں یا صفیں عقب شاہ سرفراز (۲۸)      کوئی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ نماز  
 پیشہ سحر بیاض پہ بین السطور کی      سب آیتیں تھیں صحیف ناطق کے نوکی  
 باہم منجروں کی صدا میں وہ دل بند      کہ تو بیان عرش تھے سب جن سے بہرہ مند  
 ایماں کا نور ہر دل پہ تھا چاند سے دو چند (۲۹)      خوف خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند  
 خم کوئی تھیں کسی خصوصیت خوش میں      بچوں میں چاند تھے سر نو تھے کوع میں  
 اک صف میں سب محمد و حیدر کے رشتہ دار      اٹھارہ فوجاں میں اگر محبسے شمار  
 پر سب و حیدر و حق آگاہ و خاکسار (۳۰)      پیر داماد پاک کے داناب رد زگار  
 بیخ ہر طرہ تہ افلاک انھیں کی ہے      جس پر دود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں  
 دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قنود      ان کے لیے تھی بندگی واجب الوجود  
 وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود (۳۱)      طاعت میں نیت جانتے تھے اپنی ہمت و بود  
 طاقت چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں      گڑگو کے سب کے گڑگو تینوں کی چھاؤں میں

نہ مولا تھے حجاز و بکراست مناظر  
 یا قید و رکوع تھے بیابان کا

ذکر تھے

لے ادا اور نماز میں صنعت ایہام تناسب ہے۔ لے تجکیر یعنی اللہ اکبر کہنے والے۔  
 لے گردنی کی حج۔ فرشتے۔ لے عاجزی۔ انحراف ہے آنکھیں نیچی کرنا۔ انکسار۔  
 لے نماز میں اس طرح بھلنا کہ سہیلیاں گھٹنوں کو بھجویں۔  
 لے امام، دانا، تسبیح = دانا اور دانا تلفظ میں یکساں ہیں اور تسبیح میں امام بھی ہوتا ہے اور  
 دانا بھی۔ اس طرح یہاں ایہام تناسب کی ایک خاص صورت پیدا ہو گئی ہے۔  
 لے کو بلا کی مٹی سے تسبیحیں بنتی ہیں اور ان پر دود پڑھا جاتا ہے۔  
 لے وہ ذات جس سے وجود کی صفت علویہ نہیں ہو سکتی۔ جو ہمیشہ موجود تھی اور ہمیشہ موجود رہے  
 گی۔ معنی خدا۔

ہاتھ ان کے جب قنوت میں اٹھے سو خدا خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب دہا  
 تھرائے آسمان ہلا عرش کبیریا (۳۲) شہر تھے دونوں ہاتھ بے طائر دہا  
 دہ خاکسار نحو تضرع تھے فرش پر روح القدس کی طرح دعائیں تھیں شہ  
 فارغ ہوئے نماز سے جب قبلہ انام آئے مصافحہ کو جو انان تشنہ کام  
 چوئے کسی نے دست شہنشاہ خاص نام آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر با احترام  
 کیا دل تھے کیا سیاہ رشید و شہید تھی باہم معانقہ تھے کرنے کی عید تھی  
 سجدے میں شکر کے تھا کوئی مرد باخدا بڑھتا تھا کوئی حرون سے قرآن کوئی دعا  
 نعت نبی تھیں تھی کہیں حمد کبیریا (۳۳) مولا اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا  
 فاقوں میں تشنہ کا مٹی و غربت پر ہم کو یارب مسازوں کی جماعت پر ہم کو  
 زاری تھی التجا تھی مناجات تھی ادھر داں صف کشی و ظلم و تعدی و دشو و دشو  
 کھتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے نہر پر (۳۵) گھاٹوں سے ہوشیار ترانی سے بانہر  
 دودھ سے ہوتے دہانی حسین کو ہاں مرتے دم بھی دیکھو زبانی حسین کو  
 بیٹھے تھے نماز پہ شاہ فلک سریر ناگہ قریب آئے گئے تین چہار تیر  
 دیکھا ہر اک نے مرد کے سوسے لشکر شہریر (۳۶) عباس اٹھے تول کے شمشیر بے نظیر  
 پروانہ تھے سر کج امامت کے نور پر رو کی سپر حضور کو امت ظہور پر

لے عبادت - بندگی - دعا - نیاز مندی مذہبی اصطلاح میں نماز کی دوسری رکعت میں رکوع  
 سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یا پڑھنا - لے پاک روح - جبرئیل -  
 لے بہادر - بہت دور شاگرد کی صفت 'رشید' اکثر لاتے ہیں - دہاں رشید کے  
 معنی ہوتے ہیں باصلاحیت، کامل -  
 لے لیٹا نا - گلے لگانا - گلے ملنا -  
 شہ چراغ -

اکبرے مرگے کہنے لگے سرورِ زماں      باندھے ہے سرشتی پہ کمرِ شکرِ گو اں  
 تم جا کے کہد دنیے میں یہ لے پدر کی جاں      بچوں کو لے کے صحن سے بہت جا میں بیلا  
 غفلت میں تیرے کوئی بچہ تلف نہ ہو      ڈر ہو تجھے کہ گردنِ اصغرِ ہفت نہ ہو  
 کہتے تھے یہ پیر سے شہِ آسماں سر پر      فتنہ پکاری ڈیوڑھی سے لے خلق کے امیر  
 ہو ہو علی کی بیٹیاں کس جاہوں گوشہ گیر      اصغر کے کاہوارے تک آکر گوسے ہیں تیر  
 گرمی میں سادی رات یہ گھٹ گھٹ کر دیتیں      بچے ابھی تو سرد ہوا پالکے سوئے ہیں  
 باقر کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش      گرمی کی فصل، یہ تب و تاب اور یہ عطش  
 رور و کے سو گئے ہیں صغیر ان ماہِ دش      بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جا میں فادش  
 یہ کس خطا پہ تیر پاپے برستے ہیں      ٹھنڈی ہو ا کے واسطے بچے ترستے ہیں  
 اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک و ستار      ڈیوڑھی تک آئے ڈھانکورو کے رفیق دیا ر  
 فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب بہر کار زار      کمر میں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار  
 دیکھیں فضا بہشت کی لی باغِ باغ ہو      اس کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو  
 فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر      ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر  
 جوش بہن کے حضرت عباس نامور      دروازے پر ہٹنے لگے مثل شیر نہ  
 پر تو سے رخ کے برق چمکتی تھی خاک پر      تلوار ہاتھ میں تھی سپردِ دش پاکت

۱۔ امام حسین کے پوتے حضرت سجاد کے فرزند، آئمہ اثناعشر میں پانچویں امام، جو کربلا میں بچے  
 بچے۔

۲۔ کیونکہ تیروں کی بادش کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔



شوکت میں شک تاج سلیمان تھا خود سر  
 دستانے دونوں فتح کے مسکن ظفر کے گھر<sup>(۳۲)</sup>  
 جب یہاں بھائی ظلم کی تیغوں میں رہو  
 نیچے میں جا کے شہنہ یہ دیکھا حرم کا حال  
 زینب کی یہ دعا ہو کہ اے رب ذوالجلال<sup>(۳۳)</sup>  
 باؤں نیک نام ملی کھیتی ہری ہے  
 آفت میں ہے مسافر صحرائے کمر بلا  
 عزت میں ٹھن گئی بخورِ اُمی تو ہو گا کیا<sup>(۳۴)</sup>  
 فاقوں سے جان لب میں عطش ہلاک ہیں  
 سر پر ناب علی نہ رسولؐ فلک وقار  
 امان کے بعد رومی حسن کو میں سو گوار<sup>(۳۵)</sup>  
 تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے  
 بولے قریب جا کے شہ آسماں جناب  
 مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب  
 موقع نہیں ہیں ابھی فریاد آہ کا  
 مزاج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس  
 سر پر رکھا عمامہ سردار حق شناس<sup>(۳۶)</sup>  
 بریں درست دجست تھا جامہ رسولؐ کا  
 کلفی پہ لاکھ بار تصدق ہوا کے پر  
 وہ رعب الامان وہ تہور کو اکٹھا کر  
 پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پھاڑ ہو  
 چہرے توفیق ہیں ادو کھلے میں سروں کے بال  
 بچ جائے اس فساد سے خیر النساء کا لال  
 صندل سے لگائے گودی بھری رہے  
 بیکس پہ یہ چڑھائی ہے تید پہ یہ جفا  
 ان نغصے نغصے بچوں پہ کور حم اس حسدا<sup>(۳۷)</sup>  
 یارب تم رسولؐ کی یہ آل پاک ہیں  
 گھولٹ گیا گز گئیں حسا تو توں روڑگا  
 دنیا میں اب حسین ہے ان سب کا یادگار<sup>(۳۸)</sup>  
 کچھ اس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے  
 مضطر ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب  
 خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہ صواب<sup>(۳۹)</sup>  
 لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا  
 کشتی میں لائیں زینب اے شاہ دیں کے پاکر  
 پہنی قبا پہ پاکہ رسولؐ فلک اساس<sup>(۴۰)</sup>  
 رومال فاطمہ کا عمامہ رسولؐ کا

لے پناہ۔ خدا کی پناہ۔ خون کا اظہار مقصود ہے۔

لے 'حذر' کے معنی ہیں بھاگنا۔ بچنا۔ خون۔ اکٹھا کر کے خون ہے۔

لے دل قوی ہو۔

لے صحیح کا صیغہ واحد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

کے دوسرے جو چھٹے تھے بعد وقار  
 لکھا ہوا تھا زلفِ سخن بو کا تار تار<sup>(۴۸)</sup>  
 مشکِ عود اگر ہیں تو بیچ ہیں  
 دل سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بو  
 بر کی فاطمہ کی حسین و حسن کی بو  
 لٹا تھا عطرِ اودایِ عشرِ شربت میں  
 شاگِ جب بہن چلے جس دم شہِ زمن  
 لائی ہوائے آج نہیں حیدرِ حسن<sup>(۴۹)</sup>  
 نصرتِ ہوا رسول کے یوسفِ حال کی  
 خندقِ اسلحہ کے جو کھلوئے شاہ نے  
 سنی زرہِ امامِ فلک بارگاہ نے  
 جو ہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے  
 آد آگئے علی نظر آئی جو ذوالفقار  
 فولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آبِ دار<sup>(۵۰)</sup>  
 فتحِ دلفِ قریب ہو نصرتِ قریب ہو  
 باندھی کر سے تیغ جو زہرا کے لال نے  
 دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے<sup>(۵۱)</sup>  
 رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی  
 سادی سپر میں ہر نبوت کی نشان تھی  
 ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے میں چادر  
 جس کے ہر ایک موہ پہ خطا و حقنِ نشان  
 سنبل پہ کیا کھلیں گے یہ گیسو کے بیچ میں  
 دو لٹھانے سو نکھی ہو گئی نہ ایسی دھن کی بو  
 پھیلی ہوئی تھی چادر طرے بختن کی بو  
 گل بھونکتے تھے باغ میں رضوانِ ہشت میں  
 لے کر بلائیں بھائی کے رونے لگی بہن  
 اماں کہاں سے لائے تھیں اب یہ بے وطن  
 صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی  
 پیٹا منہ اپنا زینب عصمت پناہ نے  
 باز پہ جو شبنم پر ٹھے عروہ جاہ نے<sup>(۵۲)</sup>  
 حلقے تھے جتنے اتنے تارے چمک گئے  
 قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار  
 شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نشان  
 زیب اسکی تجھ کو ضربِ عدد کو نصیب ہو  
 بھاڑا فلک یہ اپنا گریباں ہلال نے  
 معراجِ پایِ دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے<sup>(۵۳)</sup>  
 سادی سپر میں ہر نبوت کی نشان تھی

درخت کی کھلیں  
 درخت کی کھلیں  
 درخت کی کھلیں

لے آفتوں سے محفوظ رہنے کی دو دوائیں، 'یوشن صغیر اور یوشن کبیر۔  
 لے پیغمبرِ اسلام کے شانے پر ایک قدرتی نشان تھا جو آپ کے نبی ہونے کی  
 علامت سمجھا جاتا ہے۔

ہتھیارا دھڑکا چکے آقا سے خاص عام      تیار اُدھر ہوا علم سید الانام  
 کھولے سروں کو گود نکھیں سید انیاں تام (۵۴)      روتی تھی تھامے جو ب علم خواہرام  
 تیغیں کمین دس پہ تلے پٹے ہوئے      زین کے لال زین علم اکھڑے ہوئے  
 گودانے دامنوں کو قبا کے وہ گل عذار      مرقع تک آستینوں کو اٹے بصدوقار  
 جعفر کا رعب و بدبہ شیر کو دگار (۵۵)      بوٹلے سے ان کے قد یہ نمودار و نام دار  
 آنکھیں میں علم کے پھولے کو چوم کے      رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے  
 گتہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانب علم      نعرہ کبھی یہ تھا کہ نشا و شرع اُمم  
 کھاتے تھے دونوں بھائی کبھی مشوئے ہم (۵۶)      آہستہ آہستہ پچھتے کبھی ماں سے وہ ذی شرم  
 کیا قصد ہو علی دلی کے نشان کا      اماں کسے لے گا علم نانا جان کا  
 کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہ خوش نصال      ہم بھی محض نہیں آپ کو اس کا رہ خیال  
 پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں حمال (۵۷)      اس کا بھی خوف ہو کہ نہ ہو آپ کو طلال  
 آقا کے ہم غلام ہیں اور جانثار ہیں      عزت طلب ہیں نام کے امیدوار ہیں

اے کہنی۔ اے یعنی علم کے خواہش مند تھے اور ماں سے سفارش کے امیدوار تھے۔ ظاہری ہو کوئی  
 سے دلی خیالوں کے اظہار کی یہ بہت اچھی مثال ہے۔ اے حق دار۔ یہ لفظ عربی ہے۔ مگر عربی میں  
 اس معنی میں نہیں آتا۔

کلمہ علامہ آزاد مرحوم 'سخندان فارس' میں لکھتے ہیں: یہ لفظ عالم طفولیت میں اکثر شرفاء کے باب  
 میں سنا کرتا تھا جو شخص کرامان، لباس، اخلاق، اطوار، عادات اور معاشرت احباب میں ہمیشہ  
 ایسی حالت کے ساتھ رہے، جس سے حکام اور خاص و عام اس کے ساتھ بے عزت و بیش آئیں، اسے  
 تعریف کے ساتھ کہتے تھے کہ ظلال شخص عزت طلب آدمی ہے۔۔۔۔۔ اب مدت سے متروک ہوئے  
 'عزت طلب' کی طرح 'آبرو طلب' بھی مستعمل تھا۔ میر شیر علی انیس کہتے ہیں:

مکان اس کو نہیں دہر میں بجز تہ آب  
 جو کوئی مثل گھر آبرو طلب ہے گا

بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جاں  
لیکن ہمارے سجدہ کو نبی نے دیا نشان  
خبر میں دیکھتا رہا مسخہ شکر گواں  
پایا اگر علی نے عیسیٰ وقت امتحان  
طاقت میں کھڑی نہیں گویا کے سارے ہیں  
پوئے نہیں کے تم ہیں انھیں کے نواسے ہیں

زینب نے تب کہا کہ تمہیں اس سے کیا ہوگا  
کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام  
دیکھو نہ کچھ بولے ادبانہ کوئی کلام  
ہو جاؤ بس کھڑے ہو مالک ہاتھ جوڑ کے  
سر کو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس  
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم کے جو اس

روئے لگو گے پھر جو بربایا بھلا کہوں  
عمر میں قلیل اور ہوس منصب جلیل  
ماں صدقے جائے مگر چہ یہ بہت کی ہو بیل  
لازم ہو سوچے غور کے پیش دین کے  
ان نطفے نطفے ہاتھوں سے اٹھے گایہ علم  
تکلیف تنوں سے سبط نبی کے قدم پہ دم

رخصت طلب کر ہو تو یہ میرا کام ہے  
پھر تم کو کیا بزرگ تھے مگر فخر و زکار  
جو ہر وہ ہیں جو تیغ کو بے آپ آشکار  
تم کیوں کہو کہ لالہ خدا کے دی کے ہیں

ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے  
زینب نہیں ہے وصف اضافی پہ افتخار  
دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کا زرار  
نہیں پکاریں خود کو نواسے علی کے ہیں

لے معنی جعفر طیار -  
لے اس ضمیر کا مرجع مصرع دوم میں 'ہمارے جد ہیں' -  
لے اس ضمیر کا مرجع مصرع چہارم میں 'علی' ہے -

کیا کچھ علم سے جعفر طیار کا ہمتا نام  
 بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انہیں نے کام  
 بے جاں ہوئے تو محل و خانے فر دیئے  
 شکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب  
 مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیر رب  
 اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو درنگ سخت  
 زخموں میں تین دن سے ہو مشکل کشا کا لال  
 پوچھا نہ کہ کھولے میں کیوں تہ نہ سر کے بال  
 غنوار تم ہے ہونہ عاشق امام کے  
 رہا تھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ نام  
 دانش کی جال جو لیں اب علم کا نام  
 فوجیں بھگا کے گنج شہیدان میں کوئی ننگ  
 یہ کہہ کے بس ہٹے جو سعادت نشان سپر  
 دیتے ہو اپنے مرنے کی پیار د مجھے خبر  
 کیا صدمہ بجاؤں کی نصیحت ہی لگی  
 زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہرِ زمن  
 شیروں کے شیر مائل و جوار و صفحہ شکن  
 یوں لیکنے کو سب میں بزرگوں کے طوہین  
 یہ سہی تھی اک عطاے رسول فلک مقام  
 جب کھینچتے تھے تیغ تو ہتا تھا روم و شام  
 ہاتھوں کے بدلے حق نے جو اس کے پرچے  
 بخشا علم رسول خدا نے عمل کو تب  
 در بند کر کے قلعے کا بھاگی سپاہ سب  
 جس طرح توڑے کوئی بتا درخت سے  
 اماں کا باغ ہوتا ہے جگل میں پائمال  
 میں لٹ رہی ہوں اور تمہیں نہ بکا ہونچال  
 معلوم ہو گیا مجھے طالب ہونا نام کے  
 غصے کو آپ تمام لیں اے خواہرام  
 کھل جائے گا لڑ میں گے جو یہ بادنا غلام  
 تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہو نینگے  
 بھاتی بھرائی ماں کی کہا تمام کو جگر  
 ٹھہر و زرا بلائیں تو لے لے یہ فوج گر  
 بچو یہ کیا کہا کہ جگر پر پھری لگی  
 کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں ہن  
 زینب و حیدر عصر ہیں دونوں یہ گل بدن  
 تیور ہی انکے اور ادا سے ہی ادر ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ دلو لے  
 اقبال کو نکران کے نہ قدموں سے منھ ملے  
 بیکشک یہ ورثہ دار جناب امیر ہیں  
 اب تم جیسے کہو اسے دیں فوج کا علم  
 فرمایا جیسے اٹھ گئیں زہراے باکرم  
 مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو  
 بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام  
 قرآن کے بعد ہو تو ہوس آپ کا کلام  
 شوکت میں قدس شان میں ہمسر کوئی نہیں  
 عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار  
 راحت رساں سلطیع نمودار نام دار  
 صفدر ہو شہر دل ہو بہادر ہو نیک ہو  
 آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہر زمن  
 اچھا بلائیں آپ کہ دھر ہو وہ صفت شکن  
 کی عرض انتظار ہو شاہ غنیور کو  
 عباس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ  
 زینب دہیں علم لیے آئیں بہ عزا و جاہ  
 انکی خوشی دہ ہو رضا بخت کی ہے

بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے  
 کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے  
 پر کیا گودوں کو دونوں کی عمریں صغیر ہیں  
 کی عرض جو صلاح شدہ آسماں حشم  
 اس دن سے تم کو ماں کی جگہ جلتے ہیں ہم  
 جس کو کہو اسی کو یہ عمدہ سپرد ہو  
 ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام  
 (۱۳) گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام  
 عباس نامدار سے بہتر کوئی نہیں  
 فرزند بھائی زینب پہلو و فاشعار  
 (۱۴) جرار یادگار پدر و فخر و زگار  
 بے مثل سیکڑوں میں ہزاروں میں کیلتے ہو  
 ہاں تھی ہی علی کی وصیت بھی اسے بہن  
 (۱۵) اکبر چچا کے پاس گئے رشتن کے یہ سخن  
 چلیے چھپھی نے یاد کیا ہے حضور کو  
 جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ  
 (۱۶) بولے نشان کو لے کے شرعش بارگاہ  
 لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

لے خدا کے کلام کے بعد سب سے بڑا مرتبہ آپ کے کلام کا ہے۔ اس لیے کہ آپ امام وقت ہیں۔  
 لے بے نظیر جس کا سا کوئی اور نہیں ہے۔

رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار  
 زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کس نثار  
 عباس فاطمہ کی لکاسی سے ہوشیار  
 ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو  
 کی عرض نیسے جسم پہ جس وقت تک ہے سر  
 تیغیں کھینچیں جو لاکھ تو سینہ گردن سپر  
 ممکن نہیں ہو یہ کہ بڑھے نوج بد گھسٹر  
 دیکھیں اٹھ کے آنکھ یہ کیا تاب کی جگر  
 گو شیر ہو تو پھینکیں آنکھیں نکال کے  
 ذرے کو آج کو دیا مولانا آفتاب  
 یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو تراب  
 آقا کے آگے ہوں میں شہادت کا میاب  
 سترن سے ابن فاطمہ کے رد برد و گس  
 شیر کے پسینے پہ میرا ہوا گوس  
 شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر  
 لیں سبط مصطفیٰ کی بلاتیں چشم تر  
 زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ کو  
 فیض آپ کا ہوا در تصدق امام کا  
 عورت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا  
 سر کو لگا کے بھاتی سے زینب نے یہ کہا  
 تو اپنی مانگ کو کھٹ سے ٹھنڈی ہے سدا  
 کی عرض چھری لاکھ کنیزیں ہوں تو نندا  
 بانوے نامور کو سہا گن رکھے خدا  
 بچے جنیں ترقی اقبال و جاہ ہو  
 سائے میں آپ کے علی اکبر کا بیاہ ہو  
 قسمت وطن میں خیر سے پھر سب کو یکے جائے  
 شرب میں شور ہو کہ سفر سے حسین آئے  
 ام البنین جاہ و حشم سے سپر کو پاسے  
 جلدی شب عروسی اگر خدا دکھائے  
 ہندی تھا رالال لے ہاتھ پاؤں میں  
 لاد دھن کو بیاہ کے تار کی بھاؤں میں

لے حضرت عباس کی یاد گرامی۔

لے پھلی رات کو صبح سے کچھ پہلے وہ لہین سسرال میں پہل پہل اکثر اسی وقت آتی ہیں۔

ناگاہ آکے بانی سکینہ نے یہ کہا      کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا  
 عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا <sup>(۸۲)</sup>      لوگو مجھے بلا نہیں تو لینے دو اک زرا  
 شوکت خدا بڑھائے مے عوجان کی      میں بھی تو دیکھو شان علی کے شان کی  
 عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ      عمو نثار پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ  
 بولی لپٹ کے وہ کمری مشک لیتے جاؤ <sup>(۸۳)</sup>      اب تو علم ملا تمہیں پانی مجھے پلاؤ  
 تحفہ کوئی دیجئے انعام دیجیے      قربان جاؤں پانی کا اک خام دیجیے  
 باتوں پہ اسکی روتی تھیں سیدانیاں تام      کی عرض آکے ابن حسن نے کو یا امام  
 ابوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام <sup>(۸۴)</sup>      فرمایا آپ نے کو نہیں منکر کا مقام  
 عباس اب علم لیے باہر نکلتے ہیں      ٹھہر دہن سے مل کے گلے سمجھتی چلتے ہیں  
 ناگہ بڑھے علم لیے عباس بادفا      دڑے سب اہلبیت کھلے سر برہمنہ یا  
 حضرت نے اتنے اٹھا کے یہ ایک ایک سے کہا <sup>(۸۵)</sup>      لوالوداع اس حشرم پاک مصطفیٰ  
 صبح شب فراق ہر پیاروں کو دیکھو      سب مل کے ڈبکتے تھے تار و نو دیکھو  
 شہ کے قدم پہ زینب زاوہ حویں گری      باؤ بیچھاڑ کھاکے پیر کے فستریں گری  
 کلثوم حقیر کھراکے بہ دوس زمیں گری <sup>(۸۶)</sup>      باؤ کہیں گری تو سکینہ کہیں گری  
 اجڑا بچن ہراک گل تازہ نکل گیا      نکلا علم کو گھر سے جنازہ نکل گیا  
 دیکھی جو شان حضرت عباس عرش جاہ      آگے ہوئی علم کے پس از تہنیت سپاہ  
 نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ <sup>(۸۷)</sup>      نقشہ بدل تھی کینت علی کی فغان و آہ  
 وہ وہ کے اشک بہتے تھے دجے جاہے      خنجر چمک رہی تھی گل آفتاب سے

سہ علی کا نشان - یہاں دو معنی دیتا ہے - ایک حضرت علی کا علم اور دوسرے حضرت عباس جو  
 حضرت علی کے صاحبزادے اور بہادری میں اپنے پدر بزرگوار کی یاد گار تھے 'شان' اور 'نشان'  
 میں تینیس زاوہ و ناقص ہے۔



مولا چڑھے فرس پھنسہ کی شان سے      ترکش لگایا ہلنے پر کس آن بان سے  
 نکلا یہ جن دفس دلبک کی زبان سے      (۸۸) اترے پھر زمیں پہ براق آسمان سے  
 سارا چلن خرام میں کبک دری کا ہے      گھونگھٹ ٹنٹی دھن کا ہر پوری کا ہے  
 غصے میں انکھوں کے ابلنے کو دیکھیے      بن بن کے جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے  
 ساپنج میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے      (۸۹) تھم کو کھنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے  
 گونڈیں ڈالیں ہاتھ پر یوں کو شوق ہو      بالاددی میں اسکو ہا پر بھی فوق ہے  
 تھم کو ہوا چلی فرس خوش قدم بڑھا      جوں وہ سے دشت بڑھا اور دم بڑھا  
 گھوڑوں کی نہیں سواروں نے باگیں علم بڑھا      (۹۰) رایت بڑھا کہ سرد ریاض ارم بڑھا  
 پھولوں کو لے کے بادبہاری پہنچ گئی      بستان کو بلا میں سواری پہنچ گئی  
 پنجہ ادھر چکاتا تھا اور آفتاب ادھر      اس کی ضیا تھی خاکش پہ عوا اسکی عرش پر  
 زور بڑی علم پہ پھرتی نہ تھی نظر      (۹۱) دوٹھا کا رخ تھا سونے کے سہر میں جلوہ گر  
 تھے دو وطن جو دو علم اس آفتاب کے      اٹھے مئے تھے تار خطوط شعاع کے  
 اندری پاہ خدا کی شکوہ و شان      بھلنے لگے جنود مشکلات کے بھی نشان  
 کرب کے علم کے تلے ہاشمی جو ان      (۹۲) دنیا کی زیب دین کی عورت جہاں کی جاں  
 ایک ایک بوڈن علی کا چراغ تھا      خشکو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا  
 لڑکے وہ سات آٹھ مٹی قد سن ملے عذار      گمبو کسی کے چہرے پہ ددا اور کسی کے چار  
 حیدر کا دعب زخمی آنکھوں سے آشکار      (۹۳) کھیلے تو نیچوں سے کوئیں شیر کو شکار  
 تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہوتے      آئے تھے عید گاہ میں دو لہا بنے ہوتے

نہ تو کر      فلاں دلی میں اوج ہوا اس سے پست تھا  
 نہ پھول پر دم چھو دلی کو چلا اس سے پست تھا

دش

دشیں سے انہیں شکر از منت وہ باغ تھا

لے ہر رنگہ ڈس کی کاٹھی کا اٹھا حراب ماحصہ ملے دوڑ میں لگے رہنا۔ تیسرہ رفتاری  
 ملے علم کے چلنے ہوئے چنے پر جب آفتاب کی شعاعیں پڑتی تھیں تو ایسا جھلا معلوم ہوتا تھا جیسے  
 وہ لٹاکے چہرے پر سونے کا سہرا۔ ملے گمراہی کے شکر۔ مراد بڑی دیو تھیں۔ شے سیدھے قد والے۔  
 خوش قامت لے پھول سے رخا دوالے۔

عزوجل سے جو ریس دیکھ کر قیامتیں یہ کلام دنیا کا باغ بھی ہو عجب پر نفاست  
 دیکھو درود پڑھ کے سوے لشکر امام (۹۴) ہیکل مصطفیٰ ہو یہی عرش احتشام  
 رایت یلے وہ لال خدا کے ولی کا ہو اب تک جہاں میں ساقی نبی ولی کا ہو  
 دنیا سے اٹھ گئے تھے جو بغیر زماں ہم جانے تھے حق سے خالی ہے اب جہاں  
 کیونکر سوے زمین نہ بھکے سپیر آسمان (۹۵) پیدا کیا ہو حق نے عجب حسن کا جو ان  
 سبجہ یوں کا خاندان اس حیں پہ ہو محبوب حق ہیں شہ پر سایہ زمین پہ ہو  
 ناگاہ تیرا دھر سے چلے جانے امام گھوڑا بڑھاکے آپ نے محبت بھی کی تمام  
 نکلے ادھر سے شر کے رقیقان تشنہ کام (۹۶) بے سروے پردوں میں سران پادہ شام  
 بالاجہی تھی تیغ کبھی زیر تنگ تھی ایک لک کی جگہ مالک فتر کی جگہ تھی  
 نکلے پے جہاد عزیزان شاہ دیں نرس کے کہ خون سے ہلے لگی ریس  
 رد ہوں کی صفوں پہ چلے شیر خشم بھیں (۹۷) کھینچی جو تیغ بھول گئے صفت کشی لعین  
 بجلی گوی پروں پہ شمال و جنوب کے کیا کیا لڑے میں شام کے بادل میں ڈبکے  
 اندرے علی کے فواسوں کی کا رزار دونوں کے نیچے تھے کہ جلتی تھی ذوالفقار  
 شانہ کشا کسی نے جو رد کا سپر پہ وار (۹۸) گنتی تھی زنجیوں کی یکتوں کا تھا شمار  
 اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں دونوں کے گھوڑے پھپھکے لاشوں کے ڈھیر  
 وہ چھوٹے چھوٹے اٹھ وہ گوری کلاسیاں آفت کی پورتیاں تھیں غضب کی صغایاں  
 ڈرڈر کے کاٹتے تھے کہاں کش کلاسیاں (۹۹) فوجوں میں تھیں نبی ولی کی دہاسیاں  
 شوکت ہو تو تھی جناب امیر کی طاقت دکھادی شیریں نے ہر نیچے شریکی

جہاد عزیزان

ملے جھوٹے۔ کھڑکیاں۔ دریاں۔ ملے حضرت علی اکبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مبارک ہو۔

ابو حضرت عباس شانہ شوکت میں حضرت علی سے۔ اس لیے ان دونوں کا ساتھ گیا نبی ولی

کا ساتھ تھا۔ ملے ہو ہو۔

کس حسن سے حسن کا جوان حسین لڑا      گھر گھر کے صورت اسد خشم گئیں لڑا  
 دودن کی بھوک دپیاس میں نہ رہیں لڑا      سہرا لٹ کے یوں کوئی دو لھا نہیں لڑا  
 حملے دکھائیے اسد کو دگار کے      مقتل میں سوئے اذوق شامی کو کار کے  
 چمکی جوتیغ حضرت عباس عرش جاہ      روض الامین پکارے کو اشتر کی پشاہ  
 ڈھالوں میں پھپ گیا ہر سعد رو بیاہ      کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ  
 بھینسا جو شیر شوق میں دریا کی سر کے      لے لی ترائی تینوں کی بوجوں کو پیر کے  
 بے سرو موٹے موٹے سر چٹہ فزات      ہل چل میں شل موج صفوں کو نہ تھا ثبات  
 دریا میں موج کے فوٹ ہوئے کتنے بد صفات      گویا عباب ہو گئے تھے نقطہ حیات  
 عباس بھر کے شک کوں تشریف لڑا      جس طرح نہرواں میں امیر عرب لڑا  
 آفت تھی حرب و ضرب علی اکبر دلیسر      غصے میں بھینے عید پر جیسے موسیٰ شیر  
 سب سر بلند بیت زبردست رہے زیر      جگ میں چار سمت ہوئے زنجیروں کے دھیر  
 سرانگہ انہ تن سے جو تھکے تھے ہوئے      عباس سے بھی جگ تک کچھ بڑھے ہوئے

لے یزیدی فوج کا ایک نامی سپہ سالار۔ کہ میدان جنگ میں تلواریں اس کفرت سے چل  
 رہی تھیں گویا تلواروں کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس لیے حضرت عباس کا ان میں سے گور کو دیا  
 ایک پہنچا تو گویا تلواروں کے دریا کو پیر کو اترنا تھا۔ کہ محافظ۔ نگہبان۔ کہ عراق حرب کا  
 ایک شہر جہاں حضرت علی نے خوارج کو شکست فاش دی تھی۔ نہر کی جگہ کہ جگہ نہرواں  
 سے تشبیہ دینے سے ایک خاص لطف پیدا ہو گیا ہے۔

شہر حرب کا سردار۔ مراد حضرت علی۔

کہ جگہ کا تجربہ رکھنے والے۔ لڑائیاں لڑے ہوئے۔

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک      ہلتی رہی زمین لرزتے رہے فلک  
 کا نپا کیے پردوں کو سیسے ہوئے ملک <sup>(۱۰۳)</sup>      غروب پھر دہ تھے نہ دوتینوں کی تھی چمک  
 ڈھالوں کا ددر بر بھیڑوں کا انج ہو گیا      ہنگام ظہر خاتمہ فوج ہو گھسیا  
 لاشے سبھوں کے سبط انبی خود اٹھائے لائے      قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے  
 دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے <sup>(۱۰۵)</sup>      فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے اس لئے  
 اتنے پہاڑ ڈپڑیں جس پر وہ غم نہ ہو      گھر سو برس جیوں تو یہ عجیب ہم نہ ہو  
 لاشے تو سب کے گود تھے اور بیچ میں امام      ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبائیم  
 افسردہ و حزن میں دپریشان دقت نہ کام <sup>(۱۰۶)</sup>      بر بھی تھی دل کو نتج کے باجوں کی دھوم دھام  
 اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے      نظر کے دونوں ہاتھوں سے دل نکالتے تھے  
 پوچھو اسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ      اک عمر کا ریاض تھا جس پر نشادہ بارغ  
 فرصت نہ اب بجا سے نہ اتم سے ہو فراغ <sup>(۱۰۷)</sup>      جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ  
 پڑتی تھی دھوپ سب کے تن پاش پاش پر      چادر بھی اک تھی علی اکبر کی لاش پر  
 مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہر زمین      پر شدت عطش سے نہ تھی طاقت سخن  
 پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بعد من <sup>(۱۰۸)</sup>      اصرار لگا ہوا سے لے آؤ اے بہن  
 پھر ایک بار اس ملہ نور کو دیکھ لیں      اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

لے اس معرے میں 'دور' اور 'ادج' 'جادی' معنی میں آئے ہیں اور اس حیثیت سے ہم معنی ہیں اس  
 لیے ڈھالوں کا ادج اور بر بھیڑوں کا دور کہنے سے معنی میں کوئی فرق نہ پڑتا۔ مگر ان کے حقیقی  
 معنوں کے اعتبار سے ڈھالوں کے لیے وہ زور اور بر بھیڑوں کے لیے 'ادج' لائے ہیں، جو انتخاب الفاظ  
 میں ان کی باریک بینی کا بین ثبوت ہے۔

نیچے سے دو ٹپے آل محسنہ برہنہ سر  
 نیچے کولے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر<sup>(۱۰۹)</sup>  
 غم کی بھری چلی جگر چاک چاک پر  
 نیچے سے ملقت تھے شہ آساں سریر  
 مارا جو مین بجال کا اس بے حیالے تیر<sup>(۱۱۰)</sup>  
 ترپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی  
 جس دم ترپ کے مر گیا وہ طفل شیر خوار  
 نیچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار<sup>(۱۱۱)</sup>  
 دامن میں رکھ لے جو جنت علی کی ہو  
 یہ کہہ کے آئے فوج پہ تو لے ہوئے حمام  
 زیب بدن کیے تھے بعد عز و احشام<sup>(۱۱۲)</sup>  
 حمزہ کی ڈھال تیغ شہ لافنا کی تھی  
 رستم تھا دروغ پوش کہ پاکھر میں راہوار  
 کیا خوش نا تھا زین طلا کا رو نقرہ کار<sup>(۱۱۳)</sup>  
 خوش خوش تھا ناز ناد تھا دل نہ راہ تھا  
 اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانہ نوہر  
 منہ سے ملے جو ہونٹ تو جو نکادہ سیبر  
 بھٹلایا حسین نے زانوے پاک پر  
 تھا اس طرک کیں میں بن کا ہن شیریر  
 بس دفنا نشانہ بنی گھر دن صغیر<sup>(۱۱۴)</sup>  
 معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی  
 پھوٹی سی قبر تیغ سے کھو دی بہ حال زار  
 لے لے خاک پاک حومت ہماں نگاہ دار<sup>(۱۱۵)</sup>  
 دولت ہو فاطمہ کی امانت علی کی ہو  
 آنکھیں کھلیں ہوتیں روئے سے چہرہ تھا کخ قام  
 پیرا ہن مہرہ پیغمبر انا م<sup>(۱۱۶)</sup>  
 بریں زرہ جناب رسول خدا کی تھی  
 جوار بردبار سبک رو دنا شمار  
 اکبر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار<sup>(۱۱۷)</sup>  
 شیریں بھی تھے دس بھی جو آدھ تھا

لے 'بھٹلانا' کی جگہ اب بٹھانا بولتے ہیں۔

سے کاہل کا بیٹا یعنی حولہ بویزیری لشکر کا ایک شاق تیر انداز تھا۔

تھے یہ مصرع فارسی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اسے پاک مٹی ہماں کی حومت کا خیال رکھنا۔

ملے خون کی سی سرخ تھیں۔

شہ تیرنار گھوڑا۔ جو اڑنے کے معنی قریب ہیں۔ کنی۔ فیاض۔ یہاں لفظ کا استعمال صنعت ایہام کی وجہ

ابھی مثال ہے۔

گرمی کا درد جنگ کی کیونکر کدوں بیاں دوسے کہ مثل شمع نہ جلنے لگے زباں  
 وہ لوں کہ لہزدہ حرارت کہ الاماں<sup>(۱۳۴)</sup> دن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں  
 آب خنک کے خلق خوشی تھی خاک پر گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر  
 وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب تاب کا لہا تھا رنگ دھوپ کے دن کا مثال شب  
 خود نہر طمس کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب<sup>(۱۳۵)</sup> نیچے جوتے جوتاں کے پتے تھے سب کے سب  
 اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا کھولا ہوا تھا دھوپ کے پانی فزات کا  
 بھیلوں میں چار پائے ڈاٹھتے تھے تابہ شام مسکن میں پھلیوں کے سمندر کا تھا مقام  
 آہو جو کاٹھے تھے تو چیتے سیاہ نام<sup>(۱۳۶)</sup> پتھر گھیل کے رہ گئے تھے مثل موم خام  
 سرخی اڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ پانی کنودوں میں ترا تھا سائے کی چاہ سے  
 کوسوں کسی شجر میں گل تھے نہ برگ و بار ایک ایک نخل بل رہا تھا صورت چنار  
 ہلنٹا تھا کوئی گل نہ اٹکتا تھا سبزہ زار<sup>(۱۳۷)</sup> کاٹا ہوا تھی سوکھ کے ہر شاخ بار داد  
 گرمی یہ تھی کہ نہایت دلی سب کے نہر تھے یہ تھی مثل چہرہ مدوق زرد تھے

لے گرمی اور تیش نہایت شدید گرمی۔ لکھ دھوپ سے چہرے کا رنگ کالا ہو جاتا ہے۔ یہ دھوپ اتنی  
 تیز تھی کہ دن کا روشن چہرہ رات کی طرح کالا ہو گیا۔ لکھ دریاے فزات کی ایک شاخ کا نام۔  
 لکھ گرمی کی شدت سے پانی آگ ہو گیا تھا۔ اس لیے اس میں پھلیوں کی جگہ سمندر رہنے لگے تھے۔ سمندر  
 ایک جاؤ رہو جو آگ سے پیدا ہوتا ہو اور آگ میں ہی رہتا ہو۔  
 لکھ کالا کی بجائے سست۔ مختصراً، ٹھکا ماندہ۔ یہ لفظ خیر ہرن کی اس کیفیت کے لیے آتا ہو جو گرمیوں میں  
 دھوپ کی شدت سے اس پر طاری ہو جاتی ہو۔ یہ لفظ ایک مدت تک متصل رہنے کے بعد اب معرک  
 ہو گیا ہے۔ ذیل کے شعروں سے اس کا مفہوم واضح ہو جاتا ہو۔

کابلان کو کھجے اُسے چپ بیٹے رہے کچے سننے کو ذرا بار داری کر گئے۔ - بکھر  
 گرمی دھوپ کی شدت سے آہو کا ہلا ہو جاگا۔ - شمع خام  
 گرمی میں نہیں ہے شوخی بکشم یہ دھوپ سے کا ہلا ہرن ہے۔ - شاد گھنوی پر زبر  
 لکھ ایک بہت اونچا اور پھیلا درخت جس کے پتوں کا رنگ خواں کے موسم میں سرخی مائل ہو جاتا ہے۔  
 لکھ سب ایسے تھے جسے اس تشبیہ سے پتوں کی زردی کے ساتھ ان کی انتہائی پشیمانی کا بھی تصور ہو جاتا

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جاوڑا  
جگل میں پھپھتے پھرتے تھے طائر اودھ  
مردم تھے سات پردوں کے اندر قرق میں قر (۱۱۸)  
خس خاند مرزہ سے نکلتی نہ مقلی نظر  
گوچشم سے نکل کے ٹھہر جانے راہ میں  
پڑ جائیں لاکھ آبلے نگاہ میں  
شیراٹھتے تھے نہ دھوپ کے مانے کچھارے  
آئینہ تہر کا تھا مکتہ رعبارے (۱۱۹)  
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے  
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر  
گرداب پر بھٹا شعلہ جو آگ کا گال  
انگلے تھے حباب تو پانی شر و نشاں  
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان (۱۲۰)  
تہ پر تھے سب ہنگ مگر مقلی لبوں پہ جاں  
پانی تھا آگ گوئی رود و حساب مقلی  
آئینہ فلک کو نہ تھی تاب تب کی تاب  
پچھنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب  
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب (۱۲۱)  
کافور صبح دھوڑھتا پھرتا تھا آفتاب  
بھڑکی تھی آگ گہند چرخ اشیش میں  
اٹل دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شام  
میں دھوپ کے اٹھتے تھے دم بدم (۱۲۲)  
ادو سے تھے لب زبان میں کانے مگر میں خم  
بے آب تیسرا تھا جو دن سیہان کو  
ہوتی تھی بات بات میں سکنت زبان کو

لے اس مصرعے میں صنعت اوج ہو یعنی اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک اس طرح کہ مردم سے آنکھ کی تیلی اور پردوں سے آنکھ کے پردے مراد لیے جائیں دوسرے اس طرح کہ مردم سے آدمی اور پردوں سے وہ پردے مراد لیے جائیں جو دھوپ کی تابش سے بچنے کے لیے ڈالے جاتے ہیں۔ لے گھوڑا جو اچھڑکھاتا ہوا چلا۔ لے اسناد راج کا مالک ہے جس کو غلو کہتے ہیں۔ مگر طاعت سے خالی نہیں۔ لے افاقت کشمیری ہے۔ مجمع میں سفیدی اور شعلہ ہوتی ہو۔ کافور بھی سفید اور تاثیر کے اعتبار سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔ لے کوہ نار۔ آگ کا کوہ۔ شیردہ آگ جو چار عنصروں میں سے ایک ہے۔ لے کوہ ہوا کا دھلی حصہ جو بے حد سرد ہے۔ لے مقلی کے لفظی بیان سے کلام کا مسئلہ ٹوٹ گیا تھا اس کو شاعر نے مصرعہ کو کس خوبصورتی سے جوڑ دیا ہے۔

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب شہسوار آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے تھے تپا  
پیتے تھے تب تھر پرند آگے بے شمار <sup>(۱۲۳)</sup> سقے زمیں پہ کرتے تھے پھر کاؤ بار بار  
پانی کا دھام دود کو پلانا ثواب تھا ایک ابن فاطمہ کے لیے غطاب تھا  
سر پر لگائے تھے پیر سعد چترور خادم کئی تھے مرد و عورت جنباں ادھر ادھر  
کرتے تھے آب پاش مکر زمیں کو تر <sup>(۱۲۴)</sup> فرزند فاطمہ نہ تھا سایہ شجر  
وہ دھوپِ شست کی وہ جلالِ فنا کا سونگا گیا تھا رنگ مبارکِ جناب کا  
کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسمانِ جناب بیعت جو کج ہے اب بھی تو حاضر ہو جامِ آب  
فرماتے تھے حسین کہ ادخا نماں خراب <sup>(۱۲۵)</sup> دریا کو خاک جانتا ہے ابن بو تراب  
فاسق ہر پاس کچھ تھے اسلام کا نہیں آب بھا ہواب توئے کام کا نہیں  
کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیل چاہوں تو سلبیش کو دم میں کروں سبیل  
کیا جامِ آب کا مجھ تو دے گا او ذلیل <sup>(۱۲۶)</sup> بے آبرو بنیشِ ہستم گر، دنیٰ بنخیل  
جس پھول پر پڑے تر سایہ بوند سے کھلوئے نقد تو تو بھی رگ ہو نہ دے

لے گھر بواور جنگلی جانور یعنی ہر طرح کے جانور۔ یہ دونوں لفظ بالعموم ایک ساتھ استعمال کیے  
جاتے ہیں۔ لے نکھلا بلانے یا بھلنے والا۔ لے زمین پھرنے والے۔ لے بیعت کرنا۔ کسی کو اپنا  
ذہبی یا روحانی پیشوا قرار دینے کے لیے مقررہ رسم ادا کرنا۔ لے آب حیات جس کے پینے سے آدمی  
ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ لے حضرت ابراہیم پیغمبر کا لقب خلیل اللہ تھا یعنی اللہ کے دوست۔  
خوان خلیل یعنی حضرت ابراہیم کا دسترخوان۔ آپ بڑے ہمان نواز تھے۔  
لے بہشت کا ایک چشمہ۔ سبیل اور سبیل میں تحنیں غنیل ہے۔  
لے کینہ، اور دوس بالعموم غنیل کے معنی میں بولا جاتا ہے۔  
۹ حقیر۔ ذلیل۔



گوچم کا نام لئی تو ابھی جام لے کے آئے کوثر یہیں رسول کے احکام لے کے آئے  
 روج الالیں زمین پہ مرا نام لے کے آئے <sup>(۱۲۸)</sup> لشکر ملک کا فوج کا پیغام لے کے آئے  
 چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو اٹھے زمین یوں کہ کوثر نہ شام ہو  
 فرما کے یہ نگاہ جو کی سوے ذوالفقار تھرا کے پھیلے پاؤں ہٹا دے ستم شعار  
 مظلوم پر صفوں سے چلے تیرے شمار <sup>(۱۲۹)</sup> آواز کو شہسوار حرب ہوئی آسمان کے پار  
 نیزہ اٹھا کے جنگ پر اسوار تہل گئے کالے نشان سپاہ سہ رو میں کھل گئے  
 وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا غروش کر ہو گئے تھے شور سے کہ دیوں کے گوش  
 حقرا نی یوں زمین کہ اڑے آسمان کے ہوش <sup>(۱۳۰)</sup> نیزہ ہلا کے نکلے سوار ان درخ پوش  
 ڈھالیں تھیں یوں نثر تہ سوار ان شوم صحرائیں جیسے آئے کھٹا جھوم جھوم کے  
 تو پڑھ کے چند شعر رجز شاہ دیں بڑھے گیتی کے مقام لینے کو روج الالیں بڑھے  
 مانند شیر تو کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے <sup>(۱۳۱)</sup> گو یا علی اٹھتے ہوئے آستین بڑھے  
 جلوہ دیا جری نے عروس مصاف کو شکل کشا کی تیغ نے بھوڑا غلات کو  
 کاشٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ نو جدا جیسے کنار شوق سے ہو خوب رو جدا  
 ہمتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا <sup>(۱۳۲)</sup> سینے نے دم جدا دک جاں سے ہو جدا  
 مگر جا جو عہد ابر سے بجلی نکل پڑی محل میں دم جو کھٹ گیا ایلی نکل پڑی  
 آئے حسین یوں کہ عقاب آئے جس طرح آہو پہ شیر شہزادہ غالب آئے جس طرح  
 تابندہ برق سوے سحاب آئے جس طرح <sup>(۱۳۳)</sup> دوڑا فرس نیشب میں آب آئے جس طرح  
 یوں تیغ تیز کو ند گئی اس گودہ پر بجلی ترپ کے گوتی پر جس طرح کوہ پر

بجسے ان کی تیغ کوئی کے سلطان دیں بڑھے

اے ایران کا ایک قدر عظیم نشان بادشاہ اس کے پاس ایک جام تھا جس میں مادی دنیا دکھائی دیتی تھی  
 اور اسی بنا پر اس کو 'جامِ جاں' کہتے ہیں۔ اے طبل جنگ، جنگ کا نفاہ، نفاہ بجا کہ جنگ شروع کرے  
 کا اعلان کیا جانا تھا اے اشکوں کو مل کرنے والے یہ صفت حضرت علی کے لیے مخصوص ہے۔  
 کئے تلوار کا میان سے خون ناک، غصہ دور، نے جنگ۔

گھومی میں برق شیخ جو چکی شرہ اڑے      جھونکا چلا ہوا اکا جوسن سے تو سراڑے  
 پر کالہ سپر جو ادھر اور ادھر اڑے <sup>(۱۳۲)</sup>      روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پڑاڑے  
 ظاہر نشان اسمِ عریمت اتر ہوئے      جن پر علی کھانقا وہی پو پڑے  
 جس پر چلی وہ تیغ دو پار اکھیا سے      کھینچے ہی چار ٹکڑے دو بار اکھیا سے  
 واں ہتھی جدھر اجل نے اشار کیا اسے <sup>(۱۳۳)</sup>      سختی بھی کچھ پڑی تو گوار اکھیا سے  
 نادین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر      ٹوٹیاں زرہ کی بھری ہوئی تھیں زمین پر  
 آئی چمک کے غول پہ جب سر گر گئی      دم میں جی صفوں کو برابر گر گئی  
 ایک ایک قہر تن کو زمیں پر گر گئی <sup>(۱۳۴)</sup>      سیل آئی زور شور سے جب گھر گر گئی  
 آپہنچا اسکے گھاٹ پہ جو مکر رہ گیا      دریا ہو کا تیغ کے پانی سے بہہ گیا  
 اس آب پر یہ شعلہ فغانی خدا کی شان      پانی میں آگ میں پانی خدا کی شان  
 خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان <sup>(۱۳۵)</sup>      استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان  
 لہرائی جب اتر گیا دریا چڑھا ہوا      نیروں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا  
 قلب و جناح و مہینہ و مسیّرہ ستاہ      گردن کشان امت خیر اور امتباہ  
 جنباں زمیں صفیں تہ و بالا پر اتباہ <sup>(۱۳۶)</sup>      بے جان جسم روح مسافر سر اتباہ  
 بازو بند ہو گیا بھڑکے اکھر گئے      فوجیں ہوئیں ستاہ محلے اجر طگے

لے ایسا نام جس میں دعا تو نیک کا سا اثر ہو۔ شہ پر اور سپر میں تجنیس رائد ہے۔  
 شہ چمک۔ بارڈر۔ تیزی۔ شہ پہلے مصرع میں جو تعجب کی بات بیان کی گئی تھی وہ اس مصرع میں  
 اس سے زیادہ حیرت انگیز رہائے میں کہی گئی ہے۔ شہ ٹھہرا ہوا پانی۔  
 شہ فوج کا درمیانی حصہ۔      بے سپاہیوں کا دستہ جو فوج کے آگے رہتا ہے۔ فوج کا بازو  
 شہ فوج کا دہانہ بازو۔      شہ فوج کا بایاں بازو۔

اشرری تیزی و برش اس شعلہ جنگ کی چکی سوار پر تو خبر لائی تنگت کی  
 بیاسی فقط ابو کی طلب گار جنگ کی <sup>(۱۳۸)</sup> حاجت نہ سان کی تھی اسے کچھ نہ رنگ کی  
 خوش فلک لاشوں سے نقل کو بھرتی تھی سوار دم میں گنج پر چڑھتی اترتی تھی  
 تیغ خواں تھی گلشن ہستی سے کیا اُسے گھر جس کا خود اجر دیا ہستی سے کیا اُسے  
 وہ حق نا تھی کفر پرستی سے کیا اُسے <sup>(۱۳۹)</sup> جو آپ سر بلند ہو ہستی سے کیا اُسے  
 کہتے ہیں راستی ہے وہ خم کے ساتھ ہو تیزی زباں کے ساتھ بڑھ کے ساتھ ہو  
 سینے پہ چل گئی تو کیلجہ لہو ہوا گویا جگر میں موت کا ناخن فرد ہوا  
 چکی تو الامان کا غل چار سو ہوا <sup>(۱۴۰)</sup> جو اس کے صفحہ پہ آگیا بے آبرو ہوا  
 دکھتا تھا ایک اندس سے نہ پانچ سے پہر سیاہ ہو گئے تھے اسکی آنچ سے  
 کچھ کچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی چکی تو اُس طرف ادھر آئی وہاں چلی  
 دونوں طرف کی فوج پجاری کہاں چلی <sup>(۱۴۱)</sup> اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی  
 منہ کس طرف ہو تیغ زوں کو خبر نہ تھی سر گڑھے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی  
 دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوکے تھے جاں ہاتھ گردن سے سر الگ تھا جدا تھے عناں سے ہاتھ  
 توڑا کھی جگر کھی پھید اسناں سے ہاتھ <sup>(۱۴۲)</sup> جب کٹ کے گڑ پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ  
 اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ پھپھانے کو ہاتھ دس رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو  
 اشر رے خوف تیغ شدہ کائنات کا زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا  
 دریا پہ تھا یہ حال ہر اک بد صفات کا <sup>(۱۴۳)</sup> چارہ زار کا تھا نہ یار اثبات کا  
 غل تھا کہ برق گرتی ہو برقع پوش بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

لے ہمہ میر لے بھاگنا۔

لے مکت۔ طاقت۔ لے ٹھنڈا۔ اپنی جگہ پر قائم رہنا۔

ہر چند پھلیاں تھیں زہ پوش سرسبز      منہ کھلے بھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر ادھر  
 بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی پر      تھے نہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگ  
 دریا نہ تھا خوف اس برق تاب کی      لیکن پٹے تھے پاؤں میں پھلے جا کے  
 آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آگئی      کاؤں میں الاماں کی صدا رن سے آگئی  
 دو کو کے خود زین پہ بوشن سے آگئی<sup>(۱۳۷)</sup>      کھینچتی ہوئی زمین پہ تو سن سے آگئی  
 بجلی گری بو خاک پہ تیغ جناب کی      آئی صدا زمین سے یا تو تراب کی  
 پس پس کے کشمکش میں کہاں دار مر گئے      چلتے تو سب چرھے رہے بازو اتر گئے  
 گوشے کئے کماؤں کے تیزوں کے پر گئے<sup>(۱۳۸)</sup>      مقل میں ہو سکا نہ مگر اور مر گئے  
 دھنست ہوش لٹے ہوئے تھے مرغ دم کے      سو فار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے  
 تیر انگلی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور      گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سواے گور  
 تار یک شب میں جن کا نشانہ تھی چشم مور<sup>(۱۳۹)</sup>      لشکر میں خوف جاں نے انھیں کر دیا تھا کور  
 ہوش اڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے      پیکار میں زہ کو رکھتے تھے سو فار جان کے  
 صفت پر صفیں پروں پہ پے پیش دس گوس      اسوار پر سوار فرس پر فرس گوس  
 اٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گوس<sup>(۱۴۰)</sup>      بجز یہ پیک پیک پہ مگر عیش گوس  
 ٹوٹے پرے شکست بنائے ستم ہوئی      دنیا میں اس طرح کی بھی افتاد کم ہوئی

لے بھلی کی طرح چکھنے والی۔ تلوار۔ تلے بازوؤں کے بوڑھے پھلے ہو گئے یا جگے سے ہٹ گئے۔ سو فار کا کھنڈہ۔  
 کھلے ہوئے منہ سے شاہ جوتا ہو۔ تلے سہم کے معنی فارسی میں خوف عربی میں تیر۔ سو فار اور سہم میں ایہام  
 تناسب ہوئے چیز نئی۔ تلے گراؤ کو دریں ایہام تناسب ہو۔ تلے پیکان کو سو فار کچھ کو اس میں کمان  
 کا چلہ رکھتے تھے۔ اس سے پاہیوں کی بدھوا سی ظاہر ہوتی ہو۔ تلے خبر پہنچانے والا جاہل۔ تلے قاصد۔  
 خط اور پیغام پہنچانے والا۔ پیادہ۔ ہرکارہ۔ تلے کوتوال۔ رات کو گشت کرنے والا۔ لشکر میں پہر دینے والا۔

تھتھے تھا شیر شرکہ صحراے کربلا      بھوڑے تھے گول سرول و ماوا تے کربلا  
 تیغ علی تھی معرکہ آرا اے کربلا <sup>(۱۴۹)</sup>      خالی نہ تھی سردوں سے کہیں جاے کربلا  
 بستی مہی تھی مردوں کی قریب لگاڑ تھے      لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے  
 غازی نے رکھ لیا تھا جو شیر کے تلے      تھی طرہ کشمکش فلک پیر کے تلے  
 چلے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے <sup>(۱۵۰)</sup>      پھپتی تھی سر جھکا کے کہاں تیر کے تلے  
 اس تیغ بے دریغ کا جلوہ کہاں تھا      سہمے تھے سب گوشہ امن اماں نہ تھا  
 چاروں طرف کمان کیانی کی وہ ترنگت      رہ رہ کے ابر شام سے وہ بارش خدنگ  
 وہ شور و شہسوز سابلق دسرنگت <sup>(۱۵۱)</sup>      وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ  
 پھنکتا تھا دشت کیں کی ٹل تھل پھین      اس دن کی تاب تب کوئی پوچھے حسین  
 سقے پکارتے تھے یہ شکلیں لیے ادھر      بازار جنگ گوم ہے ڈھلتی ہے دوپہر  
 پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر <sup>(۱۵۲)</sup>      مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گوتے تھے اہل شہر  
 کیا اگل لگ گئی تھی جہان خرابی      پیتے تھے سب حسین ترستے تھے آب کو  
 گرمی میں پیاس تھی کہ پھینکا جاتا تھا جگر      ان ان کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر  
 آنکھوں میں تھیں لٹی جو پڑی دھوپ پر نظر <sup>(۱۵۳)</sup>      بھپے ٹکھی ادھر کبھی حملہ کیا ادھر  
 کثرت عرق کے قطروں کی تھی دنگت      موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاکت

لے مکان - قیام کی جگہ - لے پناہ کی جگہ - لے اس طرح تلوار کی زد میں لے لیا تھا کہ پنج کو  
 نکل نکل تھا - لے بے رحم - بے خون - کسی کو نہ بھوڑنے والی - لے کمان کھینچنے کی آواز - کمان  
 کا کوکنا - لے زور کی آواز - چیخ - خود مٹا گھوڑے کی آواز - لے دو دنگا - بالخصوص میا ہد  
 سفید - لے لال رنگ کا گھوڑا - جس کی بال اور دم بھی لال ہوتی ہے -

پیر اب چھپے پھرتے تھے پیاسے کی جگاتے چلتی تھی ایک تیغ علی لاکھ رنگ سے  
 چمکی ۷۰ فرق پر تو نکل آئی تنگ سے (۱۵۴) رکتی نہ تھی پیر سے نہ آہن نہ تنگ سے  
 خالق نے سہ دیا تھا جب بے تاب کا خود اس کے سامنے تھا پھیر لا جا جا  
 سہمے میں تھے یوں کسی کو نہ تھی خبر پیکار کدھر ہو تیر کا سونہ ہے کدھر  
 مردم کی کشمکش سے کہاں کو تھا یہ ڈر (۱۵۵) گوشوں کو ڈھونڈتیں تھیں زمیں پر بھکائے سر  
 ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا سلیپر جس نے ہاتھ دکھاتے پیر نہ تھا  
 گھوڑے کی وہ تڑپ وہ جھک تیغ تیز کی سو سو صفیں کچل گئیں جب جہت و خیز کی  
 لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت سنبھلنے کی (۱۵۶) تھی چار سمت دھوم گریز آگیز کی  
 آری جو ہو گئی تھیں ذب الفقار سے تینوں نے منہ پیرا لے تھے کارزار سے  
 گھوڑوں کی جہت بغیر سے اٹھا عیار زرد گردوں میں مثل شیشہ ساعت بھری تھی گود  
 تو دہنا تھا خاک کا میناے لا جو رتہ (۱۵۷) کوسوں سیاہ دتا تھا سب دادی نبرد  
 پہناں نظر سے گزرتی فروز تھا ڈھلتی تھی دو پہر نہ شب تھی نہ روز تھا  
 اندری لڑائی میں شوکت جناب کی سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی  
 سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی (۱۵۸) تصویری ذوالجناح پہ تھی بو تراب کی  
 ہوتا تھا غل جو کرتے تھے لڑائی میں بھاگو کر شیر گونج رہا ہے ترائی میں

نہ جگاتے ہیں یہ سر

سہ تلوار کی دھار۔ سہ کمان کا چلہ۔ سہ جگ۔ لڑائی۔ سہ بھاگا بھاگ۔ بھاگو۔ سہ پرانے زمانے  
 میں وقت کا اندازہ کرنے کے لیے شیشے کا ایک آد ڈگڑھی کی شکل کا بننا تھا جس کے دونوں حصوں کے درمیان  
 میں ایک سوراخ ہوتا تھا اوپر کے حصے میں بالو بھری جاتی تھی جو آہستہ آہستہ درمیان سوراخ سے گزر کر ایک  
 گھڑی یا ایک گھنٹے میں بچے کے حصے میں پہنچ جاتی تھی پھر اس کو الٹ کر رکھ دیتے تھے اور اس طرح گھڑیوں یا گھنٹوں  
 کا شمار کرتے تھے یہ آد شیشہ ساعت کہلاتا تھا۔ سہ لا جو روی مٹی گھر سے نیلے رنگ شیشے کا گولا۔ مجازاً آئینہ آسمان۔  
 سہ آہن بنے گھوڑے چرب کا نام ذوالجناح تھا اس شان سے سوار تھے کہ حضرت علی کی تصویر معلوم ہوتے تھے۔

پھر تو یہ غل ہو اگر دہائی حسین کی      اشر کا غضب ہے لڑائی حسین کی  
 دریا حسین کا ہے ترانی حسین کی <sup>(۱۵۹)</sup>      دنیا حسین کی ہے خدائی حسین کی  
 بڑا بچا یا آپ نے طوفان سے نوح      ابے حم واسطہ علی اکبر کی روح کا  
 اکبر کا نام سن کے جسگر پر بھی سناں      آنسو بھرائے روک لی رہو اد کی عناں  
 مڑ کو پکارے لاش سپر کو شہ زماں <sup>(۱۶۰)</sup>      تم نے نہ دیکھی جنگ پند لے پرد کی جاں  
 قہیں تھائی روح کی یہ لوگ دیتے ہیں      لوٹ تو دو الفقار کہ ہم روک لیتے ہیں  
 چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد      اسے دافضیتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد  
 زیبا دلاوردن کو نہیں ہو خلافت وعد <sup>(۱۶۱)</sup>      اک پہلو اں یہ سنتے ہی گوجا مال وعد  
 نعرہ کیا کہ کوتا ہوں حلا امام پر      لے ابن سعد کھٹے ظفر میرے نام پر  
 بالاد و کلفت و تنو مند و خیرہ سر      ردین تن و سیاہ دردن آہنی کمر  
 ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل گا گھر <sup>(۱۶۲)</sup>      تیغیں ہزار ڈٹ گئیں جس پہ وہ سپر  
 دل میں بدی طبیعت بدیں بگاڑ تھا      گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر ہاڑ تھا  
 ساتھ اس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یل      آنکھیں کبود رنگ سے ابرو دں پہ بل  
 بدکارو بدشعار و ستم گارو پر د غل <sup>(۱۶۳)</sup>      جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکر دں کے دل  
 بھالے لیے کسے ہوئے کریں تیز پر      نازاں وہ ضرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر  
 کھنچ جائے شکل حوب وہ تدبیر چاہیے      دشمن بھی سب مقرر ہوں وہ تقریر چاہیے  
 تیزی زباں میں صورت شمشیر چاہیے <sup>(۱۶۴)</sup>      فولاد کا قلم دم بختیر چاہیے  
 نقشہ کھنچے گھاٹ صفت کارزار کا      پانی دوات چاہی ہے دو الفقار کا

لے ایک روایت ہو کہ جب حضرت نوح کی تین طوفان میں غرق ہوئے مگر تو آپ نے امام حسین کا واسطہ دے کر  
 دعا کی۔ دعا مقبول ہوئی اور تین غرقابی سے محفوظ رہی۔ لے اے فیضیت۔ دے دے رسوائی سے موٹا۔

بھرا۔ بے ڈول۔ لے جس کا بدن تیل کانے کا ہو یعنی نہایت مضبوط۔ لے مکار

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی ساونت بے حواس ہر اس داہنتی بلجی  
 ڈرتھا کہ لو حسین بڑھے تیغ اب چلی (۱۶۵) غل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر ادھر علی  
 کون آج سر بلند ہوا در کون پست ہو کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو  
 آواز دی یہ ہاتھ غیبی نے تب کہ ہاں بسم اللہ امیر عرب کے سرور جاں  
 بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہ زماں (۱۶۶) اٹھی علی کی تیغ دودم چاٹ کر زباں  
 داں سے وہ شور بخت بڑھا نہ ہار کے پانی بھر آیا غم میں ادھر ذوالفقار کے  
 شکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑے وہ بد نظر تھا آنکھوں میں آنکھیں ادھر گڑے  
 ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا برگڑ گڑے (۱۶۷) غصے میں آگے گڑے نے بھی دانت کھا گڑے  
 ماری جو ٹاپ ڈک کے بیٹے ہر عیس کے پاؤں ماسی پہ ڈنگا گئے گاؤں میں کے پاؤں  
 نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا د خود پسند شکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند  
 تیر و کماں سے بھی نہ ہوا کچھ وہ بہرہ مند (۱۶۸) چلے ادھر کھینچا کہ چلی تیغ سر بلند  
 وہ تیر کٹ گئے موجود آتے تھے نگ میں گوشے نہ تھے کہاں میں پکایا خذرتیں  
 ظالم اٹھا کے گوز کو آیا جناب پر طاری ہوا غضب خلف بو تراب پر  
 مارا جو ہاتھ پاؤں جھا کر کا ب پر (۱۶۹) بجلی گوی شقی کے سر پر عتاب ہے پر  
 بدلتا میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں ہاتھ اڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں  
 کچھ دست پاشچ ہو کے چلا تھا وہ نابکار پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار  
 واں اس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آب ار (۱۷۰) یاں سر سے آئی پشت کے نقروں پہ ذوالفقار  
 تیز تیغ تیز شہ نام دار کے دو ٹکڑے تھے سوار کے دورا ہوا کے

لے بات پر قائم رہنے والا بہادر لے طاقت ور لے وہ کائے جس کے سینک پر زمین قائم ہوا اور  
 وہ خود ایک بھلی کی بیٹھ پر کھڑی ہے۔ لے غصے سے بھرا ہوا۔ لے پیر حواس۔ گھبرا ہوا۔ سٹ پٹایا ہوا۔  
 لے ریڑھ کی ہڈیاں۔ گویاں۔



پھر دوسرے پہ گوز اٹھا کر پکادے شاہ کیوں ضرب ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ  
 سرشار تھا شراب تکبر سے رد سیاہ<sup>(۱۴۱)</sup> جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ  
 غل تھا اُسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے لود سرا شکا چلا منہ میں شیر کے  
 آتا تھا وہ کہ اسب شہ دیں پلٹ پڑا ثابت ہوا کہ شیر کو سنہ بھپٹ پڑا  
 تیغ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا<sup>(۱۴۲)</sup> ضربت پڑی کہ گبندہ دوار بھٹ پڑا  
 پیوند صدر زین جسد و فرق ہو گیا گھوڑا زمیں میں سینے تلک لگ ق ہو گیا  
 پر یوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں گھر شیروں سے دشت گھوٹ گئے بن اژدہوں سے  
 شاہین کبک چھپ گئے اک جا مانا کے سر<sup>(۱۴۳)</sup> اژدہوں سے جیروں میں دریا کے جانور  
 سبے پہاڑ سمجھ کو جو دامن سے ڈھانچے سیرغ نے گوا دیے پرکانہ پکانچے  
 آئی نڈا اے عینب کہ شبیر مر حبا اس باتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مر حبا  
 یہ آبرو یہ جنگ یہ تو قیر مر حبا<sup>(۱۴۴)</sup> دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مر حبا  
 غالب کیا خدانے تجھے کائنات پر بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر  
 بس اب نہ کو دغا کی ہوس اے حسین بس دم لے ہوا میں چند نفس اے حسین بس  
 گومی سے لاپتا ہو فرس اے حسین بس<sup>(۱۴۵)</sup> دقت ناز عصر ہے بس اے حسین بس  
 پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں اژدہام میں اب تمام چاہئے امت کے کام میں  
 بیگم کہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں لپٹی سیاہ آئی قیامت جہان میں  
 پھر سرکشوں نے تیر ملائے کسان میں<sup>(۱۴۶)</sup> پھر کھٹ گئے لپٹ کے پھر کے نشان میں  
 بیکس حسین ظلم شعاروں میں گھر گئے مولا تھا کے لاکھ سواروں میں گھر گئے

شیراز دوسرے پہ گوز اٹھا کر پکادے شاہ

لے شاہین باد کی ایک بہت عمدہ قسم ہے۔ باوجود کہ کو کچھ مار ڈالتا ہو لیکن خوف سے دونوں سر قند  
 بے حواس ہو گئے تھے کہ سر سے سرتاپے چھپے بیٹھے تھے۔ کلمہ میں حاضر ہوں۔ پکارنے، بلانے، طلب کرنے کا جواب  
 نہ دیا گئے کہ ارادے سے فوجی جھنڈوں کے پھر برسے لپٹ لیے تھے۔ اب جم کوڑنے کے خیال سے پھر کھولی ہے۔

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیسرے بھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر  
 پہلو کے پار بر پھیاں سینے کے پار تیسرے <sup>(۷۷)</sup> پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر  
 یوں تھے خدنگ نکل آہن کے جہنم جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جہنم  
 چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسین پر ٹوٹے ہوئے تھے بر پھیوں والے حسین پر  
 قاتل تھے خنجر دس کو نکالے حسین پر <sup>(۷۸)</sup> یہ دکھ نبی کی گود کے پالے حسین پر  
 تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا گرتے تھے اور بھالنے والا کوئی نہ تھا  
 لاکھوں میں ایک یکس دد گیر باہ باہ فرزند خاٹم کی یہ تو قیر باہ باہ  
 بھالے وہ اور پہلو سے شبیر باہ باہ <sup>(۷۹)</sup> وہ زہریں بھجائے ہوئے تیر باہ باہ  
 غصے میں تھے جو فوج کے کسر بھی گئے خالی کیے حسین پہ تر کش بھرے ہوئے  
 وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقت جنگ اک سنگ ل نے پاس سے مارا جس میں پہ رنگ  
 صدے سے زرد ہو گیا سبط نبی کا رنگ <sup>(۸۰)</sup> ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ  
 تھا گلہا جنانے ماتھے کو چھوڑ کے نکلا وہ تیر حلق مبارک کو توڑ کے  
 لکھا ہے تین بھال کا تھا نادک ستم ستم کھل گیا الٹ گئی گودن رکا جو دم  
 کھینچی سر لٹی گلے کی طرف سے بہ چشم نم <sup>(۸۱)</sup> بھالیں نکالیں پشت کی جانب ہو کے خم  
 ابلا جو خون نکلتا ہوا دم چھڑ گیا جلو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا  
 دشمن تھا شہ کا اور سلئی حدودے دیں سر پہ لگائی تیغ کو شق ہو گئی جبیں  
 ماری جگر پہ ابن انش نے سان کیں <sup>(۸۲)</sup> بھاگا گودا کے کو کھ میں بر بھی کو اک لعین  
 گھوڑے پہ ڈگ لگا کے جو حضرت آہ کی تھرا گئی ضریح رسالت پناہ کی

لے ڈٹنا اور ٹوٹ پڑنا، بہت سے آدمیوں کا ایک ساتھ کسی پر حملہ کر دینا لے تیر کا گور۔ وہ  
 تپلی لکڑی جس کے سر پر پکیاں لگا کر تیر بنائے ہیں لے تیر کی نوکیں۔ تیروں کے پھل۔ لے یزیدی فوج کا  
 ایک سپاہی۔ لے انس کا بیٹا۔ اس کا نام سنان تھا۔ لے قبر کے چاروں طرف کا کھڑا۔ مجازاً قبر۔

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ہو غضب      نکلی رکاب پائے مہر سے ہو غضب  
 پہلو شکافہ ہوا خنجر سے ہو غضب <sup>(۱۸۳)</sup>      غش میں بھکے عامر جو اس سر سے ہو غضب  
 قرآن رتل زمیں سے سرفرش جو پڑا      دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش جو پڑا  
 جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا      امت نے مجھ کو لوٹ لیا داغِ محمدؐ  
 اس وقت کون حق رفاقت کرے ادا <sup>(۱۸۴)</sup>      ہے یہ ظلم اود دو عالم کا مقتدا  
 انیس سو میں ختم تن چاک چاک پر      زینب نکل حسین تر پتا بو خاک پر  
 پردہ الٹ کے بنت علی نکلی منگے سر      لڑاں قدم خمیدہ کمر عزق غول جگر  
 چادروں طرٹ پکارتی تھی سر کو پیٹ کر <sup>(۱۸۵)</sup>      اسے کمر بلاتا ترا اتمان ہے کدھر  
 اماں قدم اب ٹٹھتے نہیں تشہ کام      پہنچا دو لاش پر مے بازو کو ختام کے  
 اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں گیا      لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ  
 سید کدھر تر پتا ہے اماں کدھر ہیں آہ <sup>(۱۸۶)</sup>      کس سمت ہو نبی کے نواسے کی قتل گاہ  
 شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے      یہ کون نام لیتا ہے میرا کو راہ کے  
 کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرٹ نہ آؤ      بس اب سفر قریب ہو اللہ گھر میں جاؤ  
 اب ڈوبتی ہو آل رسول حسدا کی ناؤ <sup>(۱۸۷)</sup>      یا مرقضی غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ  
 اب بھوڑ پوڑ دشت بلا میں حسین کو      یا فاطمہ چھپا لو ردا میں حسین کو  
 بنت علی تو پیٹتی پھرتی تھی منگے سر      کٹتا تھا زور چشم علی کا گلا ادھر  
 زینب کو منع کرتے تھے ہر چند اہل شر <sup>(۱۸۸)</sup>      لیکن وہ دوڑی جاتی تھی تھکے ہیں جگر  
 پہونچی قتل گاہ میں سوں کوئی کپڑا      دیکھا حسین کو نیزے کی نوک پر

۱۔ اس بیت میں امام حسین کا گھوڑے سے گزرتا میں اس طرٹ بیان کیا گیا ہے کہ  
 آپ کی عظمت و جلالت کا اظہار تو درجہ زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا محمد کی دعا ہے۔

نیز کے نیچے جا کے پکاری وہ سو گوار      سید تری لہو بھری صورت کے میں نثار  
 ہے ہے گلے پہ چیل گئی بھیا پھری کی دھار <sup>(۱۸۹)</sup>      بھولے ہن کو اسے اسد حق کے کردگار  
 صدے گئی لٹا گئے گھر و گھر گاہ میں      جنبش لبوں کو ہو ابھی ذکر آہ میں  
 بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو      چلا رہی ہے دختر حیدر جواب دو  
 سوکھی زباں سے بہر تیر جواب دو <sup>(۱۹۰)</sup>      کیونکر جسے گی زینب مضطر جواب دو  
 جز مرگ درد ہجر کا چارہ نہیں کوئی      میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی  
 بھیا میں اب کہاں سے تھیں لوں کیا کروں      کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں  
 کس کی دہائی دہوں کسے چلاؤں کیا کروں <sup>(۱۹۱)</sup>      بستی پر ائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں  
 دنیا تمام اجر لگنی دیر اند ہو گئی      بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا  
 ہو ہو تمھارے آگے نہ خواہر گھر گئی      بھیا بتاؤ کیا تہ خنجر گھر گئی  
 آئی صدانہ پوچھو جو ہم پر گھر گئی <sup>(۱۹۲)</sup>      حد شکر جو گھر گئی بہتر گھر گئی  
 سرکٹ چکا ہیں تو ازم سے فراغ ہو      گھر تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہو  
 گھر لٹنے کو آئی اب فوج ناپہ کار      کیونکہ کچھ زباں سے بجز شکر کو دکار  
 نیچے میں جبکہ آگ لگا دیں ستم شعار <sup>(۱۹۳)</sup>      رہیو مری یتیم مسکینہ سے ہوشیار  
 بیزار ہو وہ خستہ جگر اپنی جان سے      باندھے نہ کوئی اس کا گلزار سیان سے

لے دھڑے کی جگہ ایک روایت ہے کہ امام حسین نے یحییٰ میں اپنے نانا حضرت محمدؐ نے ان کی امت  
 کی نجات کے لیے اپنا سر دینے اور ہر طرح کی مصیبتیں بھیلے کا وعدہ کیا تھا جس کو میدان کو بلا میں  
 پورا کیا۔ اس لیے وعدہ گاہ سے کو بلا مراد ہے۔

کہ اس روایت سے انتہائی مجبوری و بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔

بس لے انیس ضعف لڑاں ہے بند بند عالم میں یادگار ہیں گے یہ چند بند  
 نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا نبلش بند<sup>(۱۹۴)</sup> عالم پسند لفظ ہیں سلطان پسند بند  
 یہ فصل اور یہ بزم عشر ایا دگار ہے  
 پیری کے دولے ہیں خواں کی بہار ہے



کس زیت پیل مال و اسباب کریں کیوں زر کی ہوس میں دل کو بیتاب کریں  
 اک پارہ ناں کے لیے لا حول ولا اس گو ہر آبر و کو بے آب کریں

دل نے غم بے حساب کیا دیکھا آنکھوں نے جہاں ہیں خواب کیا کیا دیکھا  
 طفلی و شبابے شیب و رنج و راحت اس عمر میں انقلاب کیا کیا دیکھا

کہہ دے کوئی عیب جو سے سرگوشی میں ڈھنپ جلتے ہیں سب عیب خطا پوشی میں  
 دامن ہے چراغ فکر کو جنبش لب یہ شمع ضیا دیتی ہے خاموشی میں

سینے میں یہ دم شمع محسوس گاہی ہو جو ہے اس کا رواں میں وہ راہی ہے  
 پیچھے کبھی قافلے میں رہتا نہ انیس اسے عمر دراز تیری کوتاہی ہے

# سلام

خود نوید زندگی لائی تقنا میرے لیے ۱۱ شمع کشتہ ہوں فنا میں ہو بقا میرے لیے  
 زندگی میں تو نہ اک دم خوش کیا ہنس ل کر آج کیوں روتے ہیں تھے آشنا میرے لیے  
 کنج عزت میں مثال آیا ہوں گوشہ گیر رزق پہنچاتا ہو گھر بیٹھے خدا میرے لیے  
 تو سراپا اجر لے زاہد میں سرتاپا گناہ باغِ جنت تیری خاطر کر بلا میرے لیے  
 کہتے تھے شہِ سخت ہو شیخِ دگلو کا مرحلہ یہ بھی مشکل سہل کو دے گا خدا میرے لیے  
 آبرو مال و فرزند ان صاحبِ عزت دجا کس کی خاطر یہ ہوا جو کچھ ہوا میرے لیے  
 بھر دیا دامن کو مولانے درمقصود ہے زردیا زرد پر عطا پر کی عطا میرے لیے  
 نام روشن کو کے کیونکر بھنہ جاتا مثلِ شمع ناموافق تھی زمانے کی ہوا میرے لیے  
 بفرس آئینہ دل سے یہ آتی ہے صدا خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جلا میرے لیے  
 بھیج دے جنت میں یا دوزخ میں ان مجرم تو ہوں تو ہو عادل جو مناسب ہو سزا میرے لیے  
 لے ہو س اپنی اپنی قیمت اس میں رشک کیا کیمیا تیرے لیے خاک شفا میرے لیے

خاک کو ہو خاک کے اُلفت تڑپتا ہوں نہیں

کر بلا کے واسطے میں کر بلا میرے لیے

رنجِ دنیا سے کبھی چشمِ اپنی نم رکھتے نہیں (۲) جو غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

اے یہ معرعہ اس فانی شو کے دوسرے معرعے کا ترجمہ ہے۔

چونکہ نفی اثبات است از مردن فی حرم بقائے میں چرخ کشتہ باشد وہاں سے

لے عباد لے لوگ جب آیتِ تطہیر نازل ہوئی تو رسول نے علیؑ فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ کو اپنی عبا کے اندر لے لیا اور  
 کہا کہ خداوند ایسی ہی اہلیت میں تو ان کو پاک کرادے ان پر اپنی رحمت نازل کر۔ آلِ عبا سے یہی چاروں حضرات

کرادے ہیں۔

کہ بلا پہنچے زیارت کی ہیں پردا ہو گیا  
 در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے  
 دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر  
 کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علی کے شیر ہیں  
 دھویے اشکوں نے دفتر سے تمام اعمال نشت  
 جو سخی ہیں ان دنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ  
 جو مقرر ہے وہ ملتا ہے تری سر کا دسے  
 زور سے اس کے لیا ہو ہم نے میرا ن سخن  
 یہ دوات و خامہ ہو ملک فصاحت کا نشان  
 نقد یاں تمکے کے ہم جاتے ہیں ان وقت کو چ  
 ایک شکل توکل ایک نقد جاں ہے پاس  
 کہتے تھے سجاد کھینچ سکتی نہ بھینچیں جب بریاں  
 اب ادم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں  
 سر جہاں گئے ہیں سب ہم ادا قدم رکھتے نہیں  
 آج ٹھوکیں زمین پر جو قدم رکھتے نہیں  
 جب ٹھکتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں  
 ہم تری پردا کچھ اس ابر کو کم رکھتے نہیں  
 اہل دولت جو ہر دست کو کم رکھتے نہیں  
 ہم میں صابکچہ خیال بیش و کم رکھتے نہیں  
 اور نیرد ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں  
 کون کتا ہو کہ ہم طبل سے علم رکھتے نہیں  
 عاریت جو شے ہو اس کو پاس ہم رکھتے نہیں  
 ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں  
 کیا کروں اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں

مرغیہ اک دن میں کیا سب کدے کا ٹھوگے آئیں

ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

نمود و بود کو مائل حساب سمجھے ہیں (۳) وہ جا گئے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں  
 کبھی برا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا ہر ایک ذمے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں  
 کویم مجھ کو عطا کر وہ فقر و فاقہ میں کہ جس کو فقر رسالت تاب سمجھے ہیں  
 بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نان خشک کو وہ اس آبر و کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

لے اس شعر میں کو بلا کی زیارت کا شرف اور ایک ذرا کر بلا کا استغناء دکھایا گیا ہے۔ میرا نہیں نے خود  
 کو بلا کی زیارت نہیں کی تھی۔ بلکہ نقادہ اور نشان جو شاہی کے لوازم ہیں۔ بلکہ اس شعر میں رسول  
 کے اس قول کی طعن اشارہ ہے اَلْفَقْرُ فَرَحٌ یعنی فقری میرا فخر ہے۔

ابو تراب کے دکا ہے ذرہ بے قدر ہم آسماں پہ جسے آفتاب سمجھے ہیں  
 اسے نہ آئی دنیا سے دلوں کے دھوکے میں سراب ہو یہ جسے موج آب سمجھے ہیں  
 یہ اشک تاک ہو کتے ہیں جن کو آبِ لبس یہ خون گل ہو جسے سب گلاب سمجھے ہیں  
 شباب کھیر کے بھی غفلت وہی ہو پیروں کو سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں  
 خدا کی راہ میں ایذا سے جن کو راحت ہے زمینِ محوم کو وہ فرشِ خواب سمجھے ہیں

انیس نخل و دیبا سے کیا فقیروں کو

اسی زمین کو ہم فرشِ خواب سمجھے ہیں

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے دم، کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے  
 نہ روئے میٹوں کے غم میں حسین وادہ صبر یہ داغِ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے  
 کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے  
 حسین کہتے تھے سونے کو پاؤں پھیلا کر سوائے قبر کوئی ادا جسا نہیں رکھتے  
 سوائے کوثر و نسیم خلد و باغ بہشت یہ اشک ہیں وہ گھر جو بہا نہیں رکھتے  
 قناعت و گھر و آبر و دولت دیں ہم اپنے کیسے خالی میں کیا نہیں رکھتے  
 فشارِ قبر کا ڈر ہو تو ان کو ہو جو لوگ کفن میں صرّہ خاک شفا نہیں رکھتے  
 ہمیں تو دیتا ہو رازق بغیر منت خلق وہی سوال کس جو خدا نہیں رکھتے  
 فقیر دوست جو ہم کو سرسبز از کوئے کچھ اور فرشِ بحرِ بوریا نہیں رکھتے  
 ہم حسین کے داغوں سے دل کو دردِ شوق خیرِ محمد کے اندھیرے کی کیا نہیں رکھتے  
 مسافرِ شبِ اول بہت ہے تیرہ و تار چراغِ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

لے لے گا ہمارا دل کی قبر تنگ ہو کر اس کو دباتی ہے۔ اس کو فشارِ قبر کہتے ہیں۔

گلے نوبھائی کی پھوٹی سی پوٹلی۔



خدا نے آیہ تطہیر میں کو بھیجا تھا  
 سکینہ کہتی تھی کیونکہ دم گھٹے اماں  
 فلک پہ شور تھا کٹا ہو ملن پاک رسول  
 بہاد آں نبی کیا بچے تباہی سے  
 گلوے صغر معصوم و تیر و ایتھو بلا  
 فقط حسینؑ پہ یہ نفس رقبہ پڑا ورنہ  
 انیس پنج کے جاں اپنی ہند سے ٹکرو  
 جو توشہ صغیر کو بلا نہیں رکھتے

اسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گو دیکھا (۵)، اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا  
 علیؑ کو حق نے اتارا تو عین کعبے میں کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا  
 بروذ عید بھی آیا جو کوئی ملنے کو غم حسینؑ میں عابد کو نور گو دیکھا  
 قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کو تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا  
 سحر ہوئی شب معراج کی تو لوگوں نے جہاں پاک رخ سید البشر دیکھا  
 کہا یہ سب نے غلاموں سے کھجے ارشاً جو کچھ حضورؐ نے یا شاہ بحر و برد دیکھا  
 گھر شاں ہوئے لعل لب رسول کریمؐ کو سب سے رتبہ حیدر زیادہ تر دیکھا  
 دہلے کسی وعرش عظیم و لوح دستلم دسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گو دیکھا  
 دلی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہنچے علیؑ نظر آئے جدھر جدھر دیکھا

۱۔ قرآن کی یہ آیت اِنْعَامًا يَرْزُقُهَا اللَّهُ يَذَرُهَا حَيْثُ يَشَاءُ لَكُمْ لِرِجْسٍ اَخْلَلْنَا بَيْتًا وَنُطْفِئُكَ تَطْفِئُهَا  
 یعنی خدا پھرتا رہتا ہے کہ تم اہل بیت کے پاس اس کو رکھو گے اور تم کو پاک و پاکیزہ کرے۔ اس آیت میں رسول کے اہل بیت  
 سے خطاب ہے۔ ۲۔ انتہائی افسوس کا کہ جسے عبادت کرنے والا۔ امام حسینؑ کے ایک صاحبزادے کو کو بلا کی  
 جنگ میں باقی رہ گئے تھے ان کا نام علیؑ تھا جس کی عبادت کی کثرت کی وجہ سے مایہ بھلا دوزخ اہل بیت کے ہلاتے ہیں

کسی کی ایک طرح پر سب ہوئی نہ انیس  
عروج نہ بھی دیکھا تو دو پہر دیکھا

عمر شہ کا جس نے بیاں کر دیا (۶) ان آنکھوں نے دریا رواں کو دیا  
گھٹا زور شق سخن بڑھ گئی  
سبک ہو چلی تھی ترازدے شعر  
مری ستر کو اسے زمین سخن  
نکھی شہ کے خال معبر کی مدح  
زہے شفقت سبط خیر الودع  
کوئی جانتا بھی نہ تھا حُر کا نام  
کہاں ایک ذرہ کہاں آفتاب  
گھٹا منکر میں جسم شل قلم  
نہ کی آہ کچھ عمر رفتہ کی ستر  
نہ دیکھی گئی شہ سے اصغر کی لاش  
ہوئے دفن اکبر تو چلائی ماں  
چھپانے لگے ہم سے صفحہ قبر میں  
جو پو بھی علم دار نے جاے قبر  
نوا سنجیوں نے تری اسے انیس

ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

سدا ہے منکر ترقی بلند کچھوں کو (۷) ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

لے ذی حجلہ بہت والا بلند خیال

لے شاعر کی اصطلاح میں وزن، قافیہ اور مدح کا مجموعہ۔

پر عین درد و نہ کیوں دیکھ کر حینوں کو  
 لہر میں سوئے ہیں پھوڑا ہوشہ نشینوں کو  
 یہ بھر پال نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے  
 نگار باہوں مقنا منہ نو کے پھر انبار  
 بجا ہے اس لیے اکبر سے تھا حسین کو عشق  
 غضب ہو اہل ستم اس میں جا میں دراند  
 غظ میں پھرتی ہو وہ تیرگی وہ تنہائی  
 و شر کو چاہئے دنیا میں اسکے حسن سے عشق  
 غلط یہ لفظ وہ بندش بری یہ مغفوں سست  
 لگا دغا میں ٹپکنے لہو جو قبضے سے  
 وہاں کیسے زربند رکھ پر اسے منعم

نہ کہاں کہاں سے ملے۔ نہ حین پکے لگے اکبر سے کیوں نہ ہو بھٹے نشین

خیال خاطر اجاب چاہیے ہر دم  
 انیس نہیں نہ لگ جائے آگینوں کو

علی سامی نہ کوئی عادل زمانہ ہوا      کو ایک باؤد کو بوتر کا آشیانہ ہوا  
 سیاہ دیدہ شبیر میں زمانہ ہوا      ہواے ظلم سے جب گل چراغ خانہ ہوا  
 امیر حسن درود دولت پہ اک زمانہ ہوا      وہ گھر اجڑ گیا غارت وہ کا درخانہ ہوا

لے باو شاہ کے بیٹے کی جگہ۔ پرانے طرک کے کاؤں میں صدر والاں کے بعد ایک دوسرا والاں کی کوئی بن چلاو  
 فٹ اوچی ہوئی ہو۔ لے میر تقی میر لے اس مضمون کیوں ادا کیا تھا

ہاتھوں پہ یہ پھر پاں نہیں ہیں      پیری جائے کو جن رہا ہے

لے اس قول کی طرف اشارہ ہو۔ اللہ جلیل و جہت الجہال۔ یعنی خدا حسین پر لڑے جس کو دست دکھائی ہو۔  
 لے میں حضرت علی کے بدل کا یہ تو یہ ہو اگر ظالم نے ظلم کو نہ تو کو دیا اور ظالم کو ظالم کا خون باقی نہیں رہا  
 بیان تک کہ باؤد کو تو ایک آشیانے میں ساتھ رہنے لگے۔ شہ گھر کا چراغ بجھ گیا سنی مبارک لگا۔

کہیں رہے نہ مکال طرہ کا رخا نہ ہوا  
 جس نے کبھی شکوہ کیا نہ امت کا  
 بکھا ہو قافہ شاقان میں کا خدائی کو  
 بکھارے تھا کہ دم واپس کی آمد و شد  
 کو نہ بے پورے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں کسے  
 اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علی ولی  
 گواہی برقی اسی پر فلک نے یا تقدیر  
 لکھ دیا کہتی ہو میک اب ہو تو اور میں  
 کیا قبول قناعت سے بحر عالم میں  
 پڑا جو سایہ گیسو سے پیچ دار حسین  
 کشاں کشاں مجھے جانا پڑا دہاں آخر  
 سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کے نانا کو  
 ملانہ اصفرنادوں کو جسام پانی کا  
 وہ زلف چوب سناں میں بندھی ہزار افسوس  
 رہا نہ کوئی بہتر میں نظر تک باقی  
 فراق شہ کا نہ صدمہ اٹھا سکینہ سے  
 بھنگ کے راہ سے چلے کہیں نہ رہ جاؤ  
 اٹھو انیس اٹھو کارواں روانہ ہوا  
 زمیں الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا  
 گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا  
 نصیب اسے نہ گئی دن تک آب دانہ ہوا  
 یہ مضطرب ادھر آیا ادھر روانہ ہوا  
 کہ ہم بھی بھرتے تھے پوشی اسے زمانہ ہوا  
 حضور آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا  
 جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا  
 جو ساتھ آیا تھا وہ قافلہ روانہ ہوا  
 صدق کی طرح میر جو آب و دانہ ہوا  
 تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تا زیانہ ہوا  
 جہاں جہاں مری قسمت کا آب دانہ ہوا  
 لحد کو اس کی میسر نہ شامیانہ ہوا  
 صراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہوا  
 نبی کے پنچہ شرکاء سے جس میں شانہ ہوا  
 حسین وہ گئے سب قافلہ روانہ ہوا  
 قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہوا

اسے روایت ہے کہ بادل کا ایک ٹکڑا حضرت محمد کے سر پر سایہ کیے رہتا تھا۔ آپ کے ایک مصلیٰ کا نام  
 بھی صحابہ تھا۔ اس کا رنگ گلابی تھا اور وہ جنگ خندق کے موقع پر حضرت علی کے سر پر پڑھا گیا تھا۔

گور گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا (۹) مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا  
 نمود و بدو بشر کیا محیط عالم میں ہو اکا جب کوئی بھوکھا چلا حباب نہ تھا  
 فطارتے جو چھائیں ہوا زمین کو عجب خدا یہ قبر نے دی حکم بو تراب نہ تھا  
 اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھوٹا نہ تھا  
 نہ جانے برق کی چٹک تھی یا شرر کی لپک زرا جو آنکھ بھیک کو کھلی شباب نہ تھا  
 حسینؑ اور طلب آب اے معاذ اللہ تمام کوٹے تھے حجت سوال آب نہ تھا  
 تجھے نبی نے بلایا ہوا وہ نخل ہنسا فرار سے بھی دیے جو کہ باریا تھے نہ تھا  
 حضور شاہ پھر آیا کہاں سے حشر شہید خطا کی راہ میں جو جادہ صواب نہ تھا  
 علی کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی وہ نور حضرت موسیٰ کو دستیا نہ تھا  
 ہر اک کے ساتھ ہو روشن دلو طلوع و غروب سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا  
 فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی بہت قریب تھی وہ ہنر قحط آب نہ تھا

انیس عمر بسر کر دو خاکساری میں  
 کہیں نہ یہ کہ غلام ابو تراب نہ تھا

مرار از دل آشکارا نہیں ۱۱، وہ دریا ہوں جس کا کنارہ نہیں  
 وہ گل ہوں جدا سب سے جس کا رنگ وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں  
 وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور وہ آتش ہوں جس میں شرار نہیں

لے بہشت کا ایک چشمہ تھے اس شور میں رسول کے دو جود کی طون اشاد ہو۔ ایک یہ کہ آپ جی نعمت  
 کو بلاتے تھے وہ آپ کے پاس چلا آتا تھا۔ دوسرا یہ کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک سوکھے ہوئے درخت پر کئی کوئی  
 قودہ درخت بزرگ پر چل دار ہو گیا۔ شیخ تاج نے ذیل کے شعر میں پہلے سورج کی طون اشارہ کیا ہو۔  
 آدھی کیا کو تیرے فراں سے دوڑے آئیں ہیں لاکھ بار درخت

سہم اسکے دھن بھٹکے تیرا ایک یہ کہ جو نبی کی خدمت میں حاضر نہ تھا دوسرے یہ کہ جو چیل دانہ تھا گئے مل  
 کی دھن بھٹکے تیرا ایک یہ کہ حضرت موسیٰ کے لہجہ میں ایک نہایت چمک دھن بھٹکے تھا۔ یہاں نہایت  
 کا استہلال لفظ کے لغوی معنوں میں ہوا ہے۔

بہت رال دنیا نے دیں بازیاں      میں وہ فوجاں ہوں کہ ہارا نہیں  
 فیکر دں کی مجلس ہے سب سے جدا      امیروں کا یاں تک جو گوارا نہیں  
 سکندر کی خاطر بھی ہے ست باب      جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں  
 گئے پہنچے غلین داں      فرشتے کا جس جا گوارا نہیں  
 جہنم سے ہم بے قرار دں کو کھینچا      جو آتش پہ کھڑے وہ پارا نہیں  
 پھرے دوست جب ہو گئی قربند      کھلاب کہ کوئی ہمارا نہیں  
 گئے ڈنگا کو زمیں پر حسین      فرس سے کسی نے اتارا نہیں  
 کسی نے تری طرح سے لے انیس  
 عروس سخن کو سنو اورا نہیں

ضبط گو یہ ماتم سرود میں ہو سکتا نہیں (۱۱) سر بھکا کو بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں  
 رات اندھیری پریش اعمال ایدلے فنا      قبر میں بھی چین سے انسان ہو سکتا نہیں  
 کا دہاتی میں ہیں عاجز کا سازان جہاں      اپنے منہ کی گودی پانی آب دھو سکتا نہیں  
 کہتے تھے حضرت ہر شریں کہ مغرب میں یں      دوستوں کے ہم نہ کام آئیں ہو سکتا نہیں  
 شاہ کہتے تھے کہ دنیا بھی ہو عبرت کی جگہ      مر گیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں  
 نظم ہے یا گو ہر شہزاد کی لڑیاں انیس  
 جو ہری بھی اس طرح موتی پر دسکتا نہیں

شبیبہ امام دماں کھینچتے ہیں (۱۲) تصور میں تصویر جاں کھینچتے ہیں  
 جگہ مولیٰ ہے مزار دں کی خاطر      زمیں پر شدہ دیں نشان کھینچتے ہیں  
 لے مہراج کی شب میں رسول و شریں تک جو تاپہتے ہوئے چلے گئے حالانکہ سبے مقرب فرشتہ یعنی جبریل بھی

جو تھے آسمان سے آگے نہیں جا سکتا تھے یہ شعراں فارسی شعر کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے

کامرازاں جہاں درکار خود زمانہ اند      آب نتواند کہ شویہ گوارا رخسار خوش

تھے بادشاہوں کے قابل۔

بہت ہم کو پیسا ہو اک دن تجھے بھی  
 قرین سر کے ہو آفتاب قیامت  
 محبت کا ورثہ نہایت ہو نازک  
 دکھا دوں زمین بخت کی بلسندی  
 زمیں کے تلے جس کو جانا ہو اک دن  
 فقیروں نے یاں پاؤں پھیلا دیے ہیں  
 بھکاتے ہیں سر آستانِ علی پر  
 مچھلیوں نہ بدلی سے اسے برقی خاطر  
 سخن ہے اگر باعث تلخ کامی  
 زمیں دار سیراب ہیں کو بلا کے  
 ادھر خشک ہو فاطمہ کی رراعت  
 ہوا جن کو لگنے نہ دیتی مٹی بلسل  
 کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابد  
 پسینہ نہیں پونچھتے رُخ سے حضرت  
 کھاتوں سے شہ نے گناہوں پہ تیرے  
 انھیں کے لیے ہے زمانے کی تلخی  
 عجب حال ہے دخترِ فاطمہ کا  
 پکاری سکینہ دہائی ہے بابا

کھینچنے میں اسے آسماں کھینچتے ہیں  
 لہر پر عبث سائباں کھینچتے ہیں  
 مجھے کس لیے قدر داں کھینچتے ہیں  
 بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں  
 وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں  
 بحث ہاتھ اہل جہاں کھینچتے ہیں  
 سرخسہ تا لامکاں کھینچتے ہیں  
 حسین آہ آتش فشاں کھینچتے ہیں  
 تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں  
 اذیت امام زماں کھینچتے ہیں  
 وہ کھیتوں میں آپ داں کھینچتے ہیں  
 وہی محل جفاے خواں کھینچتے ہیں  
 یہ لنگر کہیں ناخواں کھینچتے ہیں  
 گلاٹ گل ارغواں کھینچتے ہیں  
 خط عفو آئے میہاں کھینچتے ہیں  
 بڑے رنج شیریں زباں کھینچتے ہیں  
 دوا سر سے ایذا رساں کھینچتے ہیں  
 ستم گو مری بالیاں کھینچتے ہیں

لے تیزی سے کھینچنے والی لہ اس شعر میں امام حسین کے محبوب سے قتل ہوئے ہر ایک کو انھوں نے  
 سرخ پھول سے دار آپ کے پیچھے کو شمشیر کے اعتبار سے گلاب سے تشبیہ دی ہے۔  
 خط عفو کھینچا۔ فرد جرم کو نظر کو دونا۔ قصور معاف کر دنا

جسے دیکھ کر ہوئے مانی کو حیرت وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں  
 کہا رو کے اکبر نے اسے دردِ تھم جا کھینچے سے بابا سناں کھینچتے ہیں  
 انیس اس زمیں میں بہت کم ہو وسعت  
 کینٹ قلم کی عنان کھینچتے ہیں

ابتداء سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے ۱۱۳، اڑ گیا جب نگ رخ سے استخوان پیدا ہوئے  
 خاک اسی نے دکھائیں رفتوں پر رقیں اس زمیں سے ولہ کیا آسماں پیدا ہوئے  
 علم خالق کا خزائن ہو میان کاف و نون ایک کن کہنے سے یہ گون و مکان پیدا ہوئے  
 ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کے نسیم پھول بھی اس فصل میں ایسے گواں پیدا ہوئے  
 نوبت جمید و دارا و سکندر اب کہاں خاک تنگ چھانی نہ قبروں کے نشان پیدا ہوئے  
 جو عدم سے آگیا دنیا میں بولی سنس کے موت ادر اک دو چار دن کے میماں پیدا ہوئے  
 ضبط دیکھو سب کی سن لی پر نہ اپنی کچھ کھی اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے  
 جان دی حُر نے تو حضرت کے دیا باغ ادر علم میماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے  
 بود و نابود علی اصغر کو کیا نیچے بیاں بے زباں دنیا سے اٹھ بے زباں پیدا ہوئے  
 دیکھو کولاشوں کو حضرت کہتے تھے واغربتا موت لے آئی کہاں انکو کہاں پیدا ہوئے

احتیاط جسم کیا انجام کو سوچو انیس

خاک ہونے کو یہ شت استخوان پیدا ہوئے

شبیر کے علم میں رہ رہے ہیں (۱۱۴) صفحہ آب گھر سے دھور ہے ہیں

نہ سُرُخ رنگ کا گھوڑا جس کی یاں اور دم سیاہ ہو۔

اسے انتہائی لاغری دکھائی ہے۔ مراد یہ ہے کہ چہرے پر گوشت باہل تھا ہی نہیں صرف ہڈیوں پر  
 رنگ پھرا ہوا تھا۔ اس لیے رنگ کے اڑ جانے سے ہڈیاں دکھائی دینے لگیں۔ سہ بہشت

دکھینے

ناتواں ہواں سے



گندم گندم ہے جو سے جو ہے      کھائیں گے وہی جو بڑ ہے ہیں  
 بے رنج ہیں خفتگانِ مرقد      کیسے راحت سے سو رہے ہیں  
 بے آب ہے شہ کو تیسرا دن      اعدا سیراب ہو رہے ہیں  
 بیڑا امت کا کھٹا سنے کو      کشتی اپنی ڈبو رہے ہیں  
 اکبر سے سپر کو دی ہے رخصت      اپنی دولت کو کھو رہے ہیں  
 محبوب خدا کے تن کے کپڑے      اعدا خوں میں ڈبو رہے ہیں  
 روتے نہیں بزم میں گنہ گار      فردیں عصیاں کی دھو رہے ہیں  
 ہے سلک گہر یہ رشتہ نظم      کیا کیا موتی پرور رہے ہیں

بہتا ہے انیس خون انصاف

مضوں مرے قتل ہو رہے ہیں

پڑا جو عکس تو ذرہ بھی آفتاب بنا (۱۵)، خدا کے نور سے جسم ابو تراب بنا  
 بناے دوضہ سرور جو کر بلایں ہوئی      ملک پکارے کہ اب خلد کا جواب بنا  
 عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو      اب اپنی قبر بھی اے خانماں خراب بنا  
 یہ مشعل ہوئی سینے میں آتشِ عشم شاہ      کہ آہِ سیخ بنی اور دل کعباب بنا  
 مرے گناہوں کے دفتر نے اتری کی ہے      نئے سیاق سے بگڑا ہوا حساب بنا  
 جو آبرو کی طلب ہے تو کو عرقِ دیزی      یہ کش مکش ہوئی تب پھول سے گلاب بنا  
 ہوا آپ کیوں میں تنک ما یگانِ بحرِ جان      جو بڑھ گیا کوئی قطرہ تو کیا احباب بنا  
 ترے سلام میں ہو گئیے کا سارا لطف      انیس نظم غم شہ میں اک کتاب بنا

لے یہ اس فارسی مصرعے کا ترجمہ ہو: "گندم از گندم برودید جو جو"

لے خان دان کے معنی ہیں مکانِ لودہ اسباب: 'خانماں خراب' ایک طرح کی بد دعا ہے۔  
 لے ہوا پر ہونا۔ دون کی لینا۔ قعلی کوٹا۔ اترانا۔ بجا فر کرنا۔

## رباعیاں

تہلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تو  
اُتر ہو گشت جاں سے اور اس پر یہ بعد "اشر انہر کس قدر دور ہے تو

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے بلیل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے  
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا (۲) جس پھول کو سو گھستا ہوں تو تیری ہے

گلشن میں پھول کہ صبر صبر ادا کیوں یا سعدن د کوہ و دشت و دریا دیکھوں  
ہر جاتری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے (۳) حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

رتبہ عجبے دنیا میں خدا دیتا ہے وہ دل میں فرد تنی کو جا دیتا ہے  
کوٹے ہیں تہی مغز بٹھنا آپ اپنی (۴) جو ظن کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

لے قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ "تَحْتَ قُبُلِ الْيَمِينِ حَبْلِ الْوَسْطِ" یعنی میں  
افسان کی رگ گردن سے زیادہ قریب ہوں۔ یہ رباعی میر جلال الدین سیادت کشمیری کی مندرجہ  
ذیل رباعی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے۔

آنکس کہ دلش پر بود از گوہر راز ہرگز نہ بود بشہر تش روے نیاز  
بے مغز ہمیشہ میل شہرت دارد در کاسہ خالی نہ بود جز آواز  
سہ جن کا دماغ خالی ہو۔ ناہم۔ بے سمجھ۔

مال و زرد آفر و چشم ملتا ہے ممکن ہے نیکیوں بلب و علم ملتا ہے  
عقلا گو گو د سرخ پار بستل اک شیر (۵) یہ سب ملتے ہیں دوست کلم ملتا ہے

آدم کو جب خدا نے رتبہ بخشا ادنیٰ کے لیے مقام اعلیٰ بخشا  
عقل و ہنر و تیز د جان و امیاں (۶) اس ایک کف خاک کو کیا کیا بخشا

تو قیر ترے ہی آستانے سے ملی عزت ترے در پہ سر بھکانے سے ملی  
مال و زرد آبر و دین و امیاں (۷) کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

یہ ادج یہ مرتبے ہوا کو نہ ملے یہ دلش شریع امراء کو نہ ملے  
بخش ہے خدا نے ہم کو وہ دولت فقر (۸) برسوں و مہینوں سے تو بادشاہ کو نہ ملے

دولت کا نہیں خیال آتا ہی نہیں یہ نشہ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں  
لبریز ہیں یہ دولت استغنا سے (۹) آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

عزت رہے یا رد آشنا کے آگے محبوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے  
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولا میں چلیں (۱۰) یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

لے تاج - لے لنگ نلگینہ - انگوٹھی - یہاں بادشاہ کی ہر کی انگوٹھی مراد ہے -

۲۲ و ۲۳ وہ انگوٹھ د سرخ، کے معنی ہیں لال رنگ کی گندھک: پاس، ایک قسم کا پتھر ہے، اکسیر کیا گیا  
عل سے تیار کی ہوئی خاک تر کہتے ہیں۔ ان تینوں چیزوں سے مختلف دھاتوں کو سونا بنا سکتے ہیں اور  
یہ تینوں چیزیں نہایت کیاب ہیں۔ اس لیے ان کا ذکر عقلا کے ساتھ کیا گیا، جو لے کر دے دیے ہوئے

ٹٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلتے والے کب تھتے ہیں جواشک ہیں ڈھلنے والے  
اشدرے ترے سخن کی تاثیر انیس<sup>(۱۱)</sup> رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے

بلبل یاں آکے خوش بیانی سیکھے اندازِ فغاں مجھ سے فغانِ فی سیکھے  
رو نامری آنکھوں سے کوئے حاصل ابر<sup>(۱۲)</sup> دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

نافم سے کب داد سخن لیستا ہوں دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں  
چھپتی نہیں بوسے دوستان یک رنگ<sup>(۱۳)</sup> کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیستا ہوں

جس شخص کو عقبی کی طلب گاری ہے دنیا سے ہمیشہ اسے بیداری ہے  
اک چشم میں کس طرح سائیں دونوں<sup>(۱۴)</sup> غافل یہ خواب ہے وہ بیداری ہے

راحت کا مزہ عددے جانی نکلا دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا  
پیاسے رہے آکے چاہ دنیا پہ انیس<sup>(۱۵)</sup> نکلا کبھی کبھی تو شور پانی نکلا

کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے  
اشدری پیری میں ہوس دنیا کی<sup>(۱۶)</sup> تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

لے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ لے موافق ہو کو مخالف ہو جانے والے۔ تھالی کے بیگن جو کھجی ادھر ہیں  
کھجی ادھر۔ لے حمد کرنے والے۔ حاسد شمع کی مثال نہایت مناسب ہو کہ وہ جلتی بھی ہو اور دوتی  
بھی ہے۔ لے ابران کا ایک مشہور شاعر۔ نالہ و فریاد کرنے والا۔ یہاں یہ دونوں معنی لیے جاسکتے  
ہیں۔ لے سر چکراتا۔ دماغ پریشان ہونا۔

دولت کی نہ خواہش ہو نہ در چاہتے ہیں نہ مال نہ اسباب نہ کھر چاہتے ہیں  
جو زرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو <sup>(۱۸)</sup> ہاں اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

نیاں کو نخل دیدہ تر سے پایا دامن کو بھرا ہوا گھر سے پایا  
یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں <sup>(۱۸)</sup> جو حفظِ غم شاہِ بحرِ دبر سے پایا

ہر دم غمِ سبطِ شہرِ لولائے کیا جب نام لیا چشم کو فنا کیا  
نہ ہو گیا ردِ مال نہ پھاڑا دامن <sup>(۱۹)</sup> پایا نہ گویاں تو جگر چاک کیا

مجلس میں عجب بہارِ چشم تر ہے ہر سخت جگر رشک گلِ احمر ہے  
اشکوں سے ہو کیوں آبرو آنکھوں کی <sup>(۲۰)</sup> بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار شادی کی خوشی میں غم کی ہے غم میں بہار  
پھایا ہے دلوں پہ ابراندہ دلال <sup>(۲۱)</sup> رونے کی ہے عشرہ محترم میں بہار

کس دن فرسِ خامہ نگِ دود میں نہیں مجھ سا کھلی سیہ بخت کوئی سو میں نہیں  
ہر چند کہ ہوں خسروِ تسلیم سخن <sup>(۲۲)</sup> پر عزیز دوات کچھ تلرد میں نہیں

سہ موسم بہار کا ایک ہی نہ یہاں آبِ نیاں مراد ہو یعنی وہ پانی جو ماہِ نیاں میں برے کھتے ہیں  
کہ آبِ نیاں کا جو قطرہ پیپ کے صف میں چلا جاتا ہو وہ موتی بن جاتا ہو۔  
سہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف لولائے لولائے لولائے یعنی اسے محمد اکرمؐ نہ ہوتے  
تو اس آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ نہ لولائے مراد ہیں پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ۔

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا کھانے کی لذت نہ مزہ پانی کا  
مر رہیے کسی دشت کے دامن میں انیس<sup>(۲۳)</sup> پردہ ہے یہی جامہ عریانی کا

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے تو کچھ بھی مال کی خبر رکھتا ہے  
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیس<sup>(۲۴)</sup> جو سر رکھتا ہے درد سر رکھتا ہے

کیا کیا دنیا سے صاحب مال گئے دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے  
پہنچا کے الحد تک پھر آئے سب لوگ<sup>(۲۵)</sup> ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

افس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے  
تھا کون سا نخل جس نے دکھی نہ خواں<sup>(۲۶)</sup> وہ کون سے گل کھلے جو مر بھانہ گئے

ادبار کا کھٹکا حشم و جہاں میں ہے جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے  
اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کب تک<sup>(۲۷)</sup> دیکھو دیکھو اجل کش گاہ میں ہے

پیری آئی عذار بے نور ہوئے یارانِ شباب پاس سے دور ہوئے  
لازم ہو کفن کی یاد ہر وقت انیس<sup>(۲۸)</sup> جو مشک سے بال تھے وہ کاغذ ہوئے  
لے چھپ کر گھات لگانے کی جگہ لے جوانی کے زمانے کے دوست ایک معرکہ جو مرتبہ خوانی کے  
فن سے بخوبی واقف تھے اور شاید میر انیس کا پڑھنا سن چکے تھے وہ جب یہ رباعی پڑھتے تھے تو یاد ان  
شباب کہتے وقت اپنے دانتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اس طرح یہ رباعی پیری کا ایک صبح مرتق  
ہو جاتی ہے۔ رخساروں کی بے رونقی دانتوں کا ڈونڈا بالوں کا سفید ہو جانا یہی تینوں چیزیں ٹھٹھلے  
کی نمایاں علامتیں ہیں۔ سب سفید ہو گئے۔

درد و الم مہمات کیونکر گزرے یہ چند نفیس حیات کیونکر گزرے  
پیری کی کبھی دو پہر دھلی شکرانہ نیست <sup>(۳۹)</sup> اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گزرے

آغوش لحد میں جب کہ سونا ہو گا جو خاک نہ تکیہ نہ بھوننا ہو گا  
تہائی میں آہ کون ہووے گا نیست <sup>(۴۰)</sup> ہم ہو دیں گے اور قبر کا کونا ہو گا

مردم کے مافرنے بایا ہے تجھے رُخ سبے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے  
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اسے قبر <sup>(۴۱)</sup> میں نے بھی تو جاننے کے پایا ہے تجھے

طفل دیکھی شباب دیکھا ہم نے ہستی کو حجاب آب دیکھا ہم نے  
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا <sup>(۴۲)</sup> جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

کچھ عقل کی میزان میں تو لانا گیا چپ ہو گئے اس طرح کہ بولانا گیا  
عقدے سب حل ہونے مگر آہ نیست <sup>(۴۳)</sup> یہ بند اجل کسی سے کھولانا گیا

وہ موج حوادث کا پھیڑا نہ رہا کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا  
سارے ٹھکڑے تھے زندگانی نکت نیست <sup>(۴۴)</sup> جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیرا نہ رہا

خاصی میں یاں لذت گویائی ہے آنکھیں جو ہیں بند عین بنائی ہے  
نہ دوست کا جھگڑا نہ دشمن کا فساد <sup>(۴۵)</sup> مر تو بھی عجب گوشہ تہائی ہے

تمام شد

